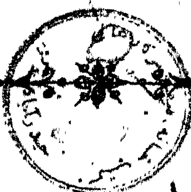
DR. STALKER'S IMAGO CHRISTI.

...فرمایا راہ اور حق اور ... انجیل یوحنا ۱۴:

ویسی ہو جو مسیح ... تھا۔ فلپیوں ۲: ۵

مسیح کا نمونہ

ڈاکٹر سٹاکر صاحب کی کتاب سے ترجمہ کیا گیا



پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی

انار کلی ۔ لاہور

سنہ ۱۹۰۵ء

مفید عام پریس [illegible]

مَسِیْح کا نَمُوْنَہ

پہلا باب

تمہید

مسیح کی پیروی مُصنّفۂ ٹامس۔اے کمپس

بئبل کو چھوڑکر مسیحی کلیسیا میں اَور کسی کتاب نے ٹامس۔اے کمپس کی مسیح کی پَیروی کی برابر شہرت و اشاعت حاصل نہیں کی۔صرف ایک اَور کتاب ہے جو اس شہرت و ہردلعزیزی میں کسی قدر اُس کی برابری کا دعوے کر سکتی ہے اور وہ بَنیَن صاحب کی کتاب مسیحی مسافر ہے۔ مگر مسیحیوں کے دلوں میں جو جگہ قدیمی کتاب کو حاصل ہے۔ وہ مسیحی مسافر سے کہیں بڑھکر ہے۔کیونکہ جب کہ دیو پوپ کی تصویر بہت سے متعصب رومی کلیسیا والوں کو مسیحی مسافر کے مطالعہ سے باز رکھتی ہے۔ مسیح کی پیروی کو تمام مسیحیوں کی نظر میں خواہ وہ کسی کلیسیا سے تعلق رکھتے یا دُنیا کے کسی

حصّہ کے رہنے والے ہوں یکساں عزت حاصل ہے +

پراٹسٹنٹ لوگوں کے لئے خاص اس وجہ سے بھی یہ کتاب [illegible]
رکھتی ہے کہ وہ ایک پراٹسٹنٹ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نہیں۔ یہ کتاب
پندرھویں صدی میں تصنیف ہوئی۔ اور اس کا مصنّف لوتھر سے ایک [illegible]
کے قریب پہلے گزرا۔ اس لئے یہ اُس زمانہ سے تعلّق رکھتی ہے جو مسیحی کلیسیا
کی تاریخ میں نہایت ہی تاریک زمانہ شمار کیا جاتا ہے۔ جب کہ انسانی [illegible]
کے سامنے خدا کی روشنی گل ہونے کے قریب معلوم ہوتی تھی۔ پراٹسٹنٹ
لوگ اصلاح سے پہلے زمانے کی نسبت مشکل سے یہ خیال کرتے ہیں کہ
اُس وقت مسیحی مذہب زندہ تھا۔ کیونکہ اُس عہد پر نظر کرنے سے [illegible]
بے شمار غلطیاں اور خرابیاں آنکھوں کے سامنے آتی ہیں کہ خیال گزرتا
ہے کہ اُس زمانے میں مسیح کا مذہب صفحۂ دُنیا سے گویا بالکل نیست
تھا۔ مگر یہ اکیلی کتاب ہی اس غلطی کو رفع کرنے کے لئے کافی ہے۔ [illegible]
ایک ایسی آواز کی مانند ہے جو تاریکی میں سے نکل کر ہم کو یہ یاد دلاتی ہے
کہ مسیح کی کلیسیا کبھی بالکل معدوم نہیں ہوئی۔ بلکہ بڑے سے بڑے زوال
کے زمانے میں بھی خدا کے شاہد اور مسیح کے عشّاق دُنیا میں برابر موجود
تھے +

خود مسیح کی پیروی میں بھی اُس بُرے زمانہ کے جس میں وہ لکھی گئی تھی
ایک نشان ملتے ہیں۔ اُس میں بعضے ایسے توہّماتِ باطلہ کا ذکر ہے جو زمانۂ
حال میں بالکل مردود ہیں۔ مگر اُس خراب زمانہ کی ان یادگاروں کو دیکھ کر
اس کتاب کی نہایت عمیق مسیحی روحانیت اور بھی تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے
اُس کے ہر صفحہ میں مسیح کی محبت اور عقیدت کے ایسے پُرجوش بیانات

لئے ہیں جو ہر زمانہ کے مسیحی لوگوں کے دل میں گھر کرنے والے ہیں ؛

"اے میرے پیارے شوہر یسوع مسیح - تو نہایت پاکباز عاشق اور تمام مخلوقات کا حاکم ہے - کون مجھے سچی آزادی کے بازو عنایت کریگا کہ میں اڑکر تجھ میں آرام پاؤں" ؟

"اے یسوع - تو ابدی جلال کی رونق اور مسافر روح کی تسلی ہے - تیرے حضور میں میرے ہونٹ خاموش رہتے ہیں - لیکن میری خاموشی ہی تجھ سے کلام کرتی ہے" ؛

"میرا خداوند کب تک آنے میں توقف کریگا ؟ کاش کہ وہ اپنے اس خادم کے پاس آئے - اور اس کو خوش کرے - آ - آ - کیونکہ تیرے سوا میرے لئے کوئی خوشی کا روز یا گھڑی نہیں - کیونکہ تو ہی میری خوشی و خرمی ہے اور تیرے سوا میرا دسترخوان کبھی نہیں بچھتا" ؛

"اور لوگ تیرے سوا اور اور چیزوں کی جو انہیں اچھی لگیں تلاش کریں تو کریں - مگر اے میرے خدا میری اُمید - میری ابدی نجات - مجھے تو تیرے سوا اور کوئی چیز خوش نہیں آتی - اور نہ کبھی خوش آئیگی" ؛

تمام کتاب ننھی کی محبت کے اس قسم کے پُرجوش اقرارات سے پُر ہے اور اس میں فی الجملہ ایک بڑی عجیب بات یہ ہے کہ روح سیدھی مسیح کے پاس جاتی ہے اور فضل کے اُن وسائل پر کبھی نہیں ٹھیرتی جو اس زمانہ میں عموماً ننھی کے قائم مقام سمجھے جاتے تھے - اور نہ وہ مقدس کنواری یا دیگر مقدسین کی توسل یا سفارش کی - جس پر رومی کلیسیا کی عبادتی کتابوں میں اس قدر زور دیا جاتا ہے کچھ حاجت معلوم کرتی ہے - یہ بات کل کتاب میں سب سے زیادہ صحیح اور تسلی بخش عنصر ہے اور ہر ایک ایسے شخص کے

لئے خوشی کا باعث ہے جو یہ یقین کرنا چاہتا ہے کہ اُس زمانے میں بھی جب حقیقی دینداری کی رُوح عبادت کے ظاہری دستورات کے نیچے دب رہی تھی۔ بہت ایسی رُوحیں بھی تھیں جو ان تمام رُکاوٹوں کے باوجود زندہ مُنجی کی مواصلت میں خوش تھیں ٭

۲

اگرچہ اس کتاب کے مصنف کے حالات بہت کم معلوم ہیں مگر جو شخص اس کتاب کو مطالعہ کرتا ہے وہ اُس کی طبیعت سے نہایت گاڑھی واقفیت حاصل کرلیتا ہے۔ مؤرخ کی نظر میں تو اُس کی ہستی سایہ کے مانند معلوم ہوتی ہے مگر زاہد و عابد شخص کے لئے اُس کی شخصیت نہایت صاف و واضح ہے اُسکی شخصیت سب سے جدا اور بآسانی پہچانی جاسکتی ہے۔ اور باوجودیکہ اُسکی

ؔ یہ ابھی تحقیق نہیں ہوا کہ مسیح کی پیروی کا مصنف کون تھا اور شائد کبھی بھی معلوم نہ ہو اس بحث میں سیکڑوں کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔ مگر تو بھی اب تک اس امر کا فیصلہ نہیں ہوسکا نو یا دس بزرگ اشخاص میں سے جن پر وقتاً فوقتاً اِس کتاب کے مصنف ہونے کا شبہ کیا گیا صرف دو ایسے ہیں۔ جن کی نسبت عام رائے کا غلبہ معلوم ہوتا ہے۔ یعنی تامس ہیمرکن ساکن کیمپن اور جین۔ ڈی۔ شارلیر ڈی جرسن۔ اوّل الذکر کولون واقع فرانس کے اُسقفی علاقہ کے ایک راہب خانہ موسومہ سنٹ اگنیس کا نائب حاکم تھا۔ اور دوسرا بیت العلوم پیرس کا چینسلر اور اپنے زمانے کے نہایت مشہور و معروف اشخاص میں سے تھا ٭

یہ دونو مقدس ایک ہی زمانہ میں جو رُوحانی لحاظ سے نہایت خشک اور مردہ تھا پیدا ہوئے۔ یہ ایک نہایت خرابی اور بے امنی کا زمانہ تھا۔ جبکہ ملکی فسادات اور مذہبی زوال قحط و جنگ۔ مصیبت اور شورش۔ جہالت اور بدکاری زوروں پر تھی۔ تامس اے کمپس

عقیدت و اخلاص نہایت اعلےٰ اور جوش آمیز ہے تو بھی اُس میں ایک قسم کی سادگی اور لطافت پائی جاتی ہے۔ جس سے ہمارے دل خود بخود اُس کی طرف کھچے جاتے ہیں۔ علاوہ بریں جب ہم کتاب کو کھولتے ہیں تو ایسا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶) سنہ ١٣٧٩ء میں پیدا ہوا اور بانوے سال کی عمر میں ۸ اگست سنہ ١٤٧١ء کو مرگیا۔ جرسن سنہ ١٣٦٣ء میں پیدا ہوکر ٦٦ سال کی عمر میں فوت ہوا۔ یہ دونوں اصحاب چالیس سال سے زیادہ عرصہ تک ایک دوسرے کے ہمعصر رہے۔ مگر اُن کے حالات ایک دوسرے سے نہایت مختلف تھے ؎

تامس کا باپ اہل حرفہ میں سے تھا۔ تامس ایک عزلت گزین شخص تھا اور پرانے نسخوں کی نقلیں کرکے اپنا گزارہ کرتا تھا۔ اُس نے ڈیونٹر نامی ایک قصبہ میں تعلیم پائی اور اُنیس سال کی عمر میں ایک راہب خانہ میں داخل ہوگیا۔ جہاں وہ ستر سال سے زیادہ عرصہ تک نہایت امن و اطمینان سے بسر کرکے مرگیا۔ اس عرصہ میں صرف ایک حادثہ اُس کی زندگی میں واقع ہوا اور وہ یہ تھا۔ کہ بجائے اس کے کہ ایک صدر اُسقف کو جس کے تقرّر سے پوپ نے انکار کیا تھا قبول کرے وہ اپنے راہب خانہ کو چھوڑکر چلا گیا۔ مگر اُس کی یہ جلاوطنی بہت عرصہ تک نہ رہی ؎

مگر جرسن کی زندگی اس سے نہایت ہی مختلف قسم کی تھی۔ وہ اپنے ایام جوانی میں ترقّی کرکے پیشتر اس کے کہ اُس کی عمر تیس سال کی ہوئی پیرس کے بیت العلوم میں چینسلر کے نہایت معزّز عہدہ پر مقرّر ہوگیا۔ جہاں اُسے پوپوں اور کونسلوں۔ جماعتوں اور بادشاہوں کے ساتھ سخت جدوجہد کی زندگی بسر کرنی پڑی۔ اور جب اُس کی تمام زندگی آخرکار ناکامی میں ختم ہوتی ہوئی معلوم ہونے لگی تو اُس نے دیکھ لیا۔ کہ آدمی خواہ کیسا ہی بزرگ کیوں نہ ہو پھر بھی کیسی خورد اور بے حقیقت چیز ہے۔ اور انسان کی ناکمل راہیں خدا کی کاملیت سے کس قدر مختلف ہیں۔ اُس وقت یہ چینسلر اعظم جو بڑی بڑی

محسوس کرتے ہیں کہ گویا ہم ایسے شخص کی صحبت میں بیٹھے ہیں۔ جس نے فی الحقیقت زندگی کا راز دریافت کرلیا ہے۔ ہم جان لیتے ہیں کہ وہ ایک ایسا شخص ہے۔ جس نے زندگی کی تھکا دینے والی آوارہ گردی کے بعد جس میں شائد ہم بھی اس وقت پھنسے ہوئے ہیں۔ اور بہت سی جدوجہد کے بعد جس میں ہم مشغول ہیں۔ آخرکار خدا کے اطمینان کو حاصل کرلیا ہے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۷) کونسلوں کی جان تھا اور جس کے سامنے پوپ بھی کانپتے تھے آخرکار اپنی جان لے کر بھاگا اور اس نے لائنس کے ایک راہب خانہ میں جاکر جو اس کے بھائی کے زیر اہتمام تھا پناہ لی۔ وہاں اُس نے ایک غریب اور گمنام راہب کی حیثیت میں اپنی زندگی کے باقی دن فروتنی اور عجز کی حالت میں بسر کئے۔ اُس وقت جبکہ وہ بویریا کے کوہستان میں اُداس اور خطرات کے درمیان آوارہ پھر رہا تھا۔ جو خیالات اُس کے دل میں پیدا ہوئے وہ اُس کی گزشتہ پُر اضطراب زندگی کے خیالات کی نسبت بہت مختلف تھے۔ یا یوں کہو کہ زمانۂ سابق کی اشیا اُس کی رُوح کے خط افق سے اُن آتشی رنگوں کی مانند جو بادلوں کے درمیان آفتاب کے غروب ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ غائب ہوگئی تھیں۔ لیکن جیسے کہ غروب کی سرخی مدھم ہوجانے پر لازوال ستاروں کی روشنی نظر آنے لگتی ہے اُسی طرح جب زمینی حرص و ہوا کے رنگین بخارات پھیکے پڑ گئے تو آخرکار اب جرسن اُن زندہ یا قوتوں کو جو رُوحانی اُمیدوں کے گہرے فضا میں درخشاں ہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ بڑے بڑے علما کے درمیان پیشوا رہ چکا تھا۔ مگر اب وہ صرف سیدھی سادی سچائیوں کی پروا کرتا تھا۔ وہ عزت و شہرت کے میدان میں ایک جنگی بہادر رہ چکا تھا۔ مگر اب اُس نے زہد و عزلت کی زندگی اختیار کرلی تھی۔ اپنی آتشی کشمکش کے زمانہ میں وہ چلا اُٹھا تھا کہ "سلامتی۔ سلامتی۔ میں سلامتی کا طلبگار ہوں" لیکن اب آخرکار اُس کی رُوح میں وہ اطمینان جو دُنیا دیتی ہے نہیں۔ بلکہ وہ اطمینان جو سمجھ سے باہر ہے داخل ہوا + فیرز

وہ ہمیں الگ لے جاتا اور ہاتھ پکڑ کر ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ہم آرام کے ملک کو ملاحظہ کریں۔ اس کتاب میں یہی خوبی ہے جو سب سے بڑھکر ہے اور جس کو کبھی زوال نہیں ہوگا۔ ہم سب کے دلوں میں ایک قسم کا خفیہ اعتقاد ہے کہ دُنیا میں ضرور کسی نہ کسی جگہ کوئی ایسا بہشت موجود ہے جو اِس قسم کے دُکھ اور تکلیفات سے جن میں ہم گرفتار ہیں۔ پاک ہے۔ اور جسے خدا کے فضل کے دریا سیراب کرتے ہیں۔ اور جب کبھی کوئی ایسا شخص ظاہر ہوتا ہے۔ جس کے طور و طریق اور خو بو سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کے اس باغ عدن میں رہ چکا اور اس دریا کے پانی سے سیراب ہوا ہے۔ تو ہم اُس کو بڑی خوشی سے قبول کرتے اور بڑے شوق سے اُس کی باتیں سُنتے ہیں ؎

مگر یہ خوشنما زمین کہاں ہے؟ یہ بہت دُور نہیں۔ یہ خود ہمارے اندر ہی ہے کیونکہ لکھا ہے کہ "خدا کی بادشاہت تم میں ہے" لوگ اپنے سے باہر خوشی کی تلاش کرتے ہیں یعنی مال و دولت میں۔ علم میں۔ شہرت و ناموری میں۔ دوستوں اور رشتہ داروں میں۔ اوروں کا ذکر تذکرہ کرنے یا نئی نئی خبریں سننے میں۔ وہ عجائبات کی تلاش میں دنیا کے حصوں میں اِدھر اُدھر مارے پھرتے ہیں۔ وہ سمندر کی تہ میں جاتے اور دولت کی تلاش میں قعرِ زمین تک پہنچتے ہیں۔ اُنکے شورانگیز جذبات اُنہیں عیش و عشرت کی عجیب و غریب اشیا کی جستجو پر مجبور کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے جنگ کرتے ہیں۔ کیونکہ اُن میں سے ہر ایک اپنی دلی بےاطمینانی سے یہ یقین کرتا ہے کہ اُس کا بھائی اُس خوشی کو جو اُس کا حصہ تھی۔ اُس سے چھین لے گیا ہے۔ مگر اس تمام عرصہ میں اُن کے پاؤں خوشی سے برابر ٹھوکر کھاتے رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ درحقیقت سنگِ راہ کی طرح اُن کے پاؤں ہی میں پڑی ہے۔ وہ اُس کی تلاش میں

زمین کی حدود تک بھاگے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ گھر ہی میں موجود ہے۔

"جب کبھی ایک آدمی کسی چیز کی حد سے بڑھکر خواہش کرتا ہے۔ تو اُس کے دل میں اُسی وقت اُس کے لئے ایک قسم کی بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ مغرور اور حریص آدمی کو کبھی چین نصیب نہیں ہوتا۔ مگر یہ صرف رُوح کے غریب اور فروتن لوگ ہیں جو اطمینان و سلامتی کی بہتات میں چین کرتے ہیں"۔

"ہم بھی بہت کچھ اطمینان و سلامتی حاصل کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہم اپنے کو دوسروں کے اقوال و افعال میں یا ایسی چیزوں میں جن سے ہمیں کچھ واسطہ نہیں نہ لگائیں"۔

"وہ شخص کس طرح زیادہ عرصہ تک امن و اطمینان سے رہ سکتا ہے جو اپنے کو اوروں کے فکر و اندیشہ میں پھنسا دیتا ہے۔ جو ہمیشہ باہر جانے کے لئے تڑپتا رہتا ہے۔ اور اپنے اندر کبھی اطمینان اور چین سے نہیں ٹھیرتا"۔

"پہلے اپنے آپ میں اطمینان پیدا کرو۔ تب تم اوروں کو اطمینان دے سکو گے"۔

"ایک نیک اور مطمئن آدمی سب چیزوں سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ ایسا شخص اپنے آپ پر فتحمند۔ دنیا کا خداوند مسیح کا دوست اور آسمان کا وارث ہے"۔

یہ نصائح بھی سُننے میں ویسے ہی معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے دُنیا اکثر اپنے معلموں کی زبان سے سُنتی رہتی ہے۔ وہ سُننے میں ستوئیقی فیلسوفوں کے مسائل کی مانند معلوم ہوتے ہیں جنہوں نے آخرکار مَیں کو ایک چھوٹا سا

شیخی باز خدا بنا لیا - وہ زمانۂ حال کے بعض معلموں کی تعلیم کی مانند سُنائی پڑتی ہیں جو اپنی ہستی کی مینار کو تعمیر کرنا اپنی زندگی کا حقیقی مقصد سمجھ کر دوسروں کے حقوق اور اخلاق کے نہایت پاک احکام کو اپنی تہذیب نفس کے واسطے قربان کر دیتے ہیں - ہو سکتا ہے کہ یہ مسئلہ کہ باطنی انسان کی خبرداری سب سے بڑھکر ہم پر فرض ہے رفتہ رفتہ مغرورانہ خود غرضی کے مسئلہ میں تبدیل ہو جائے۔ مگر تامس آ کمپس نے اس بگاڑ کا پہلے ہی سے بندوبست کر لیا ہے اُس کے اقوال میں کوئی ایسے کرارے یا چُبھتے ہوئے قول نہیں جیسے وہ جو اُس نے خودی کی سرفرازی کے برخلاف لکھے ہیں - جب وہ ہم کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ ہم بیرونی اشیا سے مُنہ پھیر کر اندرونی دولت اور خوشی کی طرف متوجہ ہوں تو وہ یہ بھی ساتھ ہی کہتا ہے کہ یہ خوشی و اطمینان ہم کو اپنے آپ سے حاصل نہیں ہو سکتی - اگرچہ وہ ہمارے ہی اندر موجود ہے۔ مگر ہم کو اپنے اندر جگہ خالی کرنی چاہیئے تاکہ وہ خدا سے معمور ہو جائے - کیونکہ رُوح کا حقیقی اطمینان صرف اُسی سے ہے ؛

"یہ جان لو کہ اپنے آپے کی الفت دُنیا کی کسی اور چیز کی نسبت تمہیں زیادہ نقصان پہنچاتی ہے"؛

"اس نقص پر کہ آدمی حد سے بڑھکر اپنے کو عزیز رکھتا ہے - اُن تمام نقصوں کا مدار ہے - جن کی تمہیں بیخ کنی کرنی اور جن پر فتح حاصل کرنی ہے - اور جب یہ بدخصلت ایک دفعہ مغلوب و پسپا ہو جائیگی توفی الفور بہت سا امن اور اطمینان حاصل ہو جائیگا"؛

"مسیح خود اپنی تسلّی و اطمینان لئے ہوئے تیرے پاس آئیگا۔ بشرطیکہ تو اُسکے رہنے کے لئے پہلے ایک مناسب جگہ تیار کرے"؛

"وہ باطنی انسان کی ملاقات کو بہت دفعہ آتا ہے۔ اُسکی رفاقت نہایت شیریں۔ اُس کی تسلی نہایت فرحت بخش۔ اُس کا امن نہایت عظیم۔ اُس کی بے تکلفی نہایت حیرت بخش ہے۔ اس لئے مسیح کو اپنے دل میں جگہ دو۔ اور اَور سب پر اپنے دل کا دروازہ بند کر دو"۔

"جب مسیح تمہارے پاس ہے تو تم دولتمند ہو۔ اور وہی تمہارے لئے کافی ہے۔ وہ تیرے لئے سب کچھ مہیا کریگا اور وفاداری سے تیری تمام حاجتوں کو رفع کریگا۔ اس لئے تمہیں کسی آدمی کا دست نگر ہونے کی کچھ ضرورت نہیں"۔

"مسیح ہمیں فرماتا ہے۔ بیٹا۔ اپنے آپ کو بھول جا۔ تب تو مجھے پائیگا"+

۳

مسیح کی پیروی کی خوبیاں بے مثل اور لازوال ہیں۔ مگر پھر بھی یہ کتاب اُن نقائص سے خالی نہیں جو کم و بیش اُس زمانے اور حالات سے ملحق تھے +

۱۔ مسیح کی پیروی میں ایک نقص ہے۔ جو بالکل ظاہر ہے۔ اور جس کا عموماً ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کا مصنف ایک راہب تھا۔ اور اُس کو راہب خانہ کی دیواروں کے اندر زندگی بسر کرنے کے لئے فقط چند ہی قواعد کی ضرورت تھی۔ مگر ہم آزاد ہیں اور آزمائش و خطرات سے بھری دُنیا کے درمیان رہتے ہیں۔ جس کے لئے ہم کو ایک زیادہ عام اور وسیع نمونہ کی ضرورت ہے۔ اے کمپس اور اُس کے بھائیوں کے نزدیک یہ دُنیا شریر (شیطان) کی مملکت ہے جسمیں سے وہ بھاگ کر نکل گئے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اُس سے کسی قسم کا لین دین رکھیں۔ وہ اُس کی حالت کے بہتر و درست بننے کی اُمید کو چھوڑ چکے تھے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "تمہیں چاہئے کہ آدمیوں کی محبت و الفت کی

نسبت ایسے مُردہ ہو جاؤ کہ جہاں تک ہو سکے۔ انسانی صحبت کے بغیر رہنے کے خواہشمند ہوئے۔ خود زندگی بھی اُس کے لئے ایک مصیبت تھی۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب کے ایک نہایت تاریک اور پُر درد صفحہ میں صاف لکھتا ہے "سچ مچ اس زمین پر جینا بھی ایک مصیبت ہے"۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ ہمارا یہ اعتقاد نہیں۔ کیونکہ دنیا ہمارے نزدیک نہ تو ورق سادہ کی طرح ہے نہ ورق داغدار کی طرح۔ بلکہ نہایت گہرے معنوں سے پُر ہے۔ اور اُس کا انجام نیک ہے۔

ہمارے نزدیک وہ خدا کی دُنیا ہے۔ اور ہمارا کام یہ ہے کہ اس زندگی کے تمام حصّوں میں اُسی کی مرضی کو پورا کریں۔ اور اُسی کے کلام کو تمام شاہراہوں اور کوچوں میں پھیلائیں۔ رہبانیت گویا مسیحی مذہب کی طرف سے اس امر کا اقرار تھا کہ دُنیا نے اُس کو پسپا کر دیا ہے۔ لیکن امروز مسیحی مذہب اپنا جھنڈا ہر ایک ساحل پر قائم کر رہا ہے اور فتح کرتے ہوئے اور فتح کرنے کو آگے آگے قدم مار رہا ہے۔

۲۔ ایک دوسرا نقص جو اس میں ہے سو یہ ہے کہ اس میں اُس روحانی اتحاد کا جو ایمانداروں کو مسیح کے ساتھ حاصل ہوتا ہے کچھ ذکر نہیں۔ مقدّس پولوس کی تمام تعلیم کے دو بنیادی مسائل ہیں یعنی مسیح کی موت کے وسیلے ہمارا راستباز ٹھیرنا اور ہمارے اندر مسیح کی زندگی پیدا ہونے سے ہمارا مقدّس ہونا۔ مؤخر الذکر سچائی اگرچہ اس کتاب کے صفحوں میں برابر پائی جاتی ہے مگر اُسکی عظمت پورے طور پر جیسا کہ اُس کا حق تھا۔ ظاہر نہیں کی گئی۔

کیونکہ اگرچہ مسیح کی پیروی کا نام نہایت خوبصورت معلوم ہوتا ہے تاہم یہ نام اُس گہرے اور پوشیدہ طریق کو پورے طور پر ظاہر نہیں کرتا

جس کے مطابق مسیح کے لوگ اُس کی مانند بنتے جاتے ہیں۔ پیروی یا نقل ایک بیرونی عمل ہے جس سے ایک شخص کسی کی سیرت و عادت کو اپنے میں پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر یہ زیادہ تر فقط بیرونی نقل کے ذریعے نہیں ہوتا کہ ایک مسیحی مسیح کی مانند بنتا جاتا ہے بلکہ اُس کے ساتھ ایک باطنی اتحاد ہونے کے ذریعہ سے۔ اگر اس امر کیلئے لفظ نقل و تقلید یا پیروی کو استعمال بھی کریں تو یہ ایک ایسی نقل و تقلید یا پیروی ہوگی جیسے بچہ اپنی ماں کی کرتا ہے جسکو ایک عادت یا لا شعوری نقل کہہ سکتے ہیں۔ بچہ ماں کی آواز۔ اُس کی حرکات و سکنات اُس کی وضع و انداز کی ذرا ذرا سی بات کی عجیب و غریب طور سے نقل اُتارتا ہے۔ مگر یہ نقل کس لئے ایسی کامل ہے؟ شاید کوئی کہے کہ اس کی یہ وجہ ہے کہ بچہ کو اپنی ماں کے دیکھنے کے بے شمار موقعے ملتے ہیں یا یہ کہ بچے کی قوت مشاہدہ بہت تیز ہوتی ہے۔ مگر ہر ایک شخص جانتا ہے کہ اس بات کے علاوہ کچھ اور بات بھی ہے۔ ماں بچے میں موجود ہے۔ اُس کی ولادت کے وقت اُس نے اپنی طبیعت اُس میں ڈال دی اور یہی اُس کی پوشیدہ تاثیر کے سبب سے ہے جو بچے میں کام کر رہی ہے کہ اس نقل میں اس قدر کامیابی ہوئی ہے۔ اسی طرح ہم بھی مسیح کو اپنے سے الگ دیکھ کر اُس کے خصائل و عادات کی نقل اُتار سکتے ہیں۔ جیسے کہ ایک مصور اصل کو دیکھ کر اُس کی تصویر اُتارتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کر سکتے ہیں کہ دُعا اور مطالعہ کلام اللہ کے وسیلے روز بروز اُس کی رفاقت میں رہیں اور اُس کی تاثیر کا نقش قبول کریں۔ لیکن اگر ہم چاہیں کہ اُس کی نقل یا تقلید زیادہ گہری اور کامل ہو۔ تو اس کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت ہے۔ ضرور ہے کہ وہ نئی پیدائش میں اپنی فطرت ہم میں ڈالنے کے سبب ہم میں اسی طرح موجود ہو

جیسے پانی چشمے میں موجود ہوتی ہے ؀

۴

البتہ ان نقائص سے بڑھ کر ایک اور نقص بھی اس کتاب میں موجود ہے جو زمانۂ حال کے ناظرین کو زیادہ سخت معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس میں تاریخی ترتیب نہیں پائی جاتی جو اس زمانہ میں ہر قسم کی تحقیقات میں بطور رہبر کے مانی گئی ہے۔ اگرچہ مسیحی رُوح تمام کتاب پر حاوی ہے اور اس کے بہت ابواب مسیح کی تعلیم کے جوہر سے اس قدر معمور ہیں کہ اُن کو اُسکے اقوال کے ساتھ بطور ضمیمۂ شارح کے لگا سکتے ہیں تاہم اُس میں مسیح کی ایک صاف صاف تاریخی تصویر نہیں پائی جاتی ؀

لیکن اگر ہم پوری کامیابی کے ساتھ تقلید و نقل کرنی چاہیں۔ تو اُسکے لئے یہ ایک نہایت ضروری امر ہے۔ اگر ہم مسیح کی مانند بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو ہمیں یہ جاننا ضرور ہے کہ وہ کیسا تھا؟ کوئی مصور ایسی تصویر کی ایک عمدہ نقل نہیں اُتار سکتا۔ جس کا تصور خود اُس کے اپنے ذہن میں دھندلا سا ہو۔ اس لئے مسیح کی پیروی میں مسیح کی ٹھیک ٹھیک تصویر نہیں ملتی۔ اُس کے نزدیک مسیح تمام ممکن الوجود خوبیوں کا مجموعہ ہے مگر وہ مسیح کی تصویر اُن خوبیوں کے لحاظ سے جن کا خیال خود اُس کے ذہن میں جاگزین ہے کھینچتا ہے۔ بجائے اِس کے کہ اُس کی زندگی کے مرقومہ تذکرات کو لے کر اُن رنگوں سے جو اُن سے حاصل ہوتے ہیں۔ اُس کی تصویر بنائے۔ تاہم اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ ہمارے مُنجی کی تاریخ کی بڑی بڑی باتوں کو خاص طور سے بیان کر کے اُن سے ہم کو عملی سبق سکھاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ انسان بننے سے اُس نے اپنے کو پست کیا اور اس لئے

ہم کو بھی پست بننا چاہیئے - یا یہ کہ اُس نے مصیبت میں زندگی بسر کی اس لئے ہم کو بھی مصیبت اُٹھانے پر رضامند رہنا چاہیئے - مگر وہ ان تعمیمات سے آگے ایک قدم بھی نہیں رکھتا ‌۔

لیکن واضح ہو کہ اناجیل میں سے مسیح کی پیروی کی نسبت مسیح سے زیادہ پوری مشابہت رکھنے والی تصویر کھینچنی ممکن ہے - اور اسکا امکان بہ نسبت کسی اَور زمانہ کے اس زمانہ میں زیادہ ہے - ہماری صدی پہلی صدی کی مانند مسیحی مذہب کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگی - کیونکہ اس میں بھی سب کی توجہ مسیح کی زندگی کے تفصیلی حالات پر جم رہی ہے - جو کتابیں اس زمانہ میں اس مضمون پر لکھی گئیں وہ شمار سے باہر ہیں - اور ان سے لوگوں کے دل پر نہایت گہری تاثیر پیدا ہوئی ہے - مسیح کی زمینی زندگی کا سلسلہ قدم بقدم نہایت صبر و استقلال سے دریافت کیا گیا ہے اور علوم کے ہر ایک پہلو سے اُسکو جانچا گیا ہے اور ہر ایک واقعہ نہایت وضاحت و صفائی سے پیش کیا گیا ہے - اس لئے ہم زندگی کے ہر ایک صیغہ میں اُس کی پیروی کر سکتے ہیں - جو پہلے کسی زمانہ میں ممکن نہ تھی - مثلاً کنبہ اور ریاست اور کلیسیا - نمازگزاری اور دوستداری وغیرہ وغیرہ امور میں - اور ہم صحیح طور سے دیکھ سکتے ہیں کہ ہر ایک امر میں اُس نے کیسا وطیرہ اختیار کیا - مسیح کو اس طور سے جاننے کا طریق صرف اسی زمانے کو عطا ہوا ہے کیونکہ مسیح کو فقط اِس طور سے جاننا کہ گویا وہ تمام ممکن الحصول انسانی خوبیوں کی ایک دھندلی سی تصویر ہے - ایسا ہوگا جیسے کوئی مصوّر اپنے گھر میں بیٹھ کر کسی قدرتی نظارہ کی تصویر پہاڑوں دریاؤں اور کھیتوں کی ایک عام تصویر کے مطابق کھینچ دے - نہ ٹھیک ٹھیک اُس قدرتی نظارہ کے مطابق ‌۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ کسی طریق کی قدر و قیمت میں حد سے بڑھ کر مبالغہ کرنے لگ جائیں۔ دل و دماغ جو کسی طریق کو کام میں لاتے ہیں۔ ہمیشہ اُس طریق کی نسبت نہایت اہم اور ضروری ہوتے ہیں۔ گرمجوش محبت۔ بلند پرواز ادب۔ اور خیال کی وسعت اور عظمت سے جو مسیح کی پیروی میں نظر آتی ہیں مصنف کا مدعا ایسی صفائی اور حقیقت سے اُس پر منکشف ہو گیا ہے کہ ہر ایک ہمدرد ناظر کے دل میں اُس کو دیکھ کر ایک قسم کا پاک رشک سا پیدا ہوتا ہے جو ہر ایک زمانہ کے مسیحیوں کے دل کو اپنا گرویدہ کرتا رہیگا مگر تاہم اگرچہ ایک اصلاح و ترقی یافتہ طریق سب کچھ نہیں ہو سکتا تو بھی وہ بہت کچھ تو ہے۔ اگر ہم اپنے ادب و نیاز کو اَوروں کی نسبت سرد اور اپنے خیال کے بازوؤں کو کمزور خیال کرتے ہیں تو اس وجہ سے ہمیں اَور بھی زیادہ اُن فوائد کو جو اُس سے مل سکتے ہیں حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہئے مسیح کی پیروی ایک ایسا مضمون ہے جو ہمیشہ غور مکرر سہ کرر کا طالب ہے۔ کیونکہ تاریخ کا انقلاب و تصاعد اور علم کی ترقی لوگوں کو مسیح کے مشاہدے کے لئے نئے نئے منظروں پر کھڑا کرتی ہے۔ ہر ایک نسل اُس پر اپنے اپنے خاص ڈھنگ سے نظر کرتی ہے۔ اور اُس کی نسبت یہ کبھی نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اب اس امر کا قطعی فیصلہ ہو گیا ہے۔ اس مضمون پر فکر کرنے کا تاریخی قاعدہ غور و فکر کی اُن عادات سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے جو اُن فتوحات کے سبب جو اس قاعدہ نے دوسری باتوں میں حاصل کی ہیں ہمارے اہل زمانہ کے ذہنوں میں طبیعت ثانی بن گئی ہیں اور اگرچہ وہ ہمارا محبت کی کمی کو پورا نہیں کر سکتا تاہم وہ ایک قسم کا مسح ہے جس کو استعمال کرنا کلیسیا کا فرض ہے اور جس کے استعمال پر خدا اپنی برکات نازل کریگا +

۵

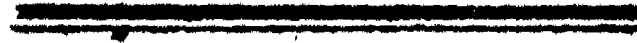
گو ہمارے دل اس مضمون کی طرف بہت مائل رہے ہیں۔ تو بھی ہم مشکل سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اب تک اس مضمون پر جیسے کہ اس کا حق ہے توجہ کی ہے۔ مجھے اکثر یہ خیال آتا ہے کہ مسیح کی پیروی کی ہر دلعزیزی کی بڑی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ خود اُس کا نام ہے "مسیح کی پیروی"! اس نام کی آواز ہی ایسی ہے کہ اُس کو سُن کر ہر ایک مسیحی کا دل دھکڑ پکڑ کرنے لگتا ہے اور اس سے اُس کی رُوح میں بے شمار جذبوں اور ولولوں کو تحریک ہوتی ہے۔ اس کی آواز ایسی دلکش ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی محبوب نہایت سُریلی آوازوں سے گلگشت کے لئے ہمیں بُلا رہا ہے۔ یہ الفاظ اُن تمام اشیاء کا مجموعہ ہیں۔ جن کی ہم اپنی نہایت عمدہ گھڑیوں اور اپنے دل کی گہرائیوں میں خواہش و آرزو کر سکتے ہیں۔

لیکن اگرچہ مسیحیوں کے روحانی تجربات میں مسیح کی پیروی ہمیشہ بے پایاں قدر و قیمت رکھتی ہے تاہم عموماً کتابوں میں اُس کو ایک مستقل اور واضح مقام و رتبہ حاصل نہیں ہوا۔ ایک خیال کے لوگوں نے اگرچہ مسیح کے نمونے پر بہت کچھ زور دیا مگر اُس سے اپنے ملک کے مذہب کو بہت صدمہ پہنچایا۔ کیونکہ اُنہوں نے اُس کو مسیح کے کفّارہ سے جُدا کر دیا۔ اور یہ ترغیب و تعلیم دی کہ فقط مسیح کے نمونہ کی پیروی کرنی کافی ہے۔ اور اس امر کے تسلیم کرنے کی کہ وہ ہم کو پہلے ہمارے گزشتہ گناہوں سے نجات دیتا ہے کچھ ضرورت نہیں۔ اس کے برخلاف دوسرے خیال کے لوگوں نے مسیح

کے کفّارہ کو اپنی شہادت و پیغام کا ماحصل ٹھیرالیا - اور جب کبھی اُس کے نمونے کا ذکر ہوتا ہے تو وہ بلا تکلّف یہ جواب دیتے ہیں - کہ ہاں یہ تو صحیح ہے - مگر اُس کی موت زیادہ اہم چیز ہے - اس طور سے دو فریقوں نے سچائی کو باہم تقسیم کرلیا - ایک نے تو مسیح کی تقلید کو اور دوسرے نے اُس کی کفّارہ دینے والی موت کو اپنی اپنی تعلیم کا مدّعا ٹھیرالیا - اسی طرح جب یونیٹیرین (یعنی توحیدی مسیحی) لوگوں نے کچھ عرصہ کے لئے چیننگ صاحب کی عجیب وغریب فصاحت وبلاغت کے سبب زور پکڑا تو اُن کی تمام دلکشی اُن شائستہ تقریروں میں تھی - جن میں وہ مسیح کی پاک اور خود انکار انسانیت کا ذکر کرتے تھے - اِس کے برخلاف مسیحی کلیسیا مسیح کی الوہیت کو ثابت کرتی تھی - جو اگرچہ نوشتوں کے مطابق اور لاجواب اور معقول دلائل پر مبنی ہے تاہم ہمیشہ ایسی دلفریب معلوم نہیں ہوتی - اس طور سے پھر ایک قسم کی تقسیم واقع ہوگئی - جس سے گویا مسیح کی انسانیت تو ایک فریق کے حصّے میں آگئی اور اُس کی اُلوہیت دوسرے کے ؕ

اب وقت آگیا ہے کہ اس قسم کی تقسیم و تفریق پر اعتراض کیا جائے - سچائی کے دونو حصّے ہمارے ہیں - اور اس لئے ہم کل کے دعویدار ہیں - مسیح کی موت ہماری ہے اور خدا کے نزدیک مقبولیت حاصل کرنے کی ہماری تمام اُمّیدیں زمان اور ابدیت میں اُسی پر منحصر ہیں - اُسی سے ہم آغاز کرتے ہیں - مگر اُسی پر انجام نہیں کرتے - ہم اُس کی موت سے اُسکی زندگی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اُس محبّت سے جو نجات پانے کے سبب ہم میں پیدا ہوئی ہے - اُس کی پاک زندگی کو اپنی ذات میں پھر نمایاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں - اسی طرح جب ہم اُس کی اُلوہیت پر فخر کرتے ہیں -

تو بھی ہم یہ کبھی روا نہیں رکھینگے کہ کوئی شخص ہم کو اُس کی انسانیت کی مثال ونمونے اور اُس کی دلکش خوبصورتی سے محروم کردے - کیونکہ فی الحقیقت اُس کی انسانیت کا کمال اور اُس کی اپنی نسبت شہادت کی وقعت جو اُس سے مستنبط ہوتی ہے - یہی دونوں باتیں ہمارے اس اعتقاد کی سب سے بڑی محکم بنیاد ہیں کہ وہ انسان سے برتروبالا ہے +



۲

مسیح کا نمونہ خاندانی تعلّقات میں

متی ۸ : ۱۴ و ۱۵
〃 ۹ : ۱۸ — ۲۶
〃 ۱۷ : ۱۸
〃 ۱۸ : ۱ — ۶
〃 ۱۹ : ۱۳ — ۱۵
مرقس ۵ : ۱۸ و ۱۹
〃 ۱۴ : ۱۸ — ۲۵
لوقا ۷ : ۱۱ — ۱۵
〃 ۱۱ : ۲۷ و ۲۸
یوحنا ۸ : ۱ — ۱۱
〃 ۱۹ : ۲۵ — ۲۷

متی ۱۲ : ۴۶ — ۵۰
لوقا ۹ : ۵۷ — ۶۲

متی ۱ باب
〃 ۲ باب
لوقا ۱ : ۲۶ — ۵۶
〃 ۳ باب
〃 ۳ : ۲۳ — ۳۸

متی ۱۳ : ۵۵ — ۵۸
لوقا ۴ : ۱۶ و ۲۲
یوحنا ۶ : ۴۲

مرقس ۳ : ۲۱
یوحنا ۷ : ۳ — ۹

دوسرا باب

مسیح کا نمونہ خاندانی تعلقات میں

۱

دستورِ خانہ داری انسانی زندگی کے اُن دو بڑے اجزا کی جن کو ہم پابندی اور آزادی کے نام سے پکار سکتے ہیں ایک نہایت عمدہ مثال ہے ؎

اس میں پابندی کا ایک پُر راز عنصر ہے۔ ہر ایک شخص ایک خاص کنبے میں پیدا ہوتا ہے جو اپنی خاص تاریخ اور خاص مزاج رکھتا ہے۔ یہ تاریخ اور مزاج اُس کے آنے سے پہلے بن چکتے ہیں۔ اُس کا اس معاملے میں کچھ اختیار نہیں۔ مگر یہ تعلق ایسا ہے جو اُس کی تمام زندگی پر اثر ڈالتا ہے۔ خواہ

تو وہ ایسے گھر میں پیدا ہو جو بڑا معزز سمجھا جاتا ہے یا برخلاف اس کے ایسے گھر میں جو نہایت ذلیل اور بے عزت ہے۔ خواہ دل اُبھارنے والی یادگاریں اور شائستہ اطوار اُس کے ورثہ میں آئیں۔ خواہ جسمانی اور اخلاقی بیماری کا بوجھ اُس کی گردن پر رکھا جائے۔ آدمی کو کچھ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اپنے باپ اور ماں بھائی اور بہنوں چچا اور چچیرے بھائیوں کو انتخاب کرے لیکن انہی رشتوں پر جن کو وہ کبھی نہیں توڑ سکتا۔ اُس کی آئندہ عمر کی نین چوتھائی خوشی یا رنج کا مدار ہوتا ہے۔ رات کو دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آتی ہے اور باہر جا کر دہلیز پر تم ایک شخص کو پڑا دیکھتے ہو۔ جو ظاہراً ایک اجنبی اور غیر ملک کا باشندہ معلوم ہوتا ہے۔ تم اُسے نہیں جانتے نہ اُس سے تم کو کچھ کام ہے بلکہ وہ تمہارے دل سے ہزارہا میل دُور ہے۔ لیکن اگر وہ یہ الفاظ کہہ سکتا ہے کہ کیا تم مجھے نہیں جانتے؟ میں تو تمہارا بھائی ہوں؟ تو وہ کیسا دم بھر میں بالکل قریب آجاتا ہے۔ گویا ہزارہا میل کا فاصلہ ایک قدم میں طے ہو گیا۔ تمہارے اور اُس کے درمیان ایک ایسا رشتہ ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ رشتہ یا تو ایک سونے کی کڑی کی مانند ہو جو زیور کے طور پر پہنی جاتی ہے۔ یا ایک لوہے کا طوق ہو جو تمہارے جسم کو کاٹتا اور جلاتا ہے۔ خانہ داری کے دستور میں یہی مجبوری کا عنصر ہے +

یسوع سوائے اس مجبوری کی زنجیر میں پھنسنے کے بنی انسان میں شریک نہیں ہو سکتا تھا۔ جب وہ عورت سے پیدا ہوا تو وہ خواہ مخواہ اس پُراسرار دائرے میں داخل ہوا۔ وہ ایک ایسے کُنبے میں شریک ہوا جس کی اپنی قدیم روایات تھیں اور سوسائٹی میں ایک خاص درجہ رکھتا تھا۔ اور اُس کے بھائی اور بہنیں بھی تھیں +

اِن حالات کو اُس کی آئندہ زندگی کے ساتھ بہت گہرا تعلق تھا۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ اُس کی ماں نے اُس کے ذہنی قواء کے نشو و نما پر بہت کچھ اثر ڈالا اگرچہ ہم تفصیل کے ساتھ اِس اثر کا کھوج نہیں لگا سکتے۔ کیونکہ ہم کو اُس کی ابتدائی عمر کا بہت کم حال معلوم ہے۔ مگر تو بھی یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ کنواری مریم نے اُس گیت میں جو اُس نے الیسبات سے ملاقات کرتے وقت سُنایا۔ جو اپنے دلی خیالات ظاہر کئے ہیں اُن کی گونج یسوع کی منادی میں بار بار سُنائی دیتی ہے۔ اِس گیت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف بڑی صاحبِ فضل عورت تھی۔ بلکہ ایسے نادر طبعی اوصاف سے بھی موصوف تھی۔ جنہوں نے خدا کے کلام میں نشو و نما پایا تھا۔ یہانتک کہ زمانۂ سابق کے انبیا اور مقدس خاتونوں کی زبان گویا اُس کی اپنی زبان ہوگئی تھی۔ گو ہم مریم اور یوسف کی نسبت بہت بڑھکے نہیں کہہ سکتے مگر اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ یسوع کی پاک طفولیت کا زمانہ ایسے گھر میں گزرا جو دینداری اور خدا ترسی سے آراستہ تھا۔ اور کہ جب اُس نے اُس کو چھوڑ دیا تو بھی اِس گھر کی نشانیاں اُس کے مزاج و خصلت میں برابر نظر آتی تھیں۔ اِس اثر کے علاوہ وہ ایک مشہور نسل سے تھا اور یہ بھی اُس کے لئے کوئی ایسی ویسی بات نہ تھی۔ وہ داؤد کی نسل سے تھا اور انجیل نویس بڑی کوشش سے اُسکے شاہانہ نسب نامہ کو تحریر کرتے ہیں۔ اور یہ بات گویا خود اُس کے اپنے خیال کی گونج سمجھی جا سکتی ہے۔ شرافتِ نسب بھی شریف اور عالی کاموں کے لئے ایک طرح سے مہمیز کا کام دیتی ہے۔ انگلستان کا مشہور شاعر ملٹن بھی اپنی مشہور نظم میں جب یہ بیان کرتا ہے۔ کہ نوجوان منجی کے دل میں اپنے بزرگوں کے کارناموں سے عالی حوصلگی کی تحریک ہوتی تھی تو اُسکی

یہ بات جائز استنباط کی حد سے متجاوز نہیں ہے :-

آگ کے شعلے کی مانند اُمنگیں میرے
دل میں اُٹھتی تھیں کہ کر فتح کے جھنڈے کو بلند
قوم کے سر سے اُٹھا پھینکوں یہ رومی جُوا
اور دُنیا کے سبھی ملکوں پہ ہو کے قابض
ظلم و بے رحمی کی قدرت کو میں کردوں نابود
تا ہو انصاف و صداقت کا زمانے میں رواج

کم سے کم اس بات پر یقین کرنے میں کچھ تامّل نہیں ہوسکتا کہ اُس کی شاہی نسب نے مسیح کے منصبی کام کی طرف اُسکی رہنمائی کی تاہم اُسے اس مجبوری کی دردناک کڑی کا اثر بھی محسوس کرنا پڑا۔ یعنی اُس کو رذیل ہونے کے طعنے بھی جھیلنے پڑے۔ کیونکہ اگرچہ اُس کے دُور کے آباو اجداد شریف تھے۔ مگر اُس کے قریبی رشتہ دار غریب تھے۔ اور جب وہ لوگوں کے سامنے ظاہر ہوا تو اُس کو اکثر زبانوں سے اس قسم کے طعنے سُننے پڑتے تھے کہ "کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں"؟ اُس کی زندگی ایسے لوگوں کے لئے جو صرف انسان کے ظاہر کے موافق اُس کی عزت کرتے ہیں۔ سخت ملامت کا کام دیتی ہے اور اس سے حقیر اور رذیل الاصل اشخاص ہمیشہ یہ سیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح خصلت کی عمدگی اور خدا اور انسان کی خدمت کی دولت سے وہ مخالفوں کا مُنہ بند کرسکتے اور اہل عالم کی عزت و محبت حاصل کرسکتے ہیں ؀

آزادی کا عنصر جو انسانی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اس مجبوری کے عنصر کی نسبت کچھ کم عظمت کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتا۔ اور وہ بھی ایسا ہی پُر راز ہے۔ آدمی اپنی مرضی سے شادی کرتا اور ایک نئے کُنبے کی بنیاد ڈالتا

ہے۔ اُس کی قوّت ارادی کے اِس فعل سے ایک نیا دائرہ قائم ہو جاتا ہے جو آئندہ نسل میں اور انسانوں کو رشتہ داری کے اُنہی تعلّقات میں جن میں وہ خود پیدا ہوا تھا۔ گھیرتا رہیگا ؂

البتہ اُس کے کام کی صورت نے یسُوع کو عیالدار بننے سے باز رکھا اور اس بات کی طرف بعض اوقات اشارہ کیا جاتا ہے کہ یہ کوتاہی اُس نمونے میں جو اُس نے ہمارے لئے چھوڑا ایک قسم کا نقص ہے۔ اور اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ زندگی کے اِس نہایت ہی مقدّس رشتے میں ہماری پیروی کے لئے اُس کا نمونہ موجود نہیں ہے۔ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اس اعتراض میں کسی قدر جان معلوم ہوتی ہے لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس رشتے کی نسبت جو سب سے عمدہ نصیحت درج ہے وہ براہ راست اُسی کے نمونے سے لے گئی ہے۔ نکاح کے رشتے کی نسبت جو نہایت ہی گہرے اور پاک الفاظ آج تک لکھے گئے ہیں یہ ہیں "اے شوہرو اپنی بیویوں سے محبّت رکھو جیسے کہ مسیح نے کلیسا سے محبّت کرکے اپنے آپ کو اُسکی خاطر موت کے حوالے کر دیا تاکہ اُسکو کلام کے ساتھ پانی سے غسل دیکر اور صاف کرکے مقدّس بنائے اور ایک ایسی جلال والی کلیسیا بنا کے اپنے پاس حاضر کرے جسکے بدن میں داغ یا جھرّی یا کوئی اور ایسی چیز نہ ہو بلکہ پاک اور بے عیب ہو" (افسیوں ۵: ۲۵-۲۷)

۲

یسُوع اپنی تمام زندگی بھر کُنبے کے تمدّنی انتظام و دستور کی عزّت کرتا رہا ؂ اُسکے زمانے میں خانگی رشتے کے توڑنے کی شرمناک رسم کا بہت رواج تھا۔ طلاق بالکل عام تھی اور ذرا ذرا سی بات پر دی جاتی تھی۔ قربان کی رسم

سے اولاد ہیکل میں کچھ نذرانہ دینے کے بعد اپنے والدین کی خبرگیری سے بالکل آزاد ہو جاتے تھے۔ یسوع نے نہایت غصے کے ساتھ اِن خرابیوں کو ظاہر کیا۔ اور مسیحی کلیسیا کے تمام آئندہ زمانوں کے لئے نکاح کا ایک ایسا قانون باندھ دیا جس کے مطابق لوگ دور اندیشی کے ساتھ اس رشتے میں داخل ہوتے ہیں۔ اور پھر جب یہ رشتہ قائم ہو جاتا ہے تو انسان کے دل کی نہایت عمیق الفت و محبت کے ولولے۔ اسی پاک تعلق کے ذریعے سے ظاہر ہوتے ہیں *

بچوں کے ساتھ جو محبت اُسے تھی۔ اور وہ الٰہی الفاظ جو اُس نے اُنکے حق میں کہے۔ اگر اُن کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُن الفاظ نے والدین کے دل میں بچوں کی محبت کا بیج بو دیا تاہم اتنا تو ضرور کہینگے کہ اُن سے یہ محبت زیادہ گہری اور شائستہ ہو گئی۔ وہ محبت جو غیر مسیحی ماں باپ کو اپنی اولاد سے ہے محض ایک وحشیانہ اور حیوانی میلان یا رغبت کی مانند ہے۔ بمقابلہ اُس محبت کے جو مسیحی گھروں میں راج کرتی ہے۔ اُس نے بچوں کو ادنےٰ حالت سے اُٹھایا (جیسے کہ اُس نے اور بہت سی ایسی ہی کمزور اور ذلیل چیزوں کو اُٹھایا) اور اُنہیں وسط میں عزت کے صدر مقام پر کھڑا کر دیا۔ اگر زینوں پر ننھے ننھے پاؤں کی آہٹ اور گھروں میں توتلی آوازوں کی صدا ہمیں راگ کے شیریں اور دل لبھانے والے نغمے کی مانند معلوم ہوتی ہے۔ اور اگر چھوٹی چھوٹی انگلیوں کے احساس اور پیارے پیارے باریک ہونٹوں کے بوسے ہمارے دلوں میں دُعا اور شکرگزاری کے بھاؤ کو حرکت دیتے ہیں تو ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ زندگی کے نور و فرحت کے لئے ہم یسوع مسیح کے ممنون احسان ہیں۔ یہ کہہ کر کہ "چھوٹے بچوں کو میرے پاس آنے دو" اُس نے گھر کو

گویا کلیسیا میں اور والدین کو خادمان دین میں بدل دیا۔ بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مسیحی تاریخ میں اُس نے اس ذریعے سے اُسی قدر شاگرد کئے ہیں جس قدر کہ خود انتظام کلیسیا قائم کرنے سے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یسوع کے اقوال کی تعلیم دینے والی ماؤں کی نصیحتوں اور مسیحی بزرگوں کی پاک زندگیوں نے مسیحی مذہب کی ترقی میں اُسی قدر مدد دی ہے جس قدر فصیح البیان واعظوں اور بڑے بڑے مجمعوں کی عبادت نے۔ کئی دفعہ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ جب بے وفا خادموں اور دُنیا پرست اہل کلیسیا کی شرارتوں سے۔ جنھوں نے کلیسیا کو شیطان کی جماعت بنا دیا۔ مسیح کا مذہب کلیسیا میں سے نکال دیا گیا تو اُسکو مسیحی گھر میں پناہ ملی۔ بڑے بڑے مسیحی علما وفضلا میں سے شائد ہی کوئی ایسا ہوگا۔ جس کے دل میں مذہبی خیالات نے بچپن کے خانگی حالات کے اثر سے گہری جگہ حاصل نہ کی ہو۔

یسوع کے بہت سے معجزوں پر جب نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ خانگی محبت کی تحریک سے صادر ہوئے۔ جب اُس نے سور فینیکی عورت کی لڑکی کو شفا بخشی۔ یا یائرس کی بیٹی کو زندہ کرکے اُس کی ماں کو سونپا یا بیوہ کے بیٹے کو نائین کے دروازے پر جلایا۔ یا لعاذر کو مُردوں میں سے بُلا کر اُس کے کنبے میں بحال کیا۔ تو کیا اس میں شبہ ہو سکتا ہے کہ مسیح کو ان خانگی اُلفتوں کے تقاضاؤں کی خدمت کرنے میں ایک خاص خوشی حاصل ہوتی تھی؟ اُس نے مسرف بیٹے کی تمثیل سے ظاہر کر دیا کہ ان اُلفتوں کی گہرائی اور مضبوطی کی اُس کے دل میں کیسی قدر وعزت جاگزین ہے۔

لیکن جو عزت اس دستور کی نسبت اُس کے دل میں تھی اُس کا سب سے بڑا ثبوت اُس نے اپنے چال چلن سے دیا جو اُس نے خود اپنے کنبے میں

برتا۔ اگرچہ اُن ایام کا جو اُس نے مریم کے گھر میں بسر کئے ہمیں مفصل حال معلوم نہیں تو بھی اُس کی زندگی کے ہر ایک واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک کامل اور بے عیب فرزند تھا ؂

والدین کو اس سے بڑھکر اور کوئی خوشی نہیں کہ وہ اپنے بچوں کو حکمت شرم و حیا اور شرافت میں ترقی کرتے دیکھیں۔ اور انجیل میں ہم پڑھتے ہیں کہ "یسوع حکمت اور قد اور خدا اور انسان کے نزدیک مقبولیت میں ترقی کرتا گیا" اگر یہ بھی مان لیویں کہ وہ پہلے ہی سے اپنی زندگی کے عظیم الشان کام سے واقف تھا تو بھی باوجود اس علم کے وہ والدین کی اطاعت سے باز نہ رہا جو زمانہ بچپن میں اُس کو کرنی واجب تھی۔ کیونکہ ہم اُس زمانے کی نسبت جب وہ بارہ برس کا تھا پڑھتے ہیں کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ ناصرت کو گیا اور اُن کے تابع رہا۔ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد یُوسف نے وفات پائی اور بڑا بیٹا ہونے کے سبب کنبہ کی پرورش کا بوجھ اُس کے سر پر آپڑا۔ یہ بات تحقیق نہیں۔ مگر خود اُس کی اپنی زندگی کے خاتمے پر ہم اُس کا ایک کام دیکھتے ہیں جس سے اُس کی زندگی کے اُس زمانے پر جس کا تحریری حال موجود نہیں روشنی پڑتی ہے۔ کیونکہ اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کے دل میں اپنی ماں کی نسبت کیسی گہری اور لازوال محبت بھری تھی۔ جب وہ صلیب پر لٹک رہا تھا تو اُس نے اپنی ماں کو دیکھا اور اُس سے بات چیت کی۔ اُس وقت اُس کی سخت جانکنی کی حالت تھی اور اُسکا ہر ایک رگ و ریشہ درد کے مارے تڑپ رہا تھا۔ موت سر پر کھڑی تھی اور بلاشبہ اُس وقت اُس کو یہی فکر ہو گی کہ اپنی توجہ کو دُنیاوی باتوں سے بالکل ہٹا کر خدا کی طرف مصروف کر دے۔ وہ اُس وقت جہان کا گناہ

اُٹھائے تھا جس کا دردناک بوجھ اُس کے دل کو کچل رہا تھا۔ تو بھی باوجود اس حالت کے وہ اپنی ماں کی طرف متوجہ ہوا اور اُس کی آئندہ زندگی کی پرورش کا خیال کیا اور اس لئے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ اُسے اپنے گھر میں لے جائے اور اُس کے بیٹے کی جگہ ہو۔ جس شاگرد کو اُس نے اس خدمت کے لئے انتخاب کیا وہ اُس کے اور شاگردوں سے زیادہ نرم مزاج اور حلیم تھا۔ نہ تو جلد باز پطرس کو نہ اُداس اور مغموم طبع توما کو بلکہ یوحنّا کو چنا جو زیادہ ملائمت اور نرمی کے ساتھ اُس دردناک مضمون پر جس پر اُن دونوں کے دل لگے تھے گفتگو کر سکتا تھا۔ اور جو شائد اَوروں کی نسبت بسبب اپنی مرفہ الحالی کے مریم کی پرورش کا بوجھ بآسانی اُٹھا سکتا تھا اور اس لئے اُس خدمت کی بجا آوری کے زیادہ لائق تھا ؛

۳

اگرچہ والدین کی اطاعت اولاد پر فرض ہے۔ تو بھی اُس کی ایک حد ہے والدین کا یہ کام ہے کہ اپنے بچّوں کو ایسے طور سے تربیت کریں کہ وہ آزادی اور خودمختاری سیکھیں۔ جیسے کہ معلّم کا مدّعا یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے شاگردوں کی اُس درجے تک تربیت کرے کہ وہ اُس کی مدد کے بغیر اپنی زندگی کے کاروبار کا خود انتظام کرنے کے لائق ہو جائیں۔ اسی طرح والدین کو بھی یہ امر بخوبی ذہن نشین کر لینا ضرور ہے کہ ایک حد ہے جہاں اُن کی حکومت کا خاتمہ ہوتا ہے اور بچّوں کو یہ اختیار ہونا چاہیئے کہ اپنی پسند اور مرضی کے مطابق اپنا کاروبار کریں اس سے محبت دُور نہیں ہو جاتی۔ ادب و عزّت بھی دُور نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ پدرانہ اختیار و حکومت کا خاتمہ ہو جائے۔ البتّہ یہ کہنا مشکل ہے کہ بچّے کی زندگی میں یہ حد کس وقت واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ہر ایک بچّے

کی زندگی میں اُس کا زمانہ مختلف ہو۔ لیکن سب کی زندگی میں یہ زمانہ ضرور آتا ہے۔ افسوس ہے اُس بچّے پر جو وقت سے پہلے اس آزادی پر ہاتھ مارنا چاہے! یہ بات اکثر نوجوانوں کی تباہی و بربادی کا باعث ہوتی ہے اور خود ہمارے زمانے میں اس سے بڑھ کر اَور کوئی افسوسناک بات نہیں کہ عموماً ہمارے نوجوانوں کے دماغ میں یہ بات سماگئی ہے کہ پیش ازوقت والدین کی حکومت کی لگام کو نکال پھینکیں اور اپنی مرضی کے سوا اَور کسی قانون کی پابندی نہ کریں۔ مگر بعض اوقات والدین بھی اس امر میں غلطی کرتے ہیں کہ وہ اپنی حکومت کو میعاد مناسب سے زیادہ عرصے تک قائم رکھنا چاہتے ہیں بعض وقت باپ اپنے بیٹے کو اپنے گھر میں رکھنا چاہتا ہے۔ جب کہ اُس کے لئے بہتر ہوتا کہ وہ شادی کرکے اپنا گھر الگ بسائے۔ یا ماں اپنی شادی شدہ لڑکی کے خانگی معاملات میں دست اندازی کر بیٹھتی ہے جو شائد بہتر زوجہ بن جاتی۔ اگر اُس کو اپنی عقل و دانش پر چھوڑا جاتا۔

یسوع کی ماں مریم نے بھی اس امر میں غلطی کی۔ اُس نے بار بار کوشش کی کہ ناواجب طور سے اُس کے کام میں دست اندازی کرے۔ بلکہ اُس وقت کے بعد جب اُس نے اپنا پبلک کام شروع کردیا۔ اُسکو اپنے بیٹے پر ایک قسم کا بڑا فخر و ناز تھا اور یہ اُسی فخر کی وجہ سے تھا کہ قانائے جلیل کی شادی کے موقع پر اُس نے شراب کے ختم ہوجانے کا اُس کے پاس ذکر کیا۔ اَور موقعوں پر اُس کی صحت وتندرستی کا خیال کرکے اُس نے اُس کو اپنے کام سے روکنا چاہا۔ وہ دُنیا میں اکیلی ماں نہیں جس نے ناواجب طور سے اپنے بیٹے کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہا۔ لیکن اگر کوئی ایسی بات تھی جس سے اُس کا غضب بھڑک اُٹھے تو وہ یہی اُس کے کاموں میں دخل بیجا تھا۔ اِسی وجہ سے

وہ ایک دفعہ پطرس کی طرف پھرا اور اُس سے کہا " اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو" اور اسی وجہ سے ایک سے زیادہ موقعوں پر اُس کا سلوک خود اپنی ماں کے ساتھ بھی ظاہراً کچھ سخت سا معلوم ہوتا ہے کیونکہ جس قدر محبت بھرے دل سے اُس کے دوست اور رشتہ دار اُس کو اُس کے کام سے باز رکھنے کی خواہش اور کوشش کرتے تھے اُسی قدر اُس کو ایک سخت تر آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ کیونکہ اگر یہ اُس کے اختیار میں ہوتا تو اُن کو خوش کرنے میں کبھی دریغ نہ کرتا۔ لیکن اگر وہ اُن کی بات مان لیتا تو اُس کام سے جس کے کرنے کا اُس نے ذمہ لیا تھا۔ کنارہ کش ہونا پڑتا۔ اور اس لئے اِس قسم کی آزمائش کو روکنے کے لئے اُسے غصہ جیسے جذبے کو اپنی طبیعت میں اُکسانا پڑتا تھا ۔

اور کسی موقع پر اُس کے چلن میں اس قدر ناپسندانہ سختی ظاہر نہیں ہوتی جس قدر کہ اُس وقت جب اُس کی ماں اور بھائیوں نے کام کی اثنا میں آکر اُس سے بات چیت کرنے کی خواہش کی۔ اُس نے پیغام لانے والے کو جواب دیا " کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی ؟" اور تب اپنے شاگردوں پر جو اُس کے سامنے بیٹھے تھے نظر کرکے کہا " یہ ہیں میری ماں اور میرے بھائی۔ کیونکہ جو کوئی خدا کی مرضی پر چلتا ہے وہی میرا بھائی اور بہن اور ماں ہے ۔" اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ الفاظ ظاہراً سخت معلوم ہوتے

سلہ خود یہی امر کہ اُس نے اپنے اور اُن لوگوں کو جو خدا کی مرضی بجا لاتے ہیں۔ درمیانی تعلق کا اپنے اور اپنی ماں اور بھائیوں کے درمیانی تعلق کے ساتھ مقابلہ کیا ظاہر کرتا ہے کہ اُس کی نظر میں مؤخر الذکر رشتے کو بھی ایک نہایت اعلےٰ اور پاک جگہ حاصل تھی ۔

ہیں۔ مگر غالباً ان الفاظ کو اُس عبارت سے جو انجیل مرقس میں اس واقعہ سے پہلے درج ہے۔ ملا کر پڑھنا چاہیئے۔ جہاں یہ لکھا ہے کہ "اُس کے دوستوں نے اُس کو پکڑنے کی کوشش کی یہ کہکر کہ وہ بیخود ہے"۔ اُن دنوں یسوع اپنے کام میں ایسا غرق تھا کہ وہ کھانا کھانا بھی بھول جاتا تھا۔ آدمیوں کو بچانے کے پاک جذبے میں ایسا مجذوب ہو رہا تھا کہ اُس کے رشتے داروں کو خیال گزرا کہ وہ دیوانہ ہوگیا ہے۔ اور اُنھوں نے اپنا فرض سمجھا کہ اُس کو پکڑکر نظر بند کر رکھیں۔ اگر مریم بھی اس ناجائز اور بیدینی کے کام میں شریک ہوئی تو کچھ تعجب نہیں کہ اُس کو ایسی سخت ملامت اُٹھانی پڑی۔ بہرصورت یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ خیال کرکے اُس پاس آئی تھی کہ وہ فی الفور سب کاروبار چھوڑکر اُس کے ساتھ ہمکلام ہوگا۔ اس لئے یسوع کو اُسے یہ سبق سکھلانا پڑا کہ خانگی اُلفت کے سوا اور بھی ایسی باتیں ہیں جو اُس سے بڑھکر حق رکھتی ہیں کیونکہ خدا کا کام کرنے میں وہ خدا کے سوا اَور کسی کے اختیار کو تسلیم نہیں کرسکتا تھا۔

ہاں ایک ایسا دائرہ ہے جس کے اندر والدین کے اختیار کو بھی کچھ دخل نہیں اور وہ دائرۂ ضمیر ہے۔ یسوع نہ صرف خود اس دائرے کو پاک رکھتا تھا۔ بلکہ اُن کو بھی جو اُس کی پیروی کرتے تھے ایسا ہی کرنے کو کہتا تھا۔ اُس نے پیشین گوئی کی کہ کس طرح آئندہ زمانے میں اُسکے سبب سے خانگی رشتے توڑنے پڑینگے۔ غور کا مقام ہے کہ اُس شخص کے لئے جو اپنے دل میں خانگی تعلّقات کی اس قدر اعلےٰ عزت کرتا تھا۔ یہ خیال کس قدر سخت دردناک ہوگا۔ وہ فرماتا ہے کہ "یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا۔ صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں۔ کیونکہ میں آیا ہوں کہ مرد کو اُس کے باپ اور بیٹے کو

اُس کی ماں اور بہو کو اُس کی ساس سے جُدا کروں۔ اور آدمی کے دشمن اُس کے گھر ہی کے لوگ ہونگے"۔ بلاشُبہ یہ اُس کے لئے ایک دردناک اندیشہ ہوگا۔ مگر اُس نے اِس سے پہلوتہی نہ کی۔ اُس کے نزدیک خانگی رشتوں سے بھی بڑھ کر ایسے امور تھے۔ جن کی بجا آوری ہم پر سب باتوں سے زیادہ فرض ہے "جو کوئی باپ یا ماں کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتا ہے وہ میرے لائق نہیں اور جو کوئی بیٹے یا بیٹی کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتا ہے وہ میرے لائق نہیں"۔

یہ تلوار اب بھی کاٹتی ہے۔ غیر مسیحی ملکوں میں جہاں مسیحی مذہب رواج پکڑتا جاتا ہے۔ خاص کر ہندوستان جیسے ممالک میں جہاں خانگی انتظام بہت کچھ ترقی یافتہ ہے مسیح کا اقرار کرنے میں سب سے بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ اس سے خاندانی تعلّقات منقطع ہوجاتے ہیں۔ اور اکثر ایسا کرنا جانکنی سے کچھ کم دردناک نہیں ہوتا۔ مسیحی ملکوں میں بھی دنیا پرست والدین کی مخالفت اُن کے فرزندوں کے مذہبی فیصلوں کے برخلاف نہایت سخت ہوتی ہے اور جن کو اس قسم کی صلیب اُٹھانی پڑتی ہے۔ اُن کے لئے بے حد اضطراب و پریشانی کا باعث ہوتی ہے۔ یہ ایک نہایت نازک معاملہ ہے جس کے لئے پرلے درجے کی مسیحی حکمت و دانائی اور صبر و تحمّل کی حاجت ہے۔ لیکن جب دل اور ضمیر کے سامنے بالکل صاف صاف نظر آئے تو اسمیں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا کہ والدین کی رضامندی اور اپنے خیال کی پیروی کے درمیان کون سی بات مسیح کی مرضی کے مطابق ہے۔ کیسے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کی ایسی حالت نہیں۔ اور جو جانتے ہیں کہ اگر وہ مسیح کو سچے دل سے قبول کرینگے اور صاف طور پر اُس کا اقرار

کرینگے۔ تو اُن کے رشتے داروں کے دل ایک ناقابل بیان خوشی و خرمی سے بھر جائینگے ؛

۴

عموماً کہا جاتا ہے کہ ہر ایک گھر میں ایک قبر ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ کوئی کنبہ ظاہراً کیسا ہی کامل اور باہمی اُلفت و محبت سے بسر کرتا معلوم کیوں نہ ہو۔ تو بھی ہمیشہ اُس کے اندر کچھ نہ کچھ ناچاقی یا خوف یا راز ہوتا ہے جو اُس کے نور کو تاریک کرتا رہتا ہے ؛

ممکن ہے کہ یہ خیال عام طور پر صحیح نہ ہو۔ بلکہ اُس میں بہت سے مستثنیات بھی پائے جائیں تاہم اِس سے اِنکار بھی نہیں ہو سکتا کہ گھر میں جہاں بہت سی خوشیاں ہیں وہاں بہت سے رنج بھی ہیں۔ خود کُنبے کے لوگوں سے نہایت قریبی باہمی تعلق کی وجہ سے اُن میں سے ہر ایک کو۔ جو ایسا کرنا چاہے۔ باقیوں کے دل چھیدنے کا بہت موقع ملتا ہے۔ رشتہ داری کے پردے میں بلا خوف سزا ایسی تکلیف دی جا سکتی ہے۔ جو تکلیف دینے والا کسی غیر شخص کو پہنچانے کی جُرأت نہ کرتا ؛

یسوع نے یہ تکلیف بھی اُٹھائی۔ جو رنج اُس کو کُنبے کے لوگوں کی طرف سے تھا۔ ایک خاص قسم کا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اُس کے بھائی اُس پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اُن کو یقین نہیں آتا تھا۔ کہ وہ جو اُن میں کا ایک ہے اور جس نے اُنہی کے درمیان پرورش پائی ہے اُن کی نسبت اس قدر بزرگ کس طرح ہو سکتا ہے؟ اُس کی شہرت کو دیکھکر اُنہیں رشک آتا تھا۔ اُس کی زندگی میں جہاں کہیں اُن کا ذکر ہے فقط اُس کو تکلیف دینے ہی کا ہے ؛

وہی لوگ جنہوں نے خود اس قسم کی تکلیف اُٹھائی ہے اچھی طرح سمجھ سکتے

ہیں کہ یسوع کو اس سے کس قدر رنج ہوتا ہوگا۔ خدا کے بہت سے مقدس لوگ ایسے ہیں جن کو بے دین اور دُنیا پرست گھروں میں تن تنہا کھڑے ہو کر گواہی دینی پڑتی ہے۔ ایسے بہت سے لوگوں کو ہر روز ایک طرح سے شہیدوں کی سی جانکنی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ جس کا اُٹھانا شائد عام لوگوں کی ایذادہی کی نسبت زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ جب باہر کے لوگ ہمیں تکلیف دیتے ہیں تو یہ آسانی بہت سے ہمدرد پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر دوسری صورت میں بھی ایماندار جانتے ہیں کہ اُن کی مصیبت میں کم سے کم اُس شخص کی ہمدردی اُن کے ساتھ ہے۔ جس نے ان الفاظ میں اپنے ذاتی تجربے کا ذکر کیا۔ کہ "نبی اپنے وطن اور گھر کے سوا کہیں بے عزت نہیں ہے"

(متی ۱۳ : ۵۷)

ہم نہیں کہہ سکتے کہ اُس نے اپنے بھائیوں کی بے اعتقادی کا کس طور سے مقابلہ کیا۔ آیا اُس نے اُن کے ساتھ بحث و مناظرہ کیا یا خاموش رہ کر اِس بات کو اپنی پاک زندگی کی زندہ گواہی پر چھوڑ دیا۔ لیکن یہ تحقیق طور پر کہہ سکتے ہیں کہ وہ اُن کے لئے ہمیشہ دُعا مانگتا رہا۔ اور خوش قسمتی سے ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ اُس کی ان کوششوں کا نتیجہ کیا ہوا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے بھائی اُس کی وفات کے وقت تک برابر بے اعتقاد رہے۔ مگر اُس کی وفات کے بعد ہی اعمال کی کتاب کے پہلے باب کی ۱۴ آیت میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اُس کے رسولوں کے ساتھ ایمانداروں کی جماعت میں شریک تھے۔

یہ ایک عجیب واقعہ ہے۔ کیونکہ ٹھیک اُسی وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ایک طرح سے اُس کی زندگی کے مقصد میں بالکل ناکامی ہوئی۔ واقعات

سے ظاہراً ایسا نظر آتا تھا کہ اُس کا مسیح ہونے کا دعوےٰ جھوٹ ہے۔ تاہم یہ ایک عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جو اُس کی اعلےٰ شہرت کے دنوں میں اُس سے بے اعتقاد رہے اُسوقت اُس کے ایمانداروں کے درمیاں دیکھے جاتے ہیں۔ جبکہ بظاہر اُسکا معاملہ بالکل شکستہ و برباد معلوم ہوتا ہے بھلا اسکی کیا وجہ ہے ؟

مجھے یقین ہے کہ اسکا جواب پولوس رسول کے ایک خط (۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۷) میں ملتا ہے۔ جہاں وہ اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ ہمارا خداوند اپنے جی اُٹھنے کے بعد کن کن لوگوں پر ظاہر ہوا یہ لکھتا ہے کہ وہ یعقوب پر بھی ظاہر ہوا۔ یہ یعقوب غالباً خداوند کا بھائی تھا۔ اور اگر یہ ٹھیک ہے تو کیا یہ ایک تعجب انگیز بات نہیں کہ منجی نے جی اُٹھنے کے بعد جو کام سب سے پہلے کئے اُن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اپنے بے اعتقاد بھائی کے سامنے ایسا ثبوت پیش کرے جو اُسکی بے اعتقادی پر فتح پائے؟ کیونکہ یہ ظاہر تھا کہ اگر یعقوب پر یہ امر ثابت ہوجائے تو وہ اپنا تجربہ مریم کے کُنبے کے دیگر اشخاص سے بیان کریگا۔ اِس کا نتیجہ بھی نہایت خاطرخواہ ہوا۔ کیونکہ اُس کے دو بھائی یعقوب اور یہودا آخرکار پاک نوشتوں کے دو صحیفوں کے لکھنے والے ہوئے۔

میرے نزدیک یسوع کے بھائیوں کا ایسے نازک موقع پر اُسکے ایمانداروں کے درمیان موجود ہونا اُسکی قیامت کے واقعی ہونے کا بھی ایک نہایت مضبوط ثبوت ہے۔ لیکن فی الحال ہم اس کو صرف اُس انتھک استقلال کا جس سے اُس نے اُن کی نجات کے لئے کوشش کی ایک عمدہ ثبوت خیال کرتے ہیں۔ اور نیز یہ ہمارے لئے ایک نمونہ ہے کہ ہم بھی اُن لوگوں کے لئے جو ہمارے جسم و خون ہیں اور ابھی تک مسیح کے گلّے سے باہر ہیں دُعا مانگنا۔ اُمید رکھنا اور کوشش کرتا نہ چھوڑیں۔

۳

مسیح کا نمونہ مُلکی تعلّقات میں

متی ۹ : ۱
〃 ۱۳ : ۵۴
〃 ۱۷ : ۲۴-۲۷
〃 ۲۰ : ۱۷-۱۹
〃 ۲۳ : ۳۷-۳۹
〃 ۲۶ : ۳۲
لوقا ۴ : ۱۶-۳۰
〃 ۱۳ : ۱۶ و ۳۴ و ۳۵
〃 ۱۹ : ۹

متی ۲ باب
〃 ۴ : ۳-۱۰
〃 ۹ : ۲۷
〃 ۲۱ : ۱-۱۱
〃 ۲۲ : ۱۵-۲۱
〃 ۲۶ : ۴۷-۶۸
〃 ۲۷ باب
لوقا ۲ : ۱۱ و ۲۹ و ۳۲ و ۳۸
〃 ۱۳ : ۳۱-۳۳
〃 ۲۳ : ۷-۱۲
یوحنّا ۶ : ۱۵
〃 ۱۱ : ۴۸

متی ۱۸ : ۱-۳
〃 ۱۹ : ۲۸
〃 ۲۰ : ۲۰-۲۸
یوحنّا ۱۸ : ۳۶ و ۳۷
〃 ۱۹ : ۱۴-۱۹ و ۲۰

تیسرا باب

مسیح کا نمونہ ملکی تعلقات میں

۱

زمانۂ حال کے معمولی حیثیت والے مسیحی کے ذہن میں غالباً سلطنت کے خیال کو کوئی بڑی جگہ حاصل نہیں۔ اُس کے نزدیک اُن فرائض کی نسبت جو وہ ایک شہری ہونے کی حیثیت میں رکھتا ہے اور بہت سے فرائض ہیں جو زیادہ اہم اور ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ وہ غالباً یہ خیال کرتا ہے کہ سب سے بڑا سوال جو اُس سے اُس کی حالت کی نسبت کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ میں کیا ہے۔ یعنی پوشیدہ رُوح اور باطنی مزاج میں؟ اور غالباً اُس سے دوسرے درجے پر وہ اس سوال کو سمجھتا ہے کہ اُس کلیسیا کے ممبر ہونے کی حیثیت میں کیسا ہے۔ جس کی عزت کو برقرار رکھنا اور جس کے کام میں شریک ہونا اُس کا فرض ہے؟ اور تیسرے درجے پر وہ شائد اس سوال کو جگہ دے کہ وہ اپنے کنبے میں بیٹا یا خاوند یا باپ ہونے کی حیثیت میں کیسا ہے؟ مگر ان باتوں کی نسبت اُس کے

نزدیک اُس چوتھے سوال کو بہت ہی کم وقعت ہے کہ وہ سلطنت کی رعایا یا شہری ہونے کی حیثیت میں کیسا ہے؟

فی الجملہ شاید اس مسئلے کے تصفیئے کا یہی صحیح طریق ہے اور غالباً مسیحی طریق بھی یہی ہے۔ مگر یہ بات تمام قدیم دُنیا کے خیال کے بالکل برعکس ہے۔ مثلاً یونان کے بڑے بڑے اہل الرّائے سلطنت کو شخص۔ کُنبہ اور کلیسیا سے مقدّم جانتے تھے۔ اُن کے نزدیک ہر ایک شخص کی نسبت سب سے اعلٰے سوال یہ تھا کہ وہ شہری ہونیکی حیثیت میں کیسا ہے؟ اُن کا خیال تھا کہ انسان کی زندگی کی سب سے اعلٰے غرض و مقصد یہ ہے کہ سلطنت کو زیادہ طاقت اور سرسبزی بخشے اس لئے سلطنت کی بہتری کے لئے وہ دوسری ہر ایک چیز کو قربان کر دیتے تھے۔ اُن کے نزدیک سب سے پہلا سوال یہ نہیں تھا کہ آیا فرد واحد نیک اور خوش و خُرّم ہے۔ یا خاندان بے عیب اور متّحد ہے بلکہ یہ کہ آیا سلطنت مضبوط ہے؟

یسُوع نے اِس ترتیب کو بدل ڈالا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے ایک طرح سے فردی حیثیت کو دریافت کیا۔ کیونکہ اُس نے یہ تعلیم دی کہ ہر ایک شخص میں ایک رُوح ہے جو ساری دُنیا سے زیادہ قیمتی ہے۔ اور اس دُنیا کی سب سے عمدہ پیداوار ایک نیک اور شریف خصلت ہے۔ بجائے اسکے کہ ہم اس بات کو صحیح مانیں کہ اگر سلطنت مضبوط ہے تو افراد کی کچھ پروا نہیں۔ حق یہ ہے کہ سلطنت اور کلیسیا اور خاندان محض فردِ واحد کی بھلائی کے وسائل کے طور پر ہیں۔ اور اُن کی خوبی کا پیمانہ یہی ہے۔ کہ وہ کس قسم کے آدمی بناتے ہیں۔ اس امر میں اور اَور بہت سے امور میں بھی مسیحی مذہب نے ساری دُنیا کو اُوپر تلے کر دیا ہے اور بہت باتوں میں پہلے کو پچھلا اور پچھلے کو پہلا بنا دیا ہے

لیکن اگرچہ سلطنت کو مسیحی تعلیم میں وہ جگہ حاصل نہیں جو قدیم فلسفے میں بھی تو بھی یہ خیال کرنا سخت غلطی ہے کہ مسیحیت کے نزدیک سلطنت کو کچھ بھی وقعت حاصل نہیں۔ اگرچہ مسیحی مذہب کی پہلی غرض نیک آدمی بنانا ہے۔ مگر اُسکے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ جو نیک آدمی ہوگا وہ نیک شہری بھی ہوگا ؞

۲

ایک صحیح مزاج انسان کے لئے یہ ایک طبعی امر ہے کہ وہ اُس ملک کو جہاں وہ پیدا ہوا۔ اُس نظارے کو جس پر ابتدائی عمر سے اُس کی آنکھیں پڑتی رہیں۔ اُس شہر کو جس میں وہ رہتا ہے محبت کی نظر سے دیکھے۔ اور یہ بھی خدا کے انتظام کی ایک جُزو ہے۔ کہ وہ ان اُلفتوں کو انسان کی ترقی اور زمین کی پائداری کے لئے جو اُس کا مسکن ہے استعمال کرتا ہے۔ ہر ایک شہر کے باشندے کو یہ خواہش رکھنی چاہئے کہ اپنے شہر کی بہتری میں سعی کرے۔ اور اُس کو ہر طرح کے حسن و خوبصورتی سے آراستہ کرے۔ ایک نوجوان کے دل کے لئے اس خواہش کی نسبت اَور کوئی زیادہ عمدہ خواہش نہیں کہ وہ کچھ نہ کچھ مفید کام کرنے کی کوشش کرے۔ مثلاً یہ کہ وہ کوئی عمدہ تدبیر سوچے۔ یا ایک اچھی کتاب لکھے۔ یا ایک شریف گیت گائے۔ یا کسی قومی داغ کو دُور کرے۔ جس سے اُس کے وطن کی نیک نامی میں ترقی ہو ؞

بعض ملکوں کو ایسی ایسی اُمنگیں لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنے اور اہلِ ملک کو اپنے ملک کی خدمت کے ساتھ وابستہ کرنے میں ایک خاص قسم کی قدرت حاصل ہے۔ کنعان بھی اسی قسم کے ملکوں میں سے تھا۔ اُس کے باشندے اپنے ملک کو نہایت گرمجوشی سے پیار کرتے تھے۔ اُس کی دلفریبی کچھ تو اُس کی خوبصورتی میں اور کچھ شائد اس بات میں ہوگی کہ وہ

ایک چھوٹا سا ملک تھا۔ کیونکہ جیسے کوہستانی نالے تنگ چٹانی نالیوں میں سے گزرنے کے سبب بڑے تیز اور پُر زور ہو جاتے ہیں اسی طرح محبت کے خیال جب تنگ حدود میں محدود ہوں تو ایک قسم کی زبردست طاقت حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن خاص کر بزرگ اور ناخودغرض لوگوں کی جو اُس ملک میں زندہ رہ چکے ہوں۔ یادگاریں ہیں۔ جو کسی ملک کے باشندوں کے دل میں ملکی محبّت کے خیالات کو سب سے بڑھکر جوش زن کرتی ہیں۔ کنعان کو یہ اُبھارنے والی طاقت دیگر ممالک سے بڑھکر حاصل تھی۔ کیونکہ اُس کی تاریخ نہایت ہی جوش انگیز کارناموں سے بھری تھی *

یسوع نے بھی اس دلفریب اثر کو محسوس کیا۔ کون ہے جو اُس کے کلام میں قدرتی خوبصورتی کی تصاویر کا جو اُس نے گلیل کے کھیتوں سے جمع کیں مطالعہ کرے اور اس بات کا قائل نہ ہو جائے کہ وہ ان تمام نظّاروں کو محبّت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اُس گاؤں کا نام جس میں اُس نے پرورش پائی آج کے دن تک اُس کے نام سے لگا ہے۔ کیونکہ وہ اب بھی یسوع ناصری کہلاتا ہے۔ اُس نے ایک عورت کو سبت کے دن چنگا کرنے کے لئے یہ وجہ پیش کی کہ وہ ابرہام کی بیٹی ہے۔ اور محصول لینے والے اور گنہگار اُس کو اس لئے پیارے تھے کہ وہ اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑیں ہیں۔ یروسلم جو ملک کا صدر مقام تھا ہمیشہ سے یہودیوں کے دلوں پر مضبوط گرفت رکھتا تھا۔ قوم کے شاعر اِن الفاظ میں اُس کا گیت گایا کرتے تھے کہ "وہ بلندی سے خوبصورت تمام زمین کی خوشی کوہِ صیحون ہے" کہ "اے یروسلم۔ اگر میں تجھ کو بھول جاؤں تو میری زبان تالو سے لگ جائے" مگر اس دلی محبّت کے یہ سب اظہار یسوع کے اس

کلام کے سامنے ہیچ ہیں۔ جو اُس نے اُس کو مخاطب کر کے کہا کہ "اے یروشلم۔ یروشلم۔ میں نے کئی بار چاہا کہ تیرے لڑکوں کو جمع کروں جس طرح مرغی اپنے بچّوں کو اپنے پروں تلے جمع کرتی ہے"۔ یہ اُلفت قبر کی تبدیل کرنے والی حاجت میں سے گزرنے کے بعد تک بھی برابر قائم رہی۔ کیونکہ مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے بعد جب وہ دُنیا میں انجیل کی منادی کرنے کی بابت اپنے شاگردوں کو ہدایات دے رہا تھا تو اُس نے کہا کہ "یروشلم سے شروع کرو"۔ اُس کو اپنے ملک کے گزشتہ زمانے کے اُولوالعزم بزرگوں اور نیز اُن کارناموں کے ساتھ جو اُن سے سرزد ہوئے دلی ہمدردی تھی۔ ابرہام اور موسےٰ۔ داؤد اور یسعیاہ کا نام ہمیشہ اُس کی زبان پر تھا۔ اور اُس نے اُن کاموں کو جنہیں وہ ناتمام چھوڑ گئے تھے ہاتھ میں لے کر تکمیل تک پہنچایا یا یہی ملک کی ہمدردی کا نہایت حقیقی کام تھا۔ خوش نصیب ہے وہ ملک جس کے باشندوں کی زندگی کی عمدہ سے عمدہ کوششیں کسی عالی تصوّر کی انجام دہی میں خرچ ہوئی ہوں اور جس کے سب سے بزرگ ناموں کی فہرست میں ایسے اشخاص کے نام پائے جائیں۔ جنہوں نے اپنی ساری طاقت اسی مدّعا کے حصول میں صرف کردی ہو۔ چاہیئے کہ ایسے بہادروں کے اقوال و افعال بائیبل کے بعد ہر ایک ملک کے بچّوں کی سب سے بڑی رُوحانی خوراک ہوں اور اُس کے انتخاب زمانہ عالی دماغ اشخاص کی ہمّت صرف اس بات پر صرف ہونی چاہیئے کہ اُن بیجوں کو جو وہ بو گئے ہیں پانی دیں۔ اور اُن کاموں کو جن کی اُنہوں نے بنیاد رکھی پورا کریں +

۳

مسیح کے زمانے اور ملک میں ملکی ہمدردی کا ایک خاص کام تھا۔ جس کو

ہر ایک شخص جس میں کچھ بھی ملکی ہمدردی کی رُوح ہو اختیار کر سکتا ہے۔ کیونکہ اُس زمانے میں دوسری قوم کی غلامی میں تھا۔ فی الحقیقت وہ ایک طرح سے دوگونہ غلامی کے بوجھ کے نیچے دب رہا تھا۔ کیونکہ اگرچہ اُس کے چند ایک صوبے ہیرودیوں[1] کے ظالم خاندان کے زیرِ حکم تھے۔ کل ملک رومی حکومت کے تابع تھا۔ کیا یہ یسوع کا فرض نہ تھا کہ اپنے ملک کو اُس دوگونہ ظلم سے رہا کر کے اُسکی آزادی کو بحال کرے؟ یا اس سے بھی بڑھکر یہ۔ کہ اُسے قوموں کے درمیان ایک اعلےٰ سلطنت کے رُتبے تک بلند کرے؟ بہت لوگ بڑی خوشی سے ایک رہائی دہندہ کو قبول کرنے اور قومی آزادی کے لئے ہر طرح کی قربانی کرنے کو تیار و آمادہ ہوتے ہیں۔ فریسیوں کی ساری جماعت ملکی محبت کے خیال میں سرشار تھی۔ بلکہ اُن کا ایک فرقہ بھی ذیلوتس یعنی سرگرم کے نام سے کہلاتا تھا۔ کیونکہ وہ ملکی خدمت کے لئے ہر طرح کی دلیری اور جفاکشی کو تیار تھا[2]۔

معلوم ہوتا تھا کہ یسوع بھی اسی خدمت کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ وہ شاہی سلسلے کے ذریعے داؤد کی نسل سے تھا۔ جب وہ پیدا ہوا تو مجوسی یا دانا لوگ پورب سے پچھم کو یہ پوچھتے ہوئے آئے کہ "یہودیوں کا بادشاہ جو پیدا ہوا سو کہاں ہے؟" اُس کے پہلے شاگردوں میں سے ایک شخص نے جب اُس کے سامنے پیش ہوا اُس کو شاہ اسرائیل کہکر سلام کیا۔ اور جس دن وہ فتحمندوں کی طرح سوار ہو کر یروشلم میں داخل ہوا تو اُسکے ہمراہیوں نے اُسکو اُسی نام سے پکارا۔ جس سے بلاشبہ انکی یہ مراد تھی کہ انہیں اُمید ہے کہ وہ فی الحقیقت

---

[1] ہیرودیا ہیرودیس اعظم اس خاندان کا بانی ایک ادومی تھا۔ مگر اُس نے ایک یہودی شہزادی سے اس غرض سے شادی کر لی تھی۔ کہ قوم کی دلی محبت کو اپنے ساتھ وابستہ کر لے۔

[2] اسی فرقے کا ایک شخص شمعون زیلوتس یسوع کے شاگردوں میں بھی شامل تھا۔

ملک کا بادشاہ ہوگا۔ یہ اور اَور بہت سے حالات جو اناجیل میں مندرج ہیں اس کا نشان دیتے ہیں کہ اُس کی تقدیر میں ایک پرائیویٹ (عام) آدمی کی حیثیت میں رہنا نہیں تھا۔ بلکہ ایک آزاد شدہ اور شاندار سلطنت کا سردار ہونا ٭

مگر یہ تقدیر کیوں پوری نہ ہوئی؟ اس سوال کا جواب نہایت مشکل ہے۔ یہ سوال ہر ایک شخص کے دل میں جو غور سے انجیل کا مطالعہ کرے اکثر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن جب کبھی ہم یہ سوال پوچھتے ہیں۔ تو اسرار و مشکلات کے سمندر میں جا پڑتے ہیں۔ کیا کبھی اُس کے دل میں اپنے ملک کا بادشاہ بننے کی خواہش ہوئی؟ کیا شیطان جب اُس نے دُنیا کی تمام بادشاہتیں اور اُن کی شان و شوکت اُس کو دکھائی تو فی الحقیقت اُسکی جوانی کے دلپسند خیالات کو یاد دلا رہا تھا؟ اگر یہودی لوگ انکار کرنے کی بجائے اُس کو قبول کر لیتے تو پھر کیا ہوتا؟ کیا وہ یروشلم میں اپنا تخت قائم کرکے ساری دُنیا کو اپنے زیرِ فرمان کرتا؟ کیا صرف اُسی وقت جبکہ اُنہوں نے اُس کے لئے اُن کا بادشاہ بننا ناممکن کر دیا تو وہ اُس بات سے جو اُس کے مقدّر میں لکھی معلوم ہوتی تھی۔ ہٹ گیا۔ اور ایک ایسی بادشاہت پر جو اس دُنیا کی نہیں اپنے کام کو محدود کیا؟

ممکن نہیں کہ کوئی شخص سوچ سمجھکر مسیح کی زندگی کا مطالعہ کرے اور اُس کے دل میں اس قسم کے سوالات پیدا نہ ہوں۔ مگر اِن سوالات سے کچھ فائدہ نہیں۔ کیونکہ کوئی شخص اُن کا جواب نہیں دے سکتا۔ ہم گویا یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر بعض چیزیں جو واقع ہوئیں واقع نہ ہوتیں تو پھر کیا ہوتا؟ مگر صرف وہی جو عالم الغیب اور ہمہ دان ہے اس عقدے کے حل کرنے پر قادر ہے ٭

تو بھی ہم یقینی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ انسان کا گناہ تھا جس نے یسوع کو اپنے باپ داؤد کے تخت پر بیٹھنے سے باز رکھا۔ اُس کا اپنے آپ کو

اپنے ملک کا مسیح ہونے کے لئے پیش کرنا بالکل صحیح تھا۔ مگر اُس کے ساتھ ایک ایسی شرط لگی تھی۔ جس سے وہ قطع نظر نہیں کر سکتا تھا یعنی وہ صرف راستباز قوم کا بادشاہ ہو سکتا تھا۔ لیکن یہودیوں کی حالت تو بالکل اس کے برعکس تھی۔ اُنہوں نے ایک دفعہ کوشش کی کہ اُسے پکڑ کر زبردستی بادشاہ بنالیں۔ مگر اُن کی یہ سرگرمی ناپاک تھی۔ اور اس لئے وہ اس بات کو قبول نہیں کر سکتا تھا؛

اُس وقت اُس کی زندگی کے دریا کا رَو گویا اُلٹ کر اُسی پر آپڑا۔ بجائے اِس کے کہ وہ ظالموں کا دفع کرنے والا ہو۔ وہ خود ظلم کا شکار ہو گیا۔ اُس کی اپنی قوم جسے چاہئیے تھا کہ اُسے اپنا پیشوا سمجھ کر اپنی سپروں پر اُٹھاتی ایک بیرونی حکومت کی عدالت میں اُس کی مدّعی بن گئی۔ اور اُسے رومیوں اور ملک کے ہیرودیسی حکّام کے سامنے بطور مجرم کے کھڑا ہونا پڑا۔ ملکی رعیت ہونے کی حیثیت میں اُس نے کامل اطاعت کے ساتھ اپنے کو اُن کے حوالے کر دیا۔ اور اپنے پیرؤوں کو حکم دیا۔ کہ تلواریں میان میں کریں۔ سلطنت کی اعلےٰ عدالت نے اُس کو تقصیروار ٹھیرا کر دو چوروں کے درمیان صلیب پر کھینچ دیا۔ اُس کا خون ملک کے صدر مقام پر لعنت کے طور پر پڑا اور اُس کے قتل کو آدھی صدی بھی نہ گذری تھی کہ یہودی سلطنت کا نام ونشان صفحۂ دُنیا پر سے مٹ گیا؛

اس واقعہ سے نہایت صاف طور پر موجودہ طریق سلطنت کا نقص ظاہر ہوتا ہے۔ سلطنت جان ومال اور عزّت کی حفاظت کے لئے ہے تاکہ بدکاروں کو سزا دے اور نیکوکاروں کو انعام۔ تمام تاریخ میں ایک دفعہ اور صرف ایک ہی دفعہ اُسے ایک شخص سے معاملہ پڑا جو کامل نیک تھا۔

اور جو کچھ اُس سے سلوک ہوا سو یہ تھا کہ سلطنت نے اُس کو بدترین مجرموں کے زمرے میں جگہ دی اور مار ڈالا۔ اگر یہ بات قانون کی معمولی عملدرآمد کا ایک نمونہ ہے تو سلطنت بجائے ایک الٰہی انتظام ہونے کے ایک نہایت سخت آفت اور دُنیا کے لئے ایک لعنت سمجھی جانی چاہیئے۔ جو لوگ اُسکی بے انصافی کا شکار ہوئے ہیں بعض اوقات اُسے ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ مگر خوش قسمتی سے ایسی باتیں صرف معدودے چند اشخاص کے مبالغہ آمیز خیالات ہی میں ہیں۔ فی الجملہ جو قوانین سلطنت مقرّر کرتی ہے وہ اور اُنکا عملدرآمد گناہ کی روک اور بے گناہی کی حفاظت کا باعث ہیں۔ لیکن ہر ایک زمانے میں اس قاعدے کی بے شمار اور افسوسناک مستثنیات پائی جاتی ہیں۔ نہ ہر ایک چیز جس کو ملک کا قانون جائز ٹھیراتا ہے راست ہے۔ نہ وہ سب جن پر قانون کو جاری کرنے والے فتوے لگاتے ہیں ناراست ہیں۔ اس زمانے میں اس بات کو یاد رکھنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ زمانۂ حال میں سلطنت کے تبدیل شدہ انتظامات کے لحاظ سے ہم نہ صرف سلطنت کی رعایا ہیں بلکہ بواسطہ یا بلاواسطہ قانون کے بنانے والے اور جاری کرنے والے بھی ہیں۔ اور اس لئے ہم بھی اپنے قوانین کو الٰہی عدل کے پیمانے تک پہنچانے اور دانا اور نیک اشخاص کو کرسئ عدالت پر بٹھانے کی ذمّہ واری میں شریک ہیں ٭

۴

ظاہر میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسیح کی زندگی بھر کا کام ضائع ہو گیا۔ وہ جو اس لئے پیدا ہوا تھا کہ بادشاہ بنے اب رعیت بننے کے بھی لائق نہ ٹھیرا۔ محل میں سکونت کرنے کی بجائے قید خانے میں ڈالا گیا۔ تخت پر بیٹھے

کی بجائے صلیب پر کھینچا گیا۔

لیکن اگرچہ اُس حد تک جہاں تک انسانی شرارت کو دخل تھا۔ اُسکی زندگی ضائع ہوگئی تو بھی خدا کی حکمت میں ایسا نہ تھا۔ انسانی پہلو سے نظر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کی موت انسان کی تاریخ پر نہایت سیاہ دھبہ ہے۔ بلکہ ایک ایسی خطا اور جُرم ہے جس کا کوئی ثانی نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن الٰہی پہلو سے نظر ڈالنے پر یہ واقعہ تاریخ عالم میں ایک نہایت عظیم الشّان نظارہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے انسان کا گناہ مٹایا گیا۔ الٰہی محبّت کی گہرائی منکشف ہوئی اور بنی آدم کے لئے کاملیّت کا راستہ کُھل گیا۔ یسُوع کبھی ایسے کامل طور پر بادشاہ نہ تھا جیسا اُس وقت جبکہ اُس کا دعوےِ بادشاہی ٹھٹھے میں اُڑایا گیا۔ یہ وحشیانہ مسخری تھی کہ یہ خطاب اُس کی صلیب پر لکھکر لگایا کہ "یہ مسیح یہودیوں کا بادشاہ ہے"۔ پلاطوس نے تو یہ الفاظ طنزاً لکھے تھے لیکن اس وقت جب ہم پیچھے نظر ڈالتے ہیں تو کیا وہ الفاظ طنزی معلوم ہوتے ہیں! ہرگز نہیں۔ بلکہ برخلاف اسکے کیا وہ الفاظ ان گزشتہ صدیوں کے پرے سے لازوال شان وشوکت کے ساتھ چمکتے ہوئے نظر نہیں آتے؟ ہاں۔ وہ اُس بیحد شرم و بے عزّتی کی گھڑی میں اپنے آپ کو بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند ثابت کر رہا تھا۔

یسُوع کے دل میں ہر وقت برابر اپنے بادشاہ ہونے کی نسبت ایک صاف اور نادر خیال جاگزین تھا اور اُس نے کئی دفعہ اُس کا ذکر بھی کیا۔ اُس کا یہہ عقیدہ تھا کہ حقیقی بادشاہ ہونا عوام کا خادم ہونا ہے۔ اور وہی شخص سب سے بڑھکر بادشاہ کہلانے کا مستحق ہے جو سب سے زیادہ بنی انسان کی اعلےٰ سے اعلےٰ قیمتی خدمت بجا لاسکے۔ وہ خوب جانتا تھا۔ کہ دُنیا کا جو خیال

بادشاہ کی نسبت ہے وہ ایسا نہیں۔ بلکہ ٹھیک اس کے برعکس ہے۔ دُنیا کا خیال یہ ہے کہ بادشاہ ہونا یہ ہے کہ لوگوں کی جماعتیں اُس کی خدمت گزار ہوں۔ اور جس قدر زیادہ لوگ اُس کی شان وشوکت اور عیش وآرام کے لئے اُس کے تابع فرمان ہوں اُسی قدر بڑا بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ اُس نے بھی فرمایا کہ "غیر قوموں کے حاکم اُن پر حکومت جتاتے اور اختیار والے اُن پر اپنا اختیار دکھاتے ہیں" لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا "پر تم لوگوں میں ایسا نہ ہوگا۔ بلکہ جو تم میں بڑا ہوا چاہے تمہارا خادم ہو اور جو تم میں سردار بنا چاہے تمہارا بندہ ہو" یسوع کے خیال کے مطابق بزرگی اسی بات میں تھی۔ اور اگر یہ خیال صحیح ہے تو وہ کبھی ایسا بزرگ نہ تھا۔ جیسا اُس وقت جبکہ اپنے آپ کی قربانی کے ذریعے وہ تمام دُنیا کو نجات کی نعمت عطا کر رہا تھا۔

مگر یسوع کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ بزرگی اور بادشاہی کا یہ خیال صرف اُس کی اپنی ہی ذات سے علاقہ رکھے بلکہ یہ نسبت کُلی رکھتا ہے۔ یہ مسیحی پیمانہ ہے جس سے سلطنت کے تمام مراتب و مدارج کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ مسیح کے خیال کے مطابق سب سے بڑا وہ ہے جو سب سے بڑھکر اَوروں کی خدمت بجالائے۔

لیکن افسوس۔ یہ بات ابھی بہت کم لوگوں کی سمجھ میں آئی ہے۔ یہ اصول لوگوں کے دلوں میں بہت آہستہ آہستہ ترقی کر رہا ہے۔ حکومت کی نسبت جو قدیمی خیال ہے وہ ابھی تک راج کرتا ہے۔ کہ بڑا ہونا بہت خدمت کرانا ہے نہ خدمت کرنا۔ اب تک حکومت کا صیغہ ہوا وہوس کا کھیل۔ بلکہ طمع و غارت کی شکارگاہ رہا ہے نہ خدمت گزاری کا حلقہ۔ اہل حکومت

کی غرض و مقصد اس وقت تک یہی رہا ہے۔ کہ جہاں تک ہو سکے محکوم لوگوں سے اپنے لئے منفعت حاصل کریں۔ اور یہہ دیکھنا ابھی باقی ہے کہ اہل حکومت کی نئی جماعت اس سے بہتر رُوح کے تابع ہے کہ نہیں *

تاہم انسانی کاروبار کے صیغے میں بھی یہ مسیحی خیال ترقی پکڑتا جاتا ہے۔ عام طور پر انسان کا دل مسیح کی اس تعلیم کو مانتا ہے کہ سب سے بڑھکر شاہانہ مزاج وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو دلی رضامندی سے دوسروں کے لئے قربان کرتا ہے۔ اُن کے لئے سخت محنت کرتا اور ایسے کام سرانجام کرتا ہے جس میں سب کی بہبودی ہو۔ اور اگرچہ زبور نویس کا یہ قدیم اور دلچسپ قول اب بھی بالکل صحیح ہے کہ "جب تو اپنی بھلائی کرے لوگ تیری تعریف کرینگے" لیکن اُن اشخاص کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ حاکم کی بزرگی کا پیمانہ یہ نہیں کہ وہ رعایا سے کس قدر خراج وصول کرتا ہے۔ بلکہ یہ کہ اُس نے اُن کی بہبودی کے لئے کتنی بڑی بڑی خدمات سرانجام کی ہیں *

۴

مسیح کا نمونہ کلیسیا کی شراکت میں

متی ۳ : ۱۳ — ۱۵
" ۸ : ۴
" ۹ : ۳۵
" ۱۳ : ۵۴
" ۲۱ : ۱۲ و ۱۳
مرقس ۳ : ۱ — ۶
" ۶ : ۲
" ۱۲ : ۴۱ — ۴۴
لوقا ۲ : ۲۱ تا ۲۴ و ۳۹ و ۴۱ — ۴۹
" ۴ : ۱۶ — ۳۲ و ۴۴
" ۲۳ : ۵۳
یوحنا ۴ : ۲۲
" ۵ : ۱
" ۸ : ۲۰
" ۱۰ : ۲۲ و ۲۳

متی ۹ : ۱۰ — ۱۷
" ۱۲ : ۱ — ۱۴
" ۱۵ : ۱ — ۹
" ۱۶ : ۶
" ۲۳ باب
لوقا ۱۰ : ۳۱ و ۳۲
یوحنا ۲ : ۱۳ — ۲۲

متی ۲۴ : ۱ و ۲
" ۲۶ : ۱۷ — ۳۰
" ۲۸ : ۱۹ و ۲۰
یوحنا ۲۰ : ۲۲ و ۲۳

چوتھا باب

مسیح کا نمونہ کلیسیا کی شراکت میں

بعض امور کے لحاظ سے تو کلیسیا کُنبے کی نسبت بھی زیادہ تنگ اور محدود جماعت ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی کُنبے کا ایک آدمی تو اُس میں لیا جائے اور دوسرا چھوڑا جائے۔ لیکن دیگر امور میں وہ سلطنت کی نسبت بھی زیادہ وسیع ہے کیونکہ مختلف اقوام کے لوگ ایک ہی کلیسیا کے ممبر ہو سکتے ہیں ؞

کُنبہ اور سلطنت ایسی جماعتیں ہیں جو اپنی ہی جبلّی طاقت کے ذریعے اور اپنے ہی جبلّی قوانین کے مطابق فطرت انسانی میں سے پیدا ہوئی ہیں۔ لیکن کلیسیا ایک الٰہی انتظام ہے جو بنی آدم کے درمیان اس غرض سے قائم کیا گیا ہے کہ منتخب اشخاص کو اپنے اندر جمع کرکے بالائے فطرت نعمتیں عطا کرے۔ البتہ وہ فطرتِ انسانی میں طبعی لحاظ سے بھی کچھ جڑ رکھتا ہے لیکن یہ جڑ انسان کی اُن حسّات پر مشتمل ہے جو اُس کو بعض حظائظ اور حوائج کے حصول کی تحریک دلاتی ہیں جو اس دُنیا میں جس کا وہ خداوند ہے

نہیں پائی جاتیں - بلکہ صرف آسمان سے عطیہ اور بخشش کے طور پر مل سکتی ہیں - الہام کے بغیر کوئی کلیسیا نہیں ہو سکتی - جیسا کہ گرجے کی عمارت لوگوں کے گھروں کے بیچ میں سے جہاں وہ قائم ہے اُٹھی ہوئی نظر آتی ہے اور اُس کا مینار اُنگلی کی مانند آسمان کی طرف اشارہ کرتا ہے - اُسی طرح کلیسیا اپنی انتظامی حیثیت کے لحاظ سے انسان کی اُس اعلےٰ آرزو اور تمنّا کا اظہار ہے جو وہ آسمانی زندگی کے واسطے رکھتا ہے - یعنی اُس زندگی کے لئے جو خدا میں شامل اور ابدی ہے اور جو محض خدا کے فضل اور مہربانی سے دستیاب ہوتی ہے ؀

۱

یسوع ایسے ملک میں پیدا ہوا جہاں پہلے ہی سے ایک حقیقی کلیسیا موجود تھی - جس کی بنیاد الہام پر تھی اور جو خدا کے فضل کو لوگوں تک پہنچاتی تھی - وہ اُس قوم کا فرزند تھا جس کی نسبت رسول فرماتا ہے کہ" فرزندی اور جلال اور عہد اور شریعت اور عبادت کی رسمیں اور وعدے اُن ہی کے ہیں " وہ ختنے کے معمولی دروازے کے ذریعے کلیسیا کی رفاقت میں لیا گیا - اور اس کے چند ہفتے بعد اَور یہودی بچّوں کی مانند ہیکل میں پیش کیا گیا - جو گویا اس امر کا اقرار تھا - کہ وہ خداوند کا ہے - اس طور پر پیشتر اس کے کہ وہ خود اس بات سے آگاہ ہوا - وہ اپنے زمینی والدین کی مرضی سے پاک رسموں کے ذریعے خدا کی ظاہری کلیسیا میں داخل کیا گیا - یہی بات بپتسمے میں ہمارے ساتھ بھی ہوئی ہے - لیکن بہت سے لوگ جنہوں نے بچپن میں بپتسمہ پایا بڑے ہو کر اس امر کی طرف کچھ بھی میلان ظاہر نہیں کرتے کہ اپنے کو خدا کے گھرانے کے ساتھ شامل کریں - برخلاف اِسکے

یسوع جونہی پورے طور پر خود آگاہی کے ساتھ کام کرنے کے قابل ہوا اُس نے اپنے والدین کی نیک مرضی کو اپنی مرضی بنا لیا اور اُس کے دل میں خدا کے گھر کے لئے نہایت پُرجوش اُلفت پیدا ہوگئی۔ بارہ برس کی عمر میں جب وہ اپنے والدین کی ہمراہی سے یروشلم میں الگ ہوگیا تو اُنہوں نے بہت سی تلاش کے بعد اُس کو ہیکل میں پایا۔ اور جب اُنہوں نے اُسے کہا۔ کہ وہ کتنی دیر سے اور کس قدر دُور دُور اُس کو ڈھونڈتے پھرے ہیں۔ تو وہ حیرت کی آواز میں اُن سے بولا۔ گویا کہ اُسکے نزدیک اُس جگہ کے سوائے اور کہیں اُسکی تلاش کا خیال کرنا ہی ایک ناممکن سی بات تھی۔ وہ بلاشبہ اپنی عمر کے اُن دنوں میں جب کہ وہ چپ چاپ ناصرت میں رہتا تھا عبادتخانے میں ہمیشہ جاتا ہوگا اور اُس کی نسبت یہ خیال کرنا عجیب معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس طرح ہر سبت کو اِس قدر عرصے تک وعظ ونصیحت سُنتا رہا[۱]۔ جب اُس نے ناصرت کے کُنج عزلت کو چھوڑا اور اپنا پبلک کام شروع کیا تو اُس وقت بھی وہ برابر بلاناغہ عبادتخانے میں جایا کرتا تھا۔ بلکہ فی الحقیقت عبادتخانہ ایک مرکز کے طور پر تھا۔ جہاں سے اُس کے کام نے نشوونما پایا۔ "اُس نے گلیل کے عبادتخانوں میں معجزے

[۱] بھلا وہ آدمی کیسا ہوگا۔ جس نے اُس کو وعظ ونصیحت سُنائی؟ کیا وہ ایک دانا آدمی تھا جس نے مقدس لڑکے کے پاؤں کی کلام کی چراگاہوں میں رہنمائی کی اور اُس کو وہ زبان سکھائی جس میں اُس نے بعدازاں اپنے خیالات کو ظاہر کیا۔ یا کیا اُس کی ذات میں وہ تمام باتیں جمع تھیں جنکی بابت اُس نے بعدازاں فریسیوں اور فقیہوں کو ملامت کی۔ خادم الدین کے لئے جماعت کا کوئی حصہ ایسا ہیبت ناک نہیں ہے جیسا بچے۔ شائد کسی اتوار کو ہمارے سامنے کوئی ایسا بچہ بیٹھا ہو۔ جس کے دل میں اُسی وقت ایسے خیالات پیچ کھا رہے ہوں۔ جو زمانۂ آئندہ پر حکومت کرینگے اور ہمارے زمانے کو پس پا کردینگے +

اُس کے دستورات کو بجا لاتا۔ بلکہ گرمجوشی سے اُنہیں پیار کرتا رہا۔ شائد ناصرت کی شریر جماعت سے بڑھکر مشکل سے کوئی ایسی جماعت ہوگی جو اپنے رتبے سے اس قدر گری ہوئی ہو۔ اور بہت کم وعظ ایسے ناقص ہونگے جیسے وہ وعظ جو وہاں سُننے میں آتے تھے۔ لیکن جب وہ اس چھوٹے سے عبادتخانے میں جاتا تھا تو گویا اپنے آپ کو ملک کے تمام دیندار لوگوں کے ساتھ متّحد محسوس کرتا تھا۔ جبکہ پاک نوشتے پڑھے جاتے تھے تو گویا گزشتہ زمانوں کے نیک اور بزرگ لوگ اُس کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ نہیں بلکہ اُس کے لئے خود آسمان بھی اُسی تنگ و تاریک جگہ میں موجود تھا۔

انسانی زندگی کے گھر میں کلیسیا بطور ایک کھڑکی کے ہے جس میں سے باہر نظر کرکے آسمان کو دیکھ سکتے ہیں۔ ستاروں کے دیکھنے کے لئے کسی بڑی نقش و نگار کی ہوئی کھڑکی کی ضرورت بھی نہیں۔ بیئبل سے باہر جو نہایت عمدہ نام کلیسیا کو دیا گیا ہے وہ خوشنما محل ہے۔ یہ نام بنئین صاحب کی مشہور کتاب "مسیحی کے سفر" میں ملتا ہے۔ لیکن کلیسیائیں جن سے وہ واقف تھا صرف بپٹسٹ لوگوں کی معمولی چھوٹی چھوٹی مجمع گاہیں تھیں۔ اور اُس زمانے میں جبکہ لوگ مذہب کے لئے ستائے جاتے تھے اُن کی حیثیت معمولی قسم کی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں سے کچھ بھی بڑھ کر نہ تھی۔ دیکھنے والے کو معمولی کھتّا سا نظر آتا تھا مگر بنئین صاحب کی نظر میں ہر ایک ایسی جھونپڑی ایک خوشنما محل تھی۔ کیونکہ جب وہ اُس کی بھدّی سی بینچ پر بیٹھتا تھا تو وہ اپنے کو "تمام جماعت اور پلوٹھوں کی کلیسیا" میں شامل سمجھتا تھا۔ اور اُس کی قوتِ واہمہ کی آنکھ اُس کے میلے کچیلے ٹوٹے پھوٹے شہتیروں میں سے پار ہو کر کلیسیائے جامع کی شاندار چھت اور منوّر دیواروں کو دیکھ سکتی تھی۔ یہ پاک شدہ

قوتِ واہمہ کی آنکھ ہے جو کلیسیا کی عمارت کو خواہ وہ اینٹ کی بنی ہو یا عالیشان اسقفی گرجا ہو۔ سچی عظمت وجلال سے ملبس کرتی ہے۔ اور خدا کی محبت جس کا وہ گھر ہے ایک ادنےٰ سے ادنےٰ جھونپڑی کو بھی رُوح کے لئے ایک عمدہ آرامگاہ بنا دیتی ہے۔

۴

اگرچہ مسیح کے زمانے کی کلیسیا کی بنیاد خدا کی رکھی ہوئی تھی اور وہ بھی اُس کو خدا کا گھر مانتا تھا۔ تاہم وہ خوفناک خرابیوں سے بھری تھی۔ کوئی انتظام خواہ خدا ہی کی طرف سے کیوں نہ ہو۔ آدمی اُس میں اپنی باتیں ملا سکتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ انسانی ملاوٹ الٰہی انتظام کے ساتھ مل جل کر ایسی ایک ہو جاتی ہے۔ کہ دونوں باتیں ایک تن معلوم ہوتی ہیں اور یکساں طور پر خدا کی طرف سے سمجھی جانے لگتی ہیں۔ انسانی ایزادیاں بڑھتی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ اُس میں سے جو انسانی آمیزش ہے گزر کر الٰہی باتوں تک پہنچنا قریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ فی الحقیقت بعض کامگار رُوحیں اُس وقت بھی اُس میں سے حقیقت تک پہنچ جاتی ہیں جیسے درخت کی جڑیں اپنی خوراک حاصل کرنے کے لئے سخت چٹان کے دراڑوں کے بیچ میں سے بھی زمین تک راستہ نکال لیتی ہیں۔ لیکن عوام النّاس اپنا راستہ نہیں پا سکتے۔ بلکہ اپنی رُوحوں کو اُن باتوں سے سیراب کرنے کی کوشش میں جو محض انسانی ہیں اور جن کو وہ غلطی سے الٰہی سمجھ بیٹھتے ہیں۔ تباہ ہو جاتے ہیں۔ آخرکار ایک طاقتور آدمی برپا ہوتا ہے۔ جو اصل عمارت اور انسانی ایجادوں میں فرق معلوم کر لیتا ہے اور وہ آخرالذکر کو توڑ کر چکنا چور کر دیتا ہے۔ اور گو کہ تمام اُلو اور تاریکی کے جانور جنہوں نے اُس میں اپنے گھونسلے بنا رکھے تھے۔ بہتیرا شور وغوغا مچاتے ہیں تو بھی وہ ازسرِنو خدا کی بنائی ہوئی اصلی بنیادوں کو دوبارہ ظاہر کر دیتا ہے

اُس شخص کو زبان عام میں مُصلح کے نام سے پکارتے ہیں۔ یسوع کے دنوں میں اُس مذہب پر جو خدا نے مقرّر کیا تھا۔ انسانی بدعتیں حد کو پہنچ گئی تھیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ یہ کس طرح شروع ہوئیں؟ ایسی باتیں اکثر بغیر کسی بدارادے کے شروع ہوتی ہیں۔ لیکن یہ ایک غلط فہمی کے سبب سے بہت ہی ترقّی کر گئیں جو اس امر میں پیدا ہو گئی تھی کہ خدا کی عبادت کیا ہے۔ عبادت ایک وسیلہ ہے جس سے انسان کی خالی رُوح خدا کے نزدیک جاتی ہے تاکہ اُس کی بھرپوری سے بھر جائے۔ اور تب خوش و خرّم ہو کر واپس آتی ہے تاکہ اُس قوّت سے جو اُس کو حاصل ہوئی خدا کی خدمت میں زندگی بسر کرے۔ لیکن ہمیشہ ہم میں طبعاً یہ میلان پایا جاتا ہے کہ ہم اس عبادت کو بطور ایسے خراج کے سمجھنے لگتے ہیں جو ہمیں خدا کو ادا کرنا ہے۔ اور جس سے وہ خوش ہوتا ہے۔ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم کو اُس کے عوض کچھ ثواب یا اجر مِلتا ہے۔ البتہ اگر عبادت بطور خراج کے ہو تو جس قدر زیادہ اس کو ادا کیا جائے بہتر ہے۔ کیونکہ جس قدر زیادہ دیا جائیگا۔ عابد کو اُسی قدر زیادہ ثواب ملیگا۔ پس اِس طور سے عبادتوں کی تعداد بڑھائی جاتی ہے۔ نئی نئی صورتیں ایجاد کی جاتیں اور انسانی ثواب کے حصول کے خیال میں خدا کے فضل کی یاد بالکل مٹ جاتی ہے +

یہی بات کنعان کے ملک میں بھی واقع ہوئی۔ مذہب عبادتوں کا ایک لاانتہا سلسلہ بن گیا تھا۔ جن کی اس قدر کثرت ہو گئی کہ آخرکار وہ زندگی کے لئے ایک ناقابل برداشت بوجھ ہو گئیں۔ خادمانِ دین اُنہیں لوگوں کی گردن پر لادتے گئے جن کے ضمیر اپنی کوتاہیوں کے خیال سے ایسے شکستہ و پامال ہو گئے کہ مذہبی احکام کی پیروی سے جو خوشی حاصل ہونی چاہیئے وہ بالکل ضائع

وبرباد ہوگئی۔ خود خادمانِ دین بھی اُن احکام کی بجا آوری سے جو وہ جاری کرتے تھے قاصر تھے۔ اور اس سے ریاکاری کو دخل پانے کا موقع ملا کیونکہ طبعی طور پر اُن سے اُمید کی جاتی تھی کہ وہ خود اُن تمام باتوں کو جن کا اوروں کو حکم کرتے ہیں بجا لائینگے۔ مگر وہ کہتے تھے اور کرتے نہ تھے " وہ بھاری بوجھ جن کا اُٹھانا مشکل ہے باندھتے اور لوگوں کے کاندھوں پر رکھتے تھے۔ پر آپ اُنہیں اپنی ایک اُنگلی سے سرکانے پر راضی نہ تھے"۔ اب وقت آپہنچا تھا کہ ایک مُصلح ظاہر ہو اور یہ اصلاح کا کام یسوع کے ذمّہ پڑا ؏

اُس اصلاح کے کام میں اُس کی گرمجوشی کا پہلا اظہار اُس کی منسٹری کے شروع ہی میں ہوا جبکہ اُس نے خرید و فروخت کرنے والوں کو ہیکل کے صحن سے نکال دیا۔ اُن لوگوں کا کاروبار غالباً نیک ارادے سے شروع ہوا تھا۔ وہ قربانی کے لئے بیل اور کبوتر اُن لوگوں کے پاس بیچتے تھے جو غیر ممالک سے ہزارہا ہزار کی جماعتوں میں عیدوں کے موقع پر عبادت کرنے کے لئے یروشلم میں آتے تھے۔ ایسے لوگوں کے لئے اس قدر فاصلے سے جانوروں کو اپنے ہمراہ لانا مشکل تھا۔ اور وہ غیر ممالک کے روپیوں کو جو وہ اپنے ہمراہ لاتے تھے وہاں یروشلم کے سکّے سے بدلوا لیتے تھے۔ کیونکہ غیر ملکوں کا سکّہ ناپاک سمجھا جاتا تھا۔ اور اس لئے ہیکل کے خزانے میں صرف دیس کا سکّہ لیا جاتا تھا۔ یہ دراصل تو ایک ضروری اور مفید بات تھی۔ مگر اس سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ کیونکہ جانوروں کے لئے بہت زیادہ قیمت مانگی جاتی اور سکّے بڑے گراں نرخ پر تبدیل کئے جاتے تھے۔

اس کاروبار سے اس قدر شـ[illegible] غوغا ہوتا تھا کہ اُس سے عبادت میں بھی ہرج واقع ہوتا تھا۔ اور نیز اسـ[illegible]م کے لئے اس قدر جگہ رو کی گئی کہ غیر اقوام

کو ہیکل کے صحن میں جو اُن کے لئے مخصوص تھا۔ عبادت کے لئے بالکل جگہ نہ ملتی تھی۔ قصّہ کوتاہ "عبادت کا گھر چوروں کی کھوہ بن گیا تھا"۔ یسوع نے بلا شُبہ بہت دفعہ جب وہ عیدوں کے موقعوں پر ہیکل میں آتا ہوگا افسوس وغصّہ کے ساتھ ان خرابیوں کو دیکھا ہوگا۔ اور جب نبوّت کی رُوح اُس پر اُتری اور اُس نے اپنا پبلک کام شروع کیا تو اُس کے پہلے کاموں میں سے یہ کام تھا کہ خدا کے گھر کو ان خرابیوں سے پاک کرے۔ نوجوان نبی کو اپنا رسّیوں کا کوڑا لوگوں کے سروں پر گھماتے ہوئے دیکھنا جو اپنے گناہ سے خبردار ہو کر اُلٹی ہوئی میزوں اور دوڑتے ہوئے جانوروں کے درمیان اُس کے پاک غضب کے سامنے سے بھاگے جاتے تھے مُصلح کی ایک کامل تصویر کا نظّارہ ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سردار کاہن کے خاندان کو اس ناپاک تجارت سے بہت آمدنی تھی اور ظاہر ہے کہ اُن لوگوں کے دل میں اُس شخص کی نسبت جس نے اُن کی آمدنی میں رخنہ ڈالا بہت محبّت وسلوک کا خیال پیدا نہ ہوا ہوگا۔ اسی طرح اُس نے اُن کی لمبی اور نمودی دُعاؤں اور خیرات دیتے وقت اپنے سامنے تُرہیاں بجانے کی ہنسی اُڑا کر فریسیوں کی جماعت کو اپنا دشمن بنالیا۔ یہ تو ممکن نہ تھا کہ وہ اس قسم کی باتوں کی پردہ دری سے باز رہتا۔ کیونکہ لوگ اُن باتوں کو دینداری کا مغز سمجھکر عزّت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ حالانکہ وہ ناشائستگی اور جھوٹی شیخی کا ناپاک پوست تھیں۔ اُس نے اس بات کو منظور کیا کہ لوگ اُسے گنہگار سمجھکر حقیر جانیں اس لئے کہ وہ روزوں اور سبت منانے کے پُر مبالغہ دستوروں سے جنکی نسبت وہ جانتا تھا کہ مذہب کا حصّہ نہیں ہیں بے پروائی کرتا تھا۔ اور نیز اس لئے بھی کہ وہ محصول لینے والوں اور گنہگاروں سے ملتا تھا۔ کیونکہ

وہ اِس کو الٰہی رحمت کے عین مطابق سمجھتا تھا۔ آخر کار وہ اس بات پر مجبور ہوا کہ اُس زمانے کے مذہبی اشخاص کے چہرے پر سے ریاکاری کا نقاب اُٹھا کر اُن کی اصلی صورت کو لوگوں پر ظاہر کر دے کہ وہ اندھوں کے اندھے ہادی اور سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہیں۔ جو باہر سے خوبصورت نظر آتیں لیکن اندر سے مُردوں کی ہڈیوں سے پُر ہیں ❊

اس طور سے اُس نے انسانی کوڑے کرکٹ کے تودوں کو جو اُنہوں نے خدا کے گھر کے گرداگرد جمع کر دئے تھے۔ صاف کر دیا۔ اور حقیقی ہیکل کو ازسرِ نو اُس کی خوبصورت آن بان میں پھر ایک دفعہ لوگوں پر ظاہر کر دیا۔ لیکن اُسے اس کا خمیازہ بھی اُٹھانا پڑا۔ کاہنوں نے جن کے ناجائز منافعوں کے وسائل اُس نے بند کر دئے۔ اور فریسیوں نے جن کی ریاکاری کو اُس نے افشا کر دیا۔ ایسے غضب اور کینے کے ساتھ اُس کا تعاقب کیا کہ اُسکو صلیب پر کھینچ کر کے دم لیا۔ اور اس طرح مُصلح کے نام کے علاوہ اُس نے شہید کا نام بھی حاصل کیا۔ اور خود شُہدا کی شریف فوج کا پیشوا بنا جو گزشتہ صدیوں کے صفحے پر ایک باریک قطار میں صف بستہ نظر آتی ہے ❊

اس فوج کے کئی ایک اشخاص مُصلح بھی ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں کلیسیا کے برخلاف سر اُٹھایا اور اسی کشمکش میں مارے گئے۔ کیونکہ نئے عہد کی کلیسیا پُرانے عہد کی کلیسیا کی مانند خرابیوں کی جولان گاہ بننے سے کسی طرح آزاد نہیں۔ مسیحی کلیسیا کی حالت اُن مردانِ خدا کے زمانے میں جن کو ہم خاص طور سے مُصلح کے خطاب سے مخاطب کرتے ہیں ٹھیک ویسی ہی تھی جیسی پُرانے عہد کی کلیسیا کی حالت مسیح کے وقت میں۔ انسان کی ایزادیوں نے خدا کی کاریگری کو بالکل ڈھانپ لیا تھا۔

مذہب خدا کے فضل کو لوگوں تک پہنچانے کے انتظام سے بدل کر رسوم و دستورات کا سلسلہ بن گیا تھا۔ جس سے انسانی ثواب کے ذریعے خدا کی مہربانی کو طلب کیا جاتا تھا۔ اور خادمانِ دین اندھوں کے اندھے راہ دکھانے والے بن گئے تھے۔ اصلاح کے ذریعے سے خدا نے اپنی کلیسیا کو اس حالت سے نجات بخشی۔ اور ہم خیال کرتے ہیں کہ اس وقت کے بعد پھر کبھی اصلاح کی ویسی ہی بڑی حاجت نہیں پڑی۔ تاہم یہ خیال کرنا لاحاصل ہے کہ ہمارے زمانے میں یا کلیسیا کی اس شاخ میں جس سے ہم تعلق رکھتے ہیں۔ کوئی خرابی نہیں ہے جس کے لئے مصلح کے چھاج کی حاجت نہیں۔ گو ہم انکو محسوس نہ کریں۔ مگر یہ بات اُن کی عدم موجودگی کا ثبوت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہم تاریخ سے معلوم کرتے ہیں کہ کلیسیا اپنے بدترین دنوں میں بھی اپنے عیوب سے برابر ناواقف رہی۔ جب تک کہ مناسب شخص نے مبعوث ہو کر اُن عیوب کو جتا نہ دیا۔ اور تمام زمانوں میں ایسے شخص ہوتے رہے ہیں۔ جو سچے دل سے یہ یقین کرتے تھے کہ وہ خدا کی خدمت بجا لا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنی جہالت سے فی الحقیقت نہایت ضروری اور مفید تبدیلیوں کو روک رہے تھے۔

۳

مُصلح کا نام جہاں اس کا مخاطب فی الحقیقت اس نام کا مستحق ہو کلیسیا میں بڑا معزز سمجھا جاتا ہے مگر یسوع اس سے بھی ایک بڑا نام رکھتا ہے کیونکہ وہ کلیسیا کا بانی بھی تھا[۱]۔

[۱] مسیح کو قدیمی کلیسیا کا مُصلح اور نئی کلیسیا کا بانی کہنے میں جو ظاہراً تباین معلوم ہوتا ہے۔ اُسکی وجہ کچھ تو یہ ہے کہ خدا کی مرضی اور انسان کی مرضی میں باہم ضد ہے۔ جس کا ذکر پچھلے باب میں ہوا۔ محدود انسان کی آنکھوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سرگرمی سے ایسے مقاصد کے حصول میں ساعی تھا جو کبھی حاصل نہیں ہوئے اور کہ اُس کی

قدیم کلیسیا جس میں اُس نے پرورش پائی معدوم ہونے پر تھی۔ اُس کا کام تمام ہو چکا۔ اور قریب تھا کہ وہ دُنیا پر سے اُٹھا لی جائے۔ اُس نے پہلے یہ پیشین گوئی کی کہ ہیکل میں پتھر پر پتھر نہ چھوڑیگا جو گرایا نہ جائے۔ اُس نے سامری عورت کو بتایا۔ کہ وہ گھڑی آتی ہے۔ جس میں تم نہ کوہ گرزیم پر نہ کوہ صیحون پر باپ کی پرستش کروگے۔ بلکہ سچے پرستار ہر ایک جگہ رُوح اور راستی سے اُس کی پرستش کرینگے۔ جب وہ مر گیا تو ہیکل کا پردہ اُوپر سے نیچے تک پھٹ گیا۔ اُس نے نیئے عہد کی کلیسیا کی اپنے ہی خون میں بنیاد رکھی۔ اپنا خون بہانے سے اُس نے خدا اور انسان کے باہمی ناکامل رشتے کو جو بیلوں اور بکروں کے خون کے وسیلے تھا منسوخ کردیا۔ اور ایک نیا اور بہتر رشتہ قائم کیا۔ چنانچہ اُس نے عشائے ربّانی کی رسم مقرّر کرتے وقت فرمایا کہ "یہ میرے لہو سے نیا عہد ہے"۔ خدا کا نیا گھر اُس کامل مکاشفہ سے جو اُس نے خدا کی بابت ظاہر کیا منوّر ہے۔ اور اُس میں نئی اور زیادہ قیمتی برکتیں جو اُسکی زندگی اور موت سے خریدی گئیں لوگوں تک پہنچائی جاتی ہیں ۔

لیکن خدا کا نیا گھر تعمیر کرنے میں اُس کے معمار نے قدیمی سامان کو بالکل رد نہیں کردیا۔ اُس نے عشائے ربّانی کی رسم میں اُنہیں اشیا کا استعمال مقرّر کیا جن کو وہ اور اُس کے شاگرد اُسی شام کو فسح کے لئے استعمال کر رہے تھے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶۵) زندگی کے نتائج اُسکے ارادوں کی نسبت مختلف تھے۔ علاوہ بریں قدیم اور جدید ایسے الفاظ ہیں جو ایک ہی وقت میں ایک ہی چیز کی نسبت استعمال ہو سکتے ہیں۔ یہ بات صحیح اعتقاد سے زیادہ مطابق ہوگی۔ کہ ہم مسیحی کلیسیا کو عہد عتیق کی کلیسیا کے ساتھ متحد سمجھیں۔ لیکن نئی کلیسیا کہنا شائد زیادہ تر کتاب مقدّس کے مطابق ہے یا یوں کہو کہ کلیسیا کے علماء اُس چیز پر جو دونوں انتظاموں میں مشترک ہے زور دیتے ہیں مگر کتاب مقدّس اُس پر جو دونوں کو ایک دوسرے سے ممیّز کرتی ہے ۔

عبادت کی صورت اور مسیحی کلیسیا کے عہدہ دار عبادتخانے کے عہدہ داروں اور عبادتوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ مزید برآں عہد قدیم کے نوشتے مع اپنے مقدسوں اور بہادروں کے تذکرات کے ایک ہی جلد میں عہد جدید کی کتابوں کے ساتھ شامل ہیں۔

یسوع نے خود نئے عہد کی کلیسیا کے انتظام و بندوبست کا نقشہ تفصیل کے ساتھ نہیں کھینچا۔ اُس نے صرف اُس کی بنیاد رکھنے پر اکتفا کیا جو اور کسی شخص سے نہ ہو سکتا۔ اور اُس کی عمارت کا ایک عام خاکہ کھینچ دیا۔ اُس نے اپنی انجیل کلیسیا کے حوالے کی اور یہ حکم دیا کہ وہ ہر ایک مخلوق کے سامنے اُس کی منادی کرے۔ اُس نے کلیسیا کو بارہ رسول دئے۔ جن کی محنتیں اور الہامی تعلیمیں اُس بنیاد کے اوپر جو خود اُس نے رکھی پتھروں کے دوسرے ردّے کی مانند تھیں۔ اُس نے اُس کے عہدہ داروں کو یہ اختیار دیا کہ لوگوں کو اُس کی رفاقت میں داخل کریں یا اُس سے خارج کریں۔ اُس نے بپتسمہ اور عشائے ربّانی کی رسمیں مقرر کیں۔ اور سب سے بڑھکر اُس نے اپنی کلیسیا کے ساتھ یہ وعدہ چھوڑا جو ہر ایک زمانے میں اُمید کے ستارے کی طرح چمکتا ہے کہ "دیکھو میں زمانے کے آخر ہونے تک تمہارے ساتھ ہوں"۔ مسیح کا یہ بنیاد نہادی کا کام ایک ہی دفعہ پورے طور پر کیا گیا اور دوہرایا نہیں جا سکتا۔ لوگ بعض اوقات مسیحی کلیسیا کے اُٹھ جانے کی نسبت خیالی پلاؤ پکانے لگتے ہیں۔ مگر بجائے اس کے کوئی ایسی چیز واقع ہو جاتی ہے۔ جو پہلے سے بھی بڑھکر ہوتی ہے لیکن "کوئی آدمی دوسری بنیاد ہرگز نہیں رکھ سکتا"۔ کلیسیا کو اس بنیاد پر صرف تعمیر کرنے کا کام ہم پر چھوڑا گیا۔ تاہم یہ بھی اُسی کام کا ایک حصّہ ہے۔ اور اُسی رُوح کے ذریعے جس کے ساتھ اُس نے

اُس کی بنیاد رکھی سرانجام پاتا ہے سب سے پہلے اُن لوگوں کو جو اس کام کو اختیار کرتے ہیں یہ دیکھنا ضرور ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک بنیاد کے اوپر تعمیر کریں۔ بہت سا کام جو مسیحی خدمت کے نام سے کہلاتا ہے۔ آخر مسیح اُس کو قبول نہیں کریگا۔ کیونکہ وہ اُس بنیاد پر تعمیر نہیں کیا گیا جو اُس نے رکھی تھی۔ اگر اُس نئے عہد کو جو اُس کے خون سے ہے فراموش کر دیا جائے۔ جس پر اُس نے اپنے کام کو مشتمل ٹھیرایا۔ یا اگر وہ بنیادیں جو اُس کے رسولوں نے اُس کے نام سے رکھیں تسلیم نہ کی جائیں۔ تو ہوسکتا ہے کہ ہم اپنی ہی ایک کلیسیا تعمیر کرلیں۔ لیکن ہماری اس محنت کو وہ کبھی قبول نہیں کریگا ۔

نیز اُن سب کو جو اس کام میں حصہ لیتے ہیں یہ بھی لازم ہے کہ اُسی کی پاک گرمجوشی کے ساتھ اُس کو تعمیر کریں۔ اُس نے یہ مناسب سمجھا کہ آدمیوں کی رُوحوں کو نجات دینے کی خاطر اپنی جان دے۔ اس لئے ہم کو بھی یہ سوچنا چاہیئے کہ ہم اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کیا کیا قربانیاں کرنے کو تیار ہیں؟ اُس نے تو اپنی جان دے دی۔ کیا ہم اپنا آرام۔ اپنی کوشش اور اپنا روپیہ دیدینگے۔ یہ سب اُس نے اس وجہ سے کیا۔ کہ اُسے یقین تھا کہ ہر ایک انسانی رُوح تمام عالم کی نسبت بھی زیادہ قیمتی ہے۔ اس لئے وہ انسان کی رُوح بچانے کے لئے مؤا۔ کیا وہ رُوح ہماری نظر میں بھی ویسی ہی قیمتی ہے؟ کیا اُن کی بدبختی اور بربادی کا خیال ہم کو بھی بےچین کرتا ہے؟ کیا اُن کا گناہ ہمیں مغموم کرتا ہے؟ کیا اُن کی نجات سے ہمارے دل میں بھی اُسی قدر خوشی پیدا ہوگی۔ جو ایک گناہگار کے توبہ کرنے کے وقت آسمانی فرشتوں کے دلوں کو مسرور کرتی ہے؟

مگر اس عمارت کو تعمیر کرنے کے لئے نہ صرف گرمجوشی کی بلکہ خدا کی پاک کی ہوئی دانش کی بھی ضرورت ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا یسوع نے کلیسیا کے انتظام کے لئے ذرا ذرا تفصیلی باتوں کی ہدایت نہیں کردی۔ اُس نے زیادہ تر اُن کو انسانی ذکاوت و ذہانت پر چھوڑ دیا۔ تاکہ وہ خود یہ دریافت کریں کہ کس طرح یہ کام بہتر طور پر سرانجام ہو سکتا ہے۔ اور کلیسیا ابھی تک اِن باتوں کو دریافت کرتی جاتی ہے۔ نئے نئے مسائل حل کرنے کے لئے درپیش آتے۔ نئے نئے کام معرضِ عمل میں آتے ہیں۔ اس لئے اُس کو موجدوں اور پیش روؤں کی حاجت ہے جو اُس کی نئی نئی مہموں کی سرانجامی کے لئے تدابیر سوچیں اور نئی نئی فتوحات کے لئے راستہ تیار کریں۔ مثلاً اس برکت کا اندازہ کرنا جو اُس آدمی کے وسیلے کلیسیا پر نازل ہوئی۔ جس نے سنڈے سکول قائم کئے ناممکن ہے۔ وہ کلیسیا کا ذی مرتبہ عہدہ دار نہ تھا اور نہ وہ عجیب و غریب لیاقت و قابلیت رکھتا تھا۔ جو خوبی اُس میں تھی سو یہ تھی کہ اُس نے دیکھ لیا کہ ایک بہت بڑا کام کرنے کے واسطے موجود ہے۔ اور اُس نے اُس کے سرانجام کرنے کے لئے ایک عمدہ طریق دریافت کرلیا۔ اُس نے بچّوں کی جماعت تک لوگوں کی راہ نمائی کی اور اُس وقت سے وہ بے شمار رضامند کاٹنے والوں کے لئے جو پکے ہوئے کھیت کے اس نہایت دلکش حصّے میں اُس کی پیروی کرتے ہیں۔ نہایت عمدہ کام مہیّا کرتا رہا ہے۔ اور بھی بے شمار قسم کے کام ہیں۔ جو پاک شدہ مسیحی جودت و ذکاوت کے ذریعے حل کئے جانے کے منتظر ہیں۔ میرے نزدیک اور کوئی تحفہ ایسا عمدہ نہیں جس کے حصول کی طمع کی جائے۔ جیسا یہ کہ سب سے پہلے ہم یہ دریافت

کر سکیں کہ کس طرح مسیحی اہل الرائے کو رُوحانی علم کی کسی نئی کان میں کام کرنا چاہیئے۔ یا کس طرح مسیحی مزاج رُوحانی قابلیت کے کسی نئے زینے پر اُٹھایا جا سکتا ہے۔ یا کس طرح مسیحی سرگرمی جماعت کے کسی ایسے حصے کی جو اب تک فراموش رہا ہے رُوحانی ضروریات کو پورا کر سکتی ہے۔



۵

مسیح کا نمونہ دوستی میں

متی ۱۰ : ۲ - ۴
〃 ۱۱ : ۷ - ۱۱
〃 ۱۷ : ۱ و ۲
〃 ۱۸ : ۶ - ۱۰
〃 ۲۱ : ۱۷
〃 ۲۶ : ۱۴-۱۶ و ۳۷ و ۳۸ و ۴۰ و ۵۰
〃 ۲۷ : ۳-۵ و ۵۵-۶۱
مرقس ۵ : ۳۷
〃 ۱۳ : ۳ و ۴

لوقا ۸ : ۱ - ۳
〃 ۱۰ : ۳۸-۴۲
〃 ۱۲ : ۴
یوحنا ۱ : ۳۵-۵۱
〃 ۱۱ باب
〃 ۱۲ : ۱ - ۷
〃 ۱۳ : ۱-۵ و ۲۳
〃 ۱۵ : ۱۳ - ۱۵
〃 ۱۹ : ۲۷

پانچواں باب

مسیح کا نمونہ دوستی میں

۱

کتب عہد جدید پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اُس میں کبھی دوستی کی تعریف و تحریک نہیں کی گئی حالانکہ اُس میں جورو خاوند۔ باپ بیٹے۔ اور بہن بھائی کے باہمی سلوک کی نسبت ہدایات درج ہیں۔ مگر دوست دوست کے باہمی تعلق کا کچھ بھی ذکر نہیں پایا جاتا۔

اس عجیب بھول کی وجہ ظاہر کرنے کے لئے مختلف اسباب بیان کئے جاتے ہیں۔ لیکن پیشتر اس کے کہ ہم اُن پر بحث کریں ہمیں یہ تحقیق کر لینا چاہئے کہ آیا فی الحقیقت یہ خیال ٹھیک ہے؟ کیا یہ سچ ہے کہ عہد جدید میں دوستی کا کچھ بھی ذکر نہیں ہوا؟

برخلاف اس کے میں یہ دعوے کرتا ہوں کہ عہد جدید اس مضمون

کے مطالعہ کے لئے نہایت عمدہ کتاب ہے۔ دوست کی سب سے اعلےٰ مثال خود یسُوع میں پائی جاتی ہے۔ اور اُس کا سلوک جو اُس نے اس خوبصورت رشتہ میں دکھایا خود بطور ایک آئینہ کے ہے۔ جس میں حقیقی دوستی کی کامل تصویر نظر آتی ہے اور جس کے مطابق ہر ایک دوست کو اپنے تئیں جانچنا چاہئے۔ البتہ اس امر پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ دوستی کی یہ مثال قابل تسلیم نہیں۔ کیونکہ یسُوع کا اُن لوگوں کے ساتھ جو اُس کے دوست کہے جاسکتے تھے۔ اُن کے منجی ہونے کا اعلےٰ رشتہ بھی ہے۔ اور اس بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ اُن لوگوں کے درمیان جو ایسی مختلف حیثیت اور درجہ رکھتے ہوں حقیقی دوستی ناممکن ہے ؏

لیکن اُس نے خود بارہ کو دوست کہہ کر پکارا کہ "بعد اس کے میں تمہیں خادم نہ کہونگا۔ بلکہ دوست"۔ اُس نے بارہ میں سے تین کو اپنا خاص رفیق بنا لیا۔ یعنی پطرس۔ یعقوب اور یوحنا کو۔ اور ان تینوں میں سے یوحنا خصوصاً وہ شاگرد تھا۔ جسے یسُوع پیار کرتا تھا۔ ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ "یسُوع مارتھا اور اس کی بہن اور لعاذر کو پیار کرتا تھا"۔ اور اس عبارت سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیت عنیا کے ان لوگوں کے ساتھ ایک خاص طرح کا دوستانہ تعلّق رکھتا تھا۔ منجی ہونے کی حیثیت میں اُس کی نسبت یہ خیال کرنا مشکل ہے کہ۔ وہ اُن لوگوں میں سے جنہیں اُس نے بچایا ہے ایک کو دوسرے سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ کیونکہ وہ سب کو یکساں پیار کرتا ہے۔ لیکن اُن صورتوں میں جن کا اُوپر ذکر ہوا اُس نے اپنے بعض پیرؤں کو دوسروں پر ترجیح دی۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ منجی اور ناجی کے وسیع اور بلند

رشتے کے درمیان دوستی کے خاص انسانی رشتے کے لئے بھی جگہ تھی*

۲

اُن لوگوں کے درمیان جنہوں نے دوستی کے مضمون پر کچھ لکھا ہے۔ اس امر پر بہت کچھ بحث ہوئی ہے۔ کہ آیا نہایت عمدہ دوست وہ ہے۔ جو بہت پیار کرتا ہے یا وہ جو سب سے بڑے فوائد پہنچاتا ہے*

دونوں جانب سے بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو یہ بات ہے کہ نہایت ہی عاجز دوست کی سچی محبت سے خواہ وہ ہماری کوئی خاص خدمت بجالانے کے کیسا ہی ناقابل کیوں نہ ہو۔ ایک لامحدود تسکین اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف زندگی کے آفات و مصائب میں جو سب پر وارد ہوتے ہیں ایک ایسے شخص کا ہونا ازحد کارآمد معلوم ہوتا ہے جو عمدہ صلاح و مشورت دے سکے۔ جو مصیبت میں دستگیری کر سکے۔ جو ہمارے معاملات میں ایسی دلچسپی لے گویا کہ وہ اُس کے اپنے ہی ہیں اور یہ سب صرف اس لئے کرے کہ وہ ہمارا دوست ہے۔ مگر ان دونوں میں سے کوئی بھی دوستی کا آبدار موتی کہلانے کا مستحق نہیں۔ کیونکہ اس میں ایک اور چیز ہے جو ان دونوں سے زیادہ قیمتی ہے*

اگر وہ شخص جس نے اس مسرت کے چشمے سے دل کھول کر پیا ہے۔ اپنی گزشتہ زندگی پر نظر کرے اور سوال کرے کہ اُس کی زندگی کے عیش و آرام میں سب سے میٹھی چیز کونسی تھی اور پھر وہ اپنے دلی دوست کو یاد کرے۔ جس کی صورت اُس کے تجربات زندگی کی منتخب گھڑیوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور تب وہ ہم کو یہ بتائے کہ اُس کی اِس دلی تسکین کا بھید اور رُوح کیا ہے ہم اگر تمہاری دوستی اعلےٰ درجے کی تھی تو اُس تسکین کی رُوح صرف اُس شخص کی لیاقت

ہے۔ جس کو اپنا دوست کہنے کی عزت تم کو ملی۔ تم کو یقین ہے کہ وہ بالکل سچا اور وفادار ہے۔ تم اُس کو خوب جانتے ہو اور تم کو اُس میں کہیں بھی شک و شُبہ یا مکر و فریب نظر نہیں آتا۔ دُنیا جھوٹی اور فریبی ہو تو ہو لیکن تم کم سے کم ایک ایسے دل سے واقف ہو۔ جس نے تم کو کبھی دھوکا نہیں دیا۔ اور اگرچہ بہت سے واقعات پیش آئے ہوں جس سے بنی آدم کی قدر تمہاری نظر سے اُتر گئی ہو تو بھی اپنے دوست کی صورت کو یاد کر کے تم ہمیشہ انسانی فطرت کی صلاحیت پر اعتماد کرنے کے قابل ہو۔ یقیناً یہی بے مثل نفع ہے۔ جو دوستی سے حاصل ہوتا ہے یعنی ایک سادہ۔ خالص اور اُولوالعزم رُوح سے رفاقت رکھنا۔

اگر یہ بات یونہی ہے تو یسوع کی دوستی میں کس قدر لطف ہوگا؟ اگر انسانی فطرت کے نسبتاً عام اور ناکامل نمونے جن سے ہم واقف ہیں۔ ایسا مسرت بخش اثر کر سکتے ہیں۔ تو اُس سے جس کے دل میں ہمیشہ خدا اور انسان کی خالص محبت جوش زن تھی۔ قریبی تعلق رکھنا کیا کچھ ہوگا! اُس دماغ کے ساتھ جو ایسے خیالوں کا جو انجیل میں مرقوم ہیں ایک بڑا اور جاری سرچشمہ تھا۔ یا ایسی خصلت کے ساتھ جس میں با وجود باریک تحقیقات کے ایک بھی داغ یا چین نہیں پایا گیا۔ گہرا تعلق رکھنا کیا کچھ ہوگا! جب ہم بزرگ اور نیک اشخاص کے حالات پڑھتے ہیں تو ہمارے دل میں خواہ مخواہ یہ تمنا پیدا ہوتی ہے کہ کاش ہماری قسمت میں ہوتا کہ ہم افلاطوں کے پیچھے پیچھے اُس کے باغ میں جاتے یا لوتھر کی بات چیت سُنتے۔ یا بنیَن کے ساتھ بیڈفورڈ کی گلیوں میں بیٹھتے یا کولرج کو اپنے فلسفے کے سُنہری بادل بناتے دیکھتے۔ لیکن یہ سب مریم[لہ] کی

لہ غیر اقوام کا یہ خیال تھا کہ عورت رشتۂ دوستی کے ناقابل ہے۔ اور بہت سے مسیحی اہل الرائے بھی اس امر میں اُنہیں کے پیرو ہیں۔ اس دعوے کی تائید میں اس قسم کی وجوہات پیش کیجاتی ہیں کہ

خوش قسمتی کے مقابلے میں جو یسوع کے پاؤں پاس بیٹھ کے اُس کی باتیں سُنتی تھی۔ یوحنا کے مقابلے میں جو اُس کے سینے پر جُھک کر اُس کے دل کی حرکات کو محسوس کرتا تھا کیا حقیقت رکھتے ہیں ؟



اگر وہ بات جس کا ہم نے اُوپر ذکر کیا دوستی کی سب سے پہلی خوبی ہے۔ تو محبّت اُس سے دوسرے درجے پر ہے۔ دوستی صرف اُس حق و دعوے کا نام نہیں۔ جو ایک شخص دوسرے پر رکھتا ہے۔ فقط اسلئے کہ وہ ایک گاؤں میں پیدا ہوئے اور مدرسہ میں ایک ہی بنچ پر بیٹھے۔ یہ محض ہمسایوں کی واقفیت نہیں ہے جو روزمرہ ایک دوسرے کے ساتھ ملنے جُلنے اور گپ شپ مارنے کے سبب ایک دوسرے کی صحبت کو پسند کرنے لگ گئے ہیں۔ لیکن اگر جُدا ہو جائیں تو ایک ہی مہینے میں ایک دوسرے کو بھول جائیں۔ یہ ہم سفروں کی اتفاقی واقفیت یا کسی پولیٹکل مجمع کے ممبروں کی مجالست نہیں ہے۔ حقیقی دوستی میں رُوح کا رُوح سے ملاپ اور دل کا دل سے تبادلہ ہوتا ہے۔ عہد عتیق میں جو دوستی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۷۶) کوئی عورت راز پوشیدہ نہیں رکھ سکتی یا کہ وہ مشکل معاملات میں صلاح و مشورت دینے کے ناقابل ہے۔ مگر یسوع مارتھا اور اُس کی بہن سے محبّت رکھتا تھا" اور اُس کے دوستوں میں بعض عورتیں تھیں اس طور سے اُس نے اس معزز رشتے کے لئے عورتوں کا حق ثابت کر دیا اور اُس کے خادموں میں سے سیکڑوں بہترین اور جوانمرد نیک اشخاص نے اُس وقت سے لے کر اس تسکین اور طاقت کو جو نیک عورتوں کی رفاقت سے حاصل ہوتی ہیں تجربہ کیا ہے اور اُن میں سے ایک (جرمی ٹیلر) نے لکھا ہے کہ " عورت ایسی ہی سرگرمی سے محبّت کر سکتی۔ اور ایسے ہی دلپسند طور سے گفتگو کر سکتی۔ اور ایسی ہی وفاداری سے بھید کو رکھ سکتی۔ اور اپنی مقررّہ خدمات میں رفیق ہو سکتی۔ اور اپنے دوست کے لئے ایسے ہی جان قربان کر سکتی ہے۔ جیسے کوئی رومی بہادر"۔

کی مثال درج ہے۔ اس میں اس دوستی کے شروع ہونے کا حال بڑی خوبی اور عمدگی سے درج کیا گیا ہے "اور ایسا ہوا کہ جب وہ ساؤل سے بات کہہ چکا یوناتن کا جی داؤد سے مل گیا اور یوناتن نے اُسے اپنی جان کے برابر دوست رکھا"۔ اس قسم کا اتحاد جو ایک دفعہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر نہیں ٹوٹتا۔ پر اگر ٹوٹتا بھی ہے۔ تو جسم کے پھٹنے اور بہت سا خون بہنے سے ٹوٹتا ہے ۔

تاہم میں اُن لوگوں کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا جو اس خیال کے مؤید ہیں کہ حقیقی دوستی زوجی محبت کی مانند ایک وقت میں صرف ایک ہی شخص سے رکھ سکتے ہیں۔ اس صدی کا ایک نہایت ہی باریک بین شخص جو انسانوں کے باہمی تعلقات کی تمام بلندیوں اور پستیوں سے خوب واقف ہے۔ بڑے زور سے اس خیال کی تائید اور تمام معترضین کے اعتراضوں کی تردید کرتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ اگر تم یہ خیال کرتے ہو۔ کہ تمہارا ایک سے زیادہ دوست ہے تو یہی بات ثابت کرتی ہے۔ کہ تم کو حقیقی دوست اب تک نہیں ملا۔ مگر ایسا کہنا اُس اُلفت کی ماہیت کی غلط فہمی کے سبب سے ہے کیونکہ اُس سے اُس پر ایک ایسا قاعدہ قائم کیا جاتا ہے جو ایک بالکل مختلف قسم کے جذبے سے تعلق رکھتا ہے۔ بہمہ وجوہ مسیح کا نمونہ ہمارے اس خیال کی تائید کرتا اور یہ ثابت کرتا معلوم ہوتا ہے۔ کہ دوستی میں مختلف مدارج ہو سکتے ہیں۔ اور کہ دل ایک ہی وقت میں کئی ایک شخصوں کی دوستی سے حظ اٹھانے کی قابلیت رکھتا ہے ۔

۴

دوستوں کی محبت ایک کارآمد جذبہ ہے۔ اور دوستوں کی خدمت بجا لانے اور فوائد پہنچانے میں خوش ہوتا ہے۔ قدیم زمانے کے لوگ اس بات سے

ایسے آگاہ تھے کہ دوستی کے فرائض پر بحث کرتے ہوئے سوال یہ نہیں ہوتا تھا کہ کس قدر ایک دوست کو دوسرے کے لئے کرنا چاہئے۔ بلکہ یہ کہ کس حد پر پہنچ کر اُسے رُکنا چاہئے۔ اُن کے نزدیک یہ بات مسلّم تھی کہ آدمی کو اپنے دوست کی خاطر جو کچھ اُس سے ہوسکے کرنا۔ برداشت کرنا۔ اور دینا چاہئے۔ اور وہ صرف یہ ہدایت کرتے تھے۔ کہ آدمی کو صرف ایسے نقطے پر ٹھہر جانا چاہئے کہ جہاں اُسکی یہ سرگرمی کسی اعلےٰ فرض سے جو وہ اپنے کُنبے یا ملک یا خدا سے رکھتا ہے ٹکر کھائے۔ اُس خیال کے مطابق وہ تصاویر میں دوستی کا مُرقّع اس طور پر اُتارتے تھے کہ گویا ایک نوجوان ننگے سر۔ موٹا سوٹا لباس پہنے کھڑا ہے۔ اور اس تصویر سے چالاکی اور خدمتگزاری پر آمادگی ظاہر کرنا مقصود ہوتا تھا۔ اُس کے لباس کے دامن پر الفاظِ موت اور زندگی لکھے ہوتے تھے جس کا یہ مطلب تھا کہ دوستی زندگی اور موت میں یکساں ہے۔ اُس کے ماتھے پر گرما اور سرما لکھا ہوتا تھا۔ جس سے مراد تھی۔ کہ خوشحالی ہو یا تنگ حالی۔ دوستی میں سوائے اس کے کہ اُس کی خدمت کی قسم میں تبدیلی ہوجائے اور کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ بایاں کندھا اور بازو دل کے مقام تک ننگے ہوتے تھے۔ جہاں الفاظِ دُور و نزدیک تحریر تھے اور اُن کی طرف دائیں ہاتھ کی اُنگلی اشارہ کرتی تھی۔ جس سے کنایہ تھا کہ حقیقی دوستی نہ وقت سے کم ہوتی ہے نہ فاصلے سے زائل ہوتی +

یسُوع کی دوستیوں میں اس صورت کے متعلق مثالیں دینا آسان ہے مگر اُن میں سے کوئی ایسی دلگیر نہیں جیسے اُس کا برتاؤ لعاذر کی موت اور جی اُٹھنے پر۔ اِس موقع پر اُس کا ہر ایک قدم اُس کی خصلت کی خصوصیت ظاہر کرتا ہے۔ اپنے دوست کی موت کی خبر سُن کر اُس کا اُسی مقام میں جہاں وہ تھا

اَور دو دن ٹھہر جانا تاکہ اُس عطئے کو جو وہ بخشنے پر تھا زیادہ قیمتی کردے۔ اُس کا باوجود خطرات کے جن کے واقع ہونے کا اندیشہ تھا۔ اور بارہ شاگردوں کے خوف کے۔ یہودیہ میں جانے کا حوصلہ کرنا۔ اُس کا مارتھا کے کمزور ایمان کے شعلے کو تیز کرنا۔ اُس کا خفیہ خفیہ مریم کو بلا بھیجنا تاکہ وہ بھی اُس بڑے نظّارے کو دیکھنے سے محروم نہ رہے۔ اُس کا اُن جذبات سے جو ایسے موقع پر پیدا ہوتے ہیں کامل ہمدردی کرنا۔ یہاں تک کہ وہ رو پڑا۔ اور اُسے دیکھکر حاضرین بول اُٹھے۔ کہ دیکھو وہ اُسے کیسا پیار کرتا تھا۔ اُس کا دُعا کے ذریعے بہنوں کو تیار کرنا تاکہ وہ اپنے بھائی کو کفن پہنے ہوئے قبر سے نکلتے دیکھکر دہشت نہ کھائیں۔ اور پھر سب سے بڑھکر اُس کو زندہ کردینا۔ یہ سب اُس محبّت کے شاہد ہیں۔ جو عورت کے دل کی مانند نرم۔ موت کی مانند قوی اور خدا جیسی فیض بخش تھی ؎

لیکن دوستی بعض اوقات اپنی قوّت فوائد کی قبولیت میں مستعدی دکھانے سے بھی اُسی قدر ظاہر کرسکتی ہے۔ جس قدر کہ اُس آمادگی سے جس سے وہ اُن فوائد کو دوسروں تک پہنچاتی ہے۔ دوست کے ہاتھ سے فوائد کی قبولیت سے وہ یہ ثابت کرتی ہے۔ کہ اُس کو طرف ثانی کی محبّت پر پورا اعتماد ہے۔ یسوؔع نے اپنی دوستی کی گہرائی کا جو وہ یوحنّا کی نسبت رکھتا تھا۔ اس قسم کا ایک ثبوت دیا جبکہ صلیب پر لٹکتے ہوئے اُس نے اپنے پیارے شاگرد سے درخواست کی کہ وہ مریم کو اپنی ماں کی جگہ سمجھے۔ اس سے بڑھکر دوستی کے لطیف اظہار کا موقع ملنا مشکل ہے۔ یسوؔع نے اُس سے یہ نہ پوچھا کہ آیا وہ ایسا کریگا۔ بلکہ اُس نے اُس کی محبّت کو بلا پوچھے فرض کرلیا۔ اور یہ اعتماد سب سے بڑی عزت تھی جو شاگرد کو ملنی ممکن تھی ؎



دوستی کا یہ ایک مشہور خاصہ ہے کہ دوست ایک دوسرے کی باہمی رفاقت اور گفتگو سے حظ اُٹھاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے سامنے اپنے ایسے بھید بیان کر دیتے ہیں۔ جو وہ دُنیا کے سامنے ظاہر کرنا گوارا نہیں کرتے ؂

دو نہایت گاڑھے دوستوں کی نسبت ہم لوگوں کو عموماً یہ کہتے سُنتے ہیں کہ اگر تم ایک کی تلاش میں ہو تو دوسرے کے گھر پر جانا بہتر ہوگا۔ ایک دوسرے کی صحبت سے اُن کو اطمینان ملتا۔ بلکہ کلام کی بھی اُن کو مشکل سے ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ اُن کے پاس خیالات اور حسّیات کو معلوم کرنے کا ایک مخفی ذریعہ ہے دوستوں کا ایک دوسرے کی صحبت میں بغیر کسی بد وضعی کے خاموش رہنا دوستی کا ایک قیمتی حق ہے۔ تاہم جب کلام کے دروازے کھُل جاتے ہیں تو اُس وقت دل کے خزانے اس طور سے اُبل کر نکلتے ہیں کہ کسی اور حالت میں ایسا ہونا ممکن نہیں۔ کیونکہ اُنہیں ایک دوسرے سے کسی چیز کے چھپانے کی حاجت نہیں۔ پُر حیا خیال جو خود اپنے موجد سے بھی مُنہ چھپاتا تھا اُس وقت باہر نکل آتا ہے۔ سخت سے سخت رائے بھی بلا کسی خوف کے بول پڑتی ہے۔ اعتماد اعتماد کا جواب دیتا ہے۔ جیسے دو کوئلے جو جُدا جُدا مدھم جلتے ہیں جب اکٹھے کئے جاتے تو اُن میں سے ایک شعلہ بھڑک اُٹھتا ہے۔ اسی طرح دو دل جب ایک دوسرے کو مس کرتے ہیں تو جلنے لگتے اور ایسے خوبصورت چنگارے نکالتے ہیں جو اس مخالطت کے بغیر نکلنے ممکن نہ تھے۔ وہ شخص انسانیت کے نہایت شاندار حق سے بے خبر ہے۔ جس کے دل میں عقل کی ضیافت اور رُوح کی روانی کے ایسے سُنہری گھنٹوں کی یادگاریں جمع نہیں ہیں ؂

یسوع نے بارہ کو اس لئے چنا کہ "وہ اُس کے ساتھ رہیں"۔ تین سال تک وہ اُسکے دائمی رفیق تھے اور اکثر وہ اُن کو غیر آباد جگہوں یا دور دراز سفروں میں علیحدہ لیجاتا۔ خاص کر اس غرض کے لئے کہ علیحدگی میں اُن کی صحبت اور رفاقت کا لطف اُٹھائے۔ مقدس یوحنا کی انجیل میں ہم ان مکالمات کا کچھ کچھ ذکر پڑھتے ہیں اور اُس بڑے فرق کو دیکھ کر جو یسوع کے اُن اقوال میں جو اس انجیل میں درج ہیں اور جو اناجیل ثلاثہ میں مرقوم ہیں (جن میں زیادہ تر وہ تقریریں درج ہیں جو اُس نے عام لوگوں کے سامنے کیں) ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ کس طرح پورے طور پر ان ملاقاتوں میں وہ ان بارہ شاگردوں کے سامنے اپنے دل کی پوشیدہ باتوں کو کھولتا تھا۔ اور اس اعتماد سے جو اثرات اُنکی طبیعت پر پیدا ہوئے اُن دو شاگردوں کے اس قول سے جن کے ساتھ اُس نے اماؤس کی راہ پر گفتگو کی دیکھ سکتے ہیں کہ "جب راہ میں ہم سے باتیں کرتا اور ہمارے لئے کتابوں کا بھید کھولتا تھا تو کیا ہم لوگوں کے دل میں جوش نہ ہوا؟"

خاص کر زیادہ عزیز شاگردوں کے دلوں میں اس قسم کی بہت سی گھڑیوں کی قیمتی یاد اُن کی زندگی کے بعد کے برسوں میں بھی قائم رہی۔ جبکہ وہ غریق حیرت دل کے ساتھ مسیح کے خیالوں کے وسیع اور مخفی عالم پر نظر کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اُن کو ان سے بھی عظیم تر چند گھڑیاں عطا کی گئیں۔ اکثر وہ دُعا کرنے کے لئے اُن کو علیحدہ لے جاتا تھا۔ مثلاً اُس وقت جبکہ اُنہوں نے مقدس پہاڑ پر اُس کا جلال دیکھا۔ یا جبکہ اُس نے گتسمنی کے باغ میں اُنہیں اپنے ساتھ جاگنے کے لئے بُلایا۔ یقیناً اُس کی اُس حالت میں اُس کے بالکل انسانی دوست کی مانند ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا۔ جبکہ وہ آخری موقع پر اُن سے اپنی مصیبت کے وقت اُن کی ہمدردی کا طالب ہوا۔ اور اُن سے

التجا کی کہ اُس کی جاں کنی کی حالت میں اُس کے قریب رہیں *

ان نظاروں کو دیکھکر ہمیں تعجب ہوتا ہے۔ کہ کس طرح کسی شخص کو اُسکی زندگی کی ان پوشیدہ باتوں میں اس قدر دخل ملا۔ کیا خاص کر یہ دعا کی گھڑیاں اپنے تقدّس کے لحاظ سے فانی آدمیوں کی آنکھ کے ناسزاوار نہیں تھیں؟ یہ بات کہ اُس کے دوستوں کو ایسے وقتوں میں اُس کے پاس رہنے کا موقع ملا۔ ثابت کرتی ہے۔ کہ دوست کا یہ حق ہے کہ اُس کو رُوحانی تجربات کی پوشیدہ باتوں تک بھی اپنا ہمراز بنایا جائے۔ وہ دوستی ایک سربریدہ اور نہایت ناکامل دوستی ہوگی۔ جس پر اس عالم کا دروازہ بند کیا جائے۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہونگے کہ یہ اکلوتا دوست دوسرے کی زندگی کے نہایت گراں قدر حصّے سے خارج کیا گیا ہے۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ۔ دوستی اپنے نہایت اعلےٰ معنوں کے لحاظ سے صرف مسیحیوں کے درمیان ہو سکتی ہے۔ اور وہ بھی اس پیالے کا مزہ صرف اُسی وقت چکھتے ہیں جبکہ اُن کی دوستی اس حد کو پہنچ جائے کہ وہ اُن امور پر جن کا ذکر ہمیشہ مسیح کے لبوں پر تھا۔ بےتکلّف اور اکثر گفتگو کرنے کے قابل ہوں *

۶

دوستی بھی اَور چیزوں کی طرح اپنے نتائج سے جانچی جاتی ہے۔ اگر تم کسی دوست کی قدر کو معلوم کرنا چاہتے ہو تو یہ سوال کرنا ضرور ہے کہ اُس نے تمہارے لئے کیا کیا اور تم کو کیا کچھ بنا دیا؟

یسُوع کی دوستی اس پیمانے سے ٹھیک اُترتی ہے۔ بارہ شاگردوں پر نظر کرو اور پھر غور کرو کہ اُس سے ملنے سے پہلے وہ کیا تھے اور سوچو کہ اُس کی تاثیر نے اُنہیں کیا کچھ بنا دیا۔ اور وہ اب کیا مرتبہ رکھتے ہیں؟ وہ غریب آدمی

تھے۔ گو شائد اُن میں سے بعض غیر معمولی طبعی قابلیتیں رکھتے تھے۔ مگر وہ سب ناتراشیدہ اور ناتربیت یافتہ حالت میں تھیں۔ اُس کے بغیر وہ کبھی بھی کچھ نہ بنتے۔ وہ اپنے ادنےٰ پیشوں میں گمنامی کی حالت میں زندگی بسر کر کے مرجاتے اور دریائے گلیل کے نیلگوں پانی کے کنارے بے نام و نشان قبروں میں دفن کئے جاتے۔ اُن کے گھروں سے بیس میل کے فاصلے پر بھی کوئی اُن کو نہ جانتا اور ایک صدی سے کم عرصے میں وہ بالکل فراموش ہو جاتے۔ مگر اُس کی صحبت اور مکالمت نے اُن کو بنی انسان کے بہترین اور داناترین اشخاص کے رتبے تک پہنچا دیا۔ اور وہ اب تختوں پر بیٹھے ہوئے اپنے خیالات اور نمونے سے موجودہ دُنیا پر حکمران ہیں*

ہماری دوستیوں کو بھی اسی پیمانے سے جانچنا چاہئے۔ بعض دوستیاں ایسی ہیں جو چکّی کے پاٹ کی طرح اُن لوگوں کو جو اُس سے بندھے ہوں ذلت اور بیعزتی کے گڑھے میں دبا دیتی ہیں۔ لیکن حقیقی دوستی پاک اور سرفراز کرتی ہے۔ دوست ضمیر ثانی کی جگہ ہو سکتا ہے۔ یہ آگاہی کہ میرا دوست مجھ سے کیا اُمید رکھتا ہے۔ اعلےٰ سعی و کوشش کے لئے مہمیز کا کام دے سکتی ہے۔ صرف یہ خیال کہ وہ زندہ ہے۔ گو کہ فاصلے پر ہی کیوں نہ ہو۔ نامناسب خیالوں کو دبا سکتا اور نالائق کاموں کو روک سکتا ہے۔ بلکہ جب ہمارے اپنے ضمیر کی مخالفت کا خوف بدی سے باز رکھنے کے لئے کافی قوّت نہ رکھتا ہو۔ اُس وقت یہ خیال کہ ہمارے اس فعل کو ہمارے دوست کے حضور میں پیش ہونا ہوگا۔ کسی کمینہ حرکت کے ارتکاب کو غیر ممکن کر دیگا۔ دوستی کے حقوق میں سب سے قیمتی یہ حق ہے۔ کہ ہمارا دوست ہم کو ہمارے عیوب بتا دے۔ ہر ایک آدمی

میں بعض بیہودہ خصلتیں ہوتی ہیں۔ جن کو اُس کے سوائے سب کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں۔ اور ہماری عزت کے لئے بعض ایسے خطرے ہوتے ہیں جن کو صرف ایک دوست کی آنکھ پیشتر اس کے کہ وہ ہم کو دکھائی دیں۔ دیکھ لیتی ہے۔ ایسی ملامت یا زجروتوبیخ کرنے کے لئے کمال ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ اور اس کو شکرگزاری کے ساتھ قبول کرنے کے لئے بھی کچھ ذاتی خوبی چاہیئے۔" لیکن وہ گھاؤ جو دوست کے ہاتھ سے لگیں پُروفا ہیں۔" اور دوستی کے بہت کم تحفے ایسے قیمتی ہیں جو اس معقول تنبیہ و تادیب کے الفاظ سے بڑھکر قابل قدر ہو سکتے ہیں *

تو بھی جبکہ ہم ان دوستیوں کی قدر کا اندازہ جو ہمیں حاصل ہیں اُس اثر سے کرتے ہیں جو اُن سے ہم پر ہوتا ہے۔ تو اس بات کو یاد رکھنا بھی کچھ کم ضروری نہیں کہ اس رشتے میں ہمارا چال چلن بھی اس پیمانہ سے آزمایا جائیگا۔ کیا میرے دوست کے لئے یہ اچھا ہے کہ میں اُسکا دوست ہوں؟ کیا اپنی عقل اور قوتِ فیصلہ کی پختگی کے وقت بھی وہ اس تعلق کو پسند کی نظر سے دیکھیگا؟ کیا عدالت گاہ اور ابدیت میں بھی وہ اُسکی قدر کریگا؟ انسان کو اِن سوالوں کے جواب میں تامّل ہوگا۔ مگر یقیناً کوئی مدعا سخت تمنّا اور دلی دُعا کے زیادہ لائق نہیں بہ نسبت اِس کے کہ ہماری دوستی اُس شخص کے لئے جس کو ہم پیار کرتے ہیں کبھی ضرر رساں ہو۔ کہ ہماری دوستی کبھی اُس کو نیچے کی طرف نہ لے جائے۔ بلکہ اُوپر کی طرف اُٹھائے اور برقرار رکھے۔ کیا یہ انعام کسی قسم کی دُنیوی عزت و امتیاز سے بہتر نہیں ہوگا۔ اگر بہت سالوں کے بعد۔ جبکہ ہم بوڑھے اور سر سفید ہوں یا شائد مٹی کے نیچے پڑے ہوں۔ تو دُنیا میں ایک دو شخص

ایسے ہوں۔ جو کہہ سکیں کہ میری زندگی میں فلاں شخص کا اثر نجات بخش ثابت ہوا۔ اُسی نے نیکی پر یقین کرنا اور انسانی فطرت کی نسبت اعلےٰ خیال رکھنا مجھے سکھایا۔ اور میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میری اُس شخص سے واقفیت ہوئی۔

اَور کوئی طریق نہیں جس سے ہم کو یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ ہم دوسروں پر اچھّا اثر ڈال رہے ہیں سوائے اس کے کہ ہم خود اچھی تاثیر کے سب سے بڑے سرچشمے کے ساتھ ملے رہیں۔ یسُوع ملک کنعان میں بہت عرصہ ہوا پطرس اور یوحنّا اور یعقوب۔ مارتھا اور مریم اور لعاذر کا دوست تھا۔ مگر وہ اب بھی انسانوں کا دوست ہے۔ اور اگر ہم چاہیں تو ہمارا بھی ہوگا۔ ایسے لوگ بھی اس وقت دُنیا میں ہیں جو اُس کے ساتھ ساتھ چلتے اور اُس سے بات چیت کرتے ہیں۔ وہ جب صبح کو بیدار ہوتے تو اُس سے ملتے ہیں۔ چلتے پھرتے اور کام کے وقت بھی وہ اُن کے ساتھ رہتا ہے۔ وہ اُسے اپنے سارے بھید بتا دیتے اور ضرورت کے وقت اُسی کو پکارتے ہیں۔ وہ کسی اَور دوست کی نسبت اُسے زیادہ تر جانتے ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے زندگی کا راز دریافت کر لیا ہے اور مسیحی زندگی کے واقعی ہونے کی بابت بنی انسان کے ایمان کو زندہ رکھتے ہیں۔

۶

مسیح کا نمونہ لوگوں سے ملنے جُلنے میں

متی ۱۱ : ۱۶ - ۱۹
لوقا ۱۵ : ۱ و ۲
" ۱۹ : ۵ - ۷
" ۲۴ : ۴۱ - ۴۳

لوقا ۱۱ : ۳۷ - ۴۴
" ۱۴ : ۱ - ۲۴

متی ۲۶ : ۶ - ۱۳
لوقا ۷ : ۳۶ - ۵۰
یوحنا ۲ : ۱ - ۱۱
" ۱۲ : ۱ - ۸
متی ۱۴ : ۱۵ - ۲۱
" ۲۶ : ۲۶ - ۳۰
لوقا ۲۴ : ۲۹ - ۳۱
یوحنا ۱۳ : ۱ - ۱۵

چھٹا باب

مسیح کا نمونہ لوگوں سے ملنے جلنے میں

اُن اشخاص کے تنگ دائرے سے پرے جن کو ہم دوست پکارتے ہیں واقفیتوں کا ایک بڑا دائرہ ہوتا ہے جن کے ساتھ مختلف طریق سے ہمارا تعلق پیدا ہوجاتا ہے۔ ان کو ہم سوسائٹی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کے ساتھ میل جول کرنے کے بارے میں بعض سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا جواب دینا دقت سے خالی نہیں۔ مگر یسوع کے رویّے پر غور کرنے سے ان سوالات پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔

۱

اس تعلق کے لحاظ سے ہمارے خداوند اور اُس کے پیشرو یوحنّا بپتسمہ دینے والے کے درمیان بڑا فرق تھا۔ یوحنّا سوسائٹی سے دور دور لوگوں کی رہائشگاہ سے الگ جنگل میں رہتا تھا۔ اُس کا لباس گھر یا شہر کے لئے نامناسب تھا۔ اور وہ بن باسیوں کی موٹی جھوٹی خوراک

پر گزارہ کرتا تھا۔ ہمارا منجی برخلاف اس کے اپنے ہم جنسوں میں رہتا تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ بپتسمہ دینے والے کی مانند اس بات کا انتظار کرتا کہ۔ لوگ باہر اُس کے پاس آئیں۔ وہ خود اُن کے پاس گیا۔ گاؤں اور شہر میں۔ کُوچے اور منڈی میں۔ عبادتخانے اور ہیکل میں۔ جہاں کہیں دو یا تین آدمی اکٹھے ہوتے۔ وہاں وہ اُن کے درمیان ہوتا تھا۔ وہ لوگوں کے گھروں میں داخل ہوتا۔ جب وہ خوشی کرتے تو اُن کے ساتھ خوشی کرتا۔ جب وہ ماتم کرتے تھے تو اُن کے ساتھ ماتم کرتا تھا۔ یہ بھی تعجّب سے خالی نہیں۔ کہ ہم اکثر اُس کے ضیافتوں میں شامل ہونے کا ذکر پڑھتے ہیں۔ وہ اپنے کام کے شروع ہی میں ایک شادی کے موقع پر حاضر تھا۔ متّی محصول لینے والے نے اُس کی ضیافت کی۔ اور وہ اُس کے مہمانوں کے درمیان جا کے بیٹھا۔ زکی ایک دوسرے محصول لینے والے کے گھر پر وہ خود کہہ کر گیا۔ یہاں تک کہ اُس کے اس قسم کے لوگوں کے ساتھ مل کر کھانے کی شہرت ہوگئی۔ لیکن جب ان سے مختلف رُتبے کے آدمیوں نے اُس کی دعوت کی تو اُس نے اُن کی مہمانداری کو بھی ایسے ہی بلا تامّل منظور کر لیا۔ اور ویسی ہی بے تکلّفی کے ساتھ جیسی کہ محصول لینے والوں اور گنہگاروں کے ساتھ برتتا تھا۔ فقیہوں اور فریسیوں کے ساتھ کھانے بیٹھا۔ مقدّس لوقا کم سے کم تین موقعوں کا ذکر کرتا ہے جبکہ اُس نے فریسیوں کے ساتھ کھانا کھایا۔ اس طور سے "ابن آدم کھاتا پیتا آیا"۔ فی الحقیقت اس بارے میں اُسکا چالچلن ایسا بے قید تھا۔ کہ ترش رو اور تنگ مزاج نکتہ چینوں کو یہ کہنے کا موقع مِلا کہ وہ کھاؤ اور شرابی ہے۔ بات تو بالکل جھوٹ تھی۔ مگر ظاہراً

اُس کے طریقِ زندگی سے اس امر کی تائید ہوتی تھی کیونکہ کسی شخص کو اِس قسم کے نام بپتسمہ دینے والے کی طرف منسوب کرنے کا کبھی بھی خیال نہ آتا۔ ایسے دو شخصوں کے درمیان جو یوحنّا اور یسُوع کی مانند باہم ایسا قریبی تعلّق رکھتے ہوں ایسا اختلاف عجیب معلوم ہوتا ہے۔ دونوں مذہبی معلّم تھے اور اُن کے شاگرد اُن کے رویّے کی تقلید کرتے تھے۔ لیکن خاص اِس امر میں اُن کے نمونے بالکل متضاد تھے۔ یوحنّا کے شاگرد روزہ رکھتے مگر یسُوع کے شاگرد ضیافتیں اُڑاتے تھے۔ بھلا ان دو متضاد امُور کو کس طرح جائز اور درست ٹھہرا سکتے ہیں؟

بلاشُبہ یوحنّا کے پاس اِس قسم کے رویّے کے واسطے وجوہات تھیں۔ جو اُس کی اپنی تسلّی کے لئے کافی تھیں۔ سوسائٹی میں بہت سے خطرات ہیں۔ جسم کی شہوت اور آنکھوں کی بُری خواہش اور زندگی کا جھوٹا فخر وہاں موجود ہیں۔ بدصحبت نے بہت سے آدمیوں اور بہت سے خاندانوں کو تباہ کر دیا۔ سوسائٹی میں بعض ایسے فرقے یا اشخاص ہیں جو مذہب کی برداشت نہیں کر سکتے۔ اور ایسے بھی ہیں جن میں وہ لوگ جو اُس کا اقرار کرتے ہیں اپنے عقائد کو چھپانے کی سخت آزمائش میں پڑتے ہیں۔ یوحنّا نے معلوم کیا کہ یہ اثرات اُس زمانے کی سوسائٹی میں ایسے زور آور ہیں کہ نہ وہ نہ اُس کے پیرو اُن کا مقابلہ کر سکینگے۔ اِس لئے اُنہیں اِن دو باتوں میں سے ایک کو پسند کرنا تھا۔ یا تو یہ کہ سوسائٹی سے کنارہ کش ہوں اور اپنے مذہب کو خالص اور ثابت رکھیں یا یہ کہ اُس میں شامل ہوں اور مذہب کو خیرباد کہیں۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ اِن دونوں میں سے کونسا راستہ اختیار کرنا اُن کا فرض تھا۔ برخلاف اِس کے یسُوع سوسائٹی میں برابر ملتا جلتا تھا۔ نہ صرف اپنے عقائد کو چھپانے

کے بغیر۔ بلکہ اُن عقائد کو لوگوں پر ظاہر کرنے کی غرض سے۔ اُسکے مذہبی خیالات اُس کی ذات کے ساتھ مل کر ایسے کامل طور سے ایک ہو گئے تھے۔ اور اُسکے اصول ایسے طاقتور اور زبردست تھے کہ اُس کو اس امر کا کچھ خوف نہیں تھا۔ کہ مبادا کسی صحبت میں بیٹھنے سے وہ خدا کے نام پر گواہی دینے میں کسی طرح کی کوتاہی کر بیٹھے۔ اور اُس نے اپنے پیرؤوں کو بھی وہی قدرت بخشی۔ اُس نے اُن کے دل کو ایسی گرمجوشی سے بھر دیا جس نے اُن پر نئی شراب کا کام کیا۔ وہ دُنیا کے لوگوں کے درمیان شادی کے مہمانوں کی آزاد اور خوش و خرّم وضع کے ساتھ چلتے پھرتے تھے۔ اور اس لئے جہاں کہیں وہ جاتے تھے۔ اُن کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں پر ویسی ہی تاثیر پیدا ہوتی تھی۔ وہ گرمجوشی سے ایسے لبریز تھے۔ کہ یہ زیادہ اغلب تھا۔ کہ وہ دوسروں میں آگ لگائیں بہ نسبت اس کے کہ اُن کا اپنا جوش دُنیوی اثرات سے ٹھنڈا ہو جائے ؂

اس بات سے ہمیں اُن پیچیدہ سوالات کا جو اکثر کئے جاتے ہیں حقیقی جواب حاصل ہوتا ہے کہ کس حد تک خدا کے لوگوں کو سوسائٹی میں شریک ہونا اور اُس کے کاروبار میں حصہ لینا مناسب ہے؟ پہلے دیکھو کہ تمہاری مذہبی زندگی اور اقرار پر اُس کا کیا اثر پڑتا ہے؟ کیا وہ تمہاری شہادت کو خاموش کرتی ہے؟ کیا وہ تمہاری گرمجوشی کو ٹھنڈا کرتی ہے؟ کیا وہ تمہیں بالکل دُنیا دار بنا کر دُعا و عبادت کے ناقابل کر دیتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو تمہیں بپتسمہ دینے والے کے نمونے پر عمل کر کے اُس سے علیحدہ ہو جانا چاہیئے۔ یا ایسی صحبت کی تلاش کرنی چاہیئے۔ جہاں تمہارے اصول سلامت رہیں۔ لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جو دُنیاوی باتوں میں بہت کچھ حصہ لیتے ہیں تو بھی ہر کہیں اپنے مُنجی کے وفادار بندے بنے رہتے ہیں۔ جہاں کہیں وہ

اپنی صورت دکھاتے ہیں۔ لوگ اُن کو مسیحی جانتے اور اُن کی عزّت کرتے ہیں۔ وہ ایسی جگہ کبھی نہ جاتے اگر وہ جانتے کہ وہاں وہ اُن مضامین پر جو اُن کو دل سے عزیز ہیں آزادانہ بات چیت نہیں کر سکینگے۔ مسیح کی قوّت اُن کے اندر ایک ایسی تیز اور فتحمند طاقت کی مانند ہے۔ کہ وہ بجائے اِس کے کہ اُس سے ڈھالے جائیں۔ وہ سوسائٹی کو اپنی صورت پر ڈھال لیتے ہیں۔ گو اس قدرت کا حاصل کرنا مشکل معلوم ہو۔ مگر اس میں کچھ شبہ نہیں کہ۔ دُنیا کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ مسیح کے پیروؤں کے شایاں اور خود اُس کے نمونے کے مطابق ہے ؂

۲

اُوپر بیان ہوا کہ ہم اناجیل میں اُس کے ضیافتیں کھانے کا ذکر پڑھتے ہیں۔ اُس کے چلن کا یہ حصّہ بھی باقی حصّوں کے ساتھ پوری مناسبت رکھنے کے سبب بالکل متّحد ہے۔ کیونکہ اُس نے کبھی کوئی کام نہیں کیا۔ جو خواہ کیسا ہی چھوٹا معلوم کیوں نہ ہو۔ جو اُس عظیم رسالت سے جسکے لئے وہ اس دُنیا میں آیا تھا تعلق نہیں رکھتا تھا۔ وہ رسالت یہ تھی کہ آسمان کی محبّت کو ظاہر کرے اور زمین پر محبّت کو جگائے اور بڑھائے۔ اُس کی زندگی کا یہ مقصد تھا کہ انسان کی محبّت کو خدا کی طرف اور انسان کی طرف زیادہ کردے۔ اور ہر ایک چیز جو ان مقاصد کے حصول میں مدد دے سکتی تھی اُس کی نظر میں گراں قدر تھی ؂

اُس نے مہماں نوازی کی ترغیب دی۔ اس لئے کہ وہ اُن مقاصد میں سے ایک مقصد کو ترقّی دیتی ہے۔ وہ اُن رکاوٹوں کو دور کرنے میں جو لوگوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں۔ مدد دیتی ہے۔ اور

اُن کو خیر خواہی کے بندوں میں باہم جکڑ دیتی ہیں۔ جب آدمی ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ تو غلط فہمیاں اور غلط خیالیاں جن سے جُدائی پیدا ہوئی تھی۔ ایک دوسرے سے زیادہ واقفیت حاصل کرنے سے زائل ہو جاتی ہیں۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ ہم ایک شخص کے ساتھ جس کی نسبت ہمارے دل میں کچھ تعصّب پیدا ہو رہا تھا۔ پہلی دفعہ گفتگو کرنے کے ساتھ ہی اقرار کرتے ہیں۔ کہ فی الجملہ وہ کچھ بُرا آدمی نہیں۔ اور کئی دفعہ ایک شخص سے جس کو ہم پہلے مغرور یا ظاہر دار یا کم ظرف خیال کرتے تھے۔ ایک دوستانہ ملاقات کے بعد اُس کی خوبیوں پر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ ہمارے شبہات و تنفّرات فاصلے پر پیدا ہوتے اور بڑھتے ہیں۔ مگر واقفیت پیدا ہوتے ہی مر جاتے ہیں ❊

یسُوع روزمرّہ کی خوش اخلاقی یا تواضع و تکریم کی باتوں کو حقیر یا ناقابل توجہ نہیں سمجھتا تھا۔ اس سے آدمی آدمی کے درمیان عزّت کا خیال پیدا ہوتا۔ اور ہم ایک دوسرے کو بطور زندہ شخصوں کے سمجھنے لگتے ہیں نہ بطور ایسی اشیا کے جنہیں فراموش کرنے یا پاؤں تلے روند ڈالنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ ایک دفعہ اُس کی ایک گھر میں دعوت ہوئی جہاں میزبان نے اُس کی معمولی تواضع و تکریم بجا لانے میں جس کا مشرقی ممالک میں رواج ہے کوتاہی کی۔ اُس شخص کے دل میں اپنے مہمان کی نسبت کچھ حقیقی عزّت نہیں تھی۔ بلکہ اُس نے اپنی ایک غرض کو پورا کرنے کے لئے اُسے مدعوّ کیا تھا۔ اس دعوت سے اُس کی صرف یہ غرض تھی کہ۔ اُس شخص کو جس کا ملک میں چرچا پھیل رہا تھا۔ اچھی طرح سے ملاحظہ کرے۔ یا یہ کہ ایسے معزّز و ممتاز آدمی کو اپنے گھر بُلا کر اپنی عزّت بڑھائے۔ مگر اس میں وہ اپنی

کچھ کسر شان بھی سمجھتا تھا۔ اور اس لئے اُس نے اُس کی ایسے طور سے خاطر تواضع نہ کی جو وہ اپنے ہم رتبہ مہمان کی کرتا۔ یسوع نے اس بے پروائی کو محسوس کیا اور دستر خوان پر سے اُٹھنے سے پہلے اُس نے شمعون کے دل کی تنگی اور بے محبتی کو فاش کر دیا۔ اُس نے غصے کی آواز میں اُن تمام باتوں کو جو اُس نے اُٹھا رکھی تھیں ایک ایک کرکے گن دیا۔ کیونکہ اُس کو اس محبت سے خالی دعوت سے کچھ لطف حاصل نہ ہوا ؟

برخلاف اس کے جہاں محبت ہوتی تھی وہ اُس کا روکا جانا کبھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ جب ایک دوسرے شمعون کی دعوت پر اس کی شاگرد مریم نے اپنا قیمتی عطر اُس کے سر پر بہا دیا۔ جس سے بعض تنگدل آدمیوں نے اُس کو فضول خرچی کے لئے ملامت کی۔ تو یسوع نے ان غریبوں کے بناوٹی حمائتیوں کے خلاف اُس کی طرفداری کی۔ اور اس بات پر زور دیا کہ محبت کو اپنی دلی خواہش پوری کرنے دو ؟

لیکن جہاں محبت کے سوا کوئی اور غرض اُس کی تہ میں ہو تو اس سے مہمانداری کی پاک رسم کی بے عزتی ہوتی ہے۔ یسوع نے اُن لوگوں کو قابلِ سزا ٹھہرایا جو صرف اُنہی مہمانوں کی مہمانداری کرتے ہیں۔ جن سے اُن کو عوض ملنے کی اُمید ہوتی ہے۔ اور اس طور سے اُس کو ذلیل کرکے ایک طرح کی سوداگری بنا لیتے ہیں۔ اگر کوئی مہمانداری کو ذاتی نمائش کی غرض سے استعمال کرے تو یہ بھی کمینہ پن ہے۔ بھاری تکلفات بھی حقیقی مہمانداری کے دشمن ہیں۔ اُن سے اُس کا دائرۂ عمل محدود ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایک بڑا دولتمند بھی ایسی فضول خرچی کبھی کبھی کر سکتا ہے اور کم مایہ لوگ تو سوائے اپنے کو برباد کرنے کے ایسا کرنے کا حوصلہ بھی نہیں کر سکتے۔ زمانۂ حال میں

یہ خرابی بہت کچھ ترقی پر ہے۔ اُس روپے سے جو ایک تھکا دینے والی ضیافت پر خرچ کیا جاتا ہے۔ کم سے کم آدھی درجن سادہ اور واجبی ضیافتیں مہیا ہو سکتیں۔ اور اس طور سے مہمانداری کا دائرۂ عمل وسیع ہو جاتا۔ بجائے دولتمندوں کا پیٹ بھرنے کے جن کے پاس پہلے ہی بہت کچھ ہے مقدور والے لوگوں کو چاہئے کہ کبھی کبھی اُن لوگوں پر بھی جو اُن سے کم عمر اور کم حیثیت ہوں اپنا دروازہ کھول دیا کریں۔ اس طور سے والدین بھی اکثر اپنے دسترخوان پر اپنی اولاد کے فائدے کے لئے لائق اور قابل قدر اشخاص کی صحبت مہیا کر سکتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ اُن کو اپنا فارغ وقت سیر و تماشا میں گزارنے کے لئے پبلک مقامات ڈھونڈنے پر مجبور کریں۔ مسیحی مذہب کی موجودہ کارکن جماعتوں کے علاوہ ابھی ایک ایسا مشن کھولنا باقی ہے۔ جو دوستانہ محبّت اور میل جول کے جلسوں کو ترقی دے +

۳

اگرچہ یسوع کا اِن دعوتوں کے قبول کرنے سے ایک یہ مقصد بھی تھا کہ مہمان نوازی اور اُس کے ذریعے سے محبّت کو ترقی دے۔ مگر وہ اِس سے ایک اعلےٰ تر مقصد کو بھی پورا کرتا تھا۔ جب وہ زکی کے گھر پر کھانا کھانے گیا تو اُس نے فرمایا کہ "آج اس گھر میں نجات آئی"۔ اور اسی طرح اور گھروں میں بھی جن میں وہ داخل ہوتا تھا نجات آتی تھی۔ مہمانداری میں گفتگو کے لئے بے مثل موقعے ملتے ہیں۔ یسوع ان موقعوں کو ابدی زندگی کی باتیں بتانے کے لئے استعمال کرتا تھا۔ اگر تم بڑی توجہ سے اُس کی باتوں پر نظر کرو۔ تو تم یہ دیکھکر متحیر ہو گے کہ اُن میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو اُس نے دسترخوان پر کہیں۔ اُس کے بعض نہایت

بیش قیمت اقوال جواب اُس کے مذہب میں تکیۂ کلام کے طور پر ہیں اِنہیں عام موقعوں پر کہے گئے تھے مثلاً یہ کہ " وہ جو تندرست ہیں حکیم کے محتاج نہیں بلکہ وہ جو بیمار ہیں " " ابنِ آدم اس لئے آیا ہے کہ کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈے اور بچائے " - اور نیز اسی قسم کے اور بہت سے اقوال ؛

یہ ایک عمدہ مثال اس امر کی ہے - کہ کس طرح یسوع زندگی کو توقیر بخشتا تھا - اور اُس کے اُن حصّوں میں نیکی کرنے کے عمدہ موقعے نکال لیتا تھا جن کو اکثر صرف تضیعِ اوقات سمجھا جاتا ہے - دسترخوان کی گفتگو اور ہنسی مذاق ایک پھندا ہیں - شیریں گفتار لوگ اکثر اپنی اس قابلیت کو اپنی بربادی اور دوسروں کے نقصان کے لئے استعمال کرتے ہیں - یا ماہرِ شاطر کے جلسے بہتوں کی بربادی کا باعث ہوتے ہیں - بلکہ جہاں کہیں اس قسم کے جلسوں کو آزمائش کے درجے تک گرنے نہیں دیتے وہاں بھی اکثر دسترخوان پر کی گفتگو بیہودگی اور ہزل سے خالی نہیں ہوتی - دوستوں کی ملاقاتیں جن سے خیالات کی ترقّی اور شریف ارادوں کی تحریک ہونی چاہئے - ایسی بیچارگی معلوم ہونے لگتی ہیں کہ اُس سے کچھ بھی لطف نہیں آتا - لوگوں میں یہ صفت شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہے - کہ گفتگو کو گڑھے میں سے نکال کے مردانہ اور فائدہ مند معاملات کی طرف لے جا سکیں ؛

البتہ خدا کے بندے ایسے بھی ہوئے ہیں جو اس امر میں بھی اپنے آقا کے نقشِ قدم پر چلے ہیں - اُنہوں نے گفتگو کو ایک فرحت انگیز اور نفع بخش فن بنا دیا اور دوستانہ ملاقاتوں میں اُن کی صحبت خوبی اور سچائی کے بارے میں بجائے خود ایک درسگاہ کا کام دیتی تھی - والدین اپنے

بچّوں کی اس سے بہتر خدمت نہیں کر سکتے کہ اپنے گھر کو دانا اور نیک لوگوں کی گزرگاہ بنادیں۔ تاکہ بچّے اپنی تیز قوّتِ مشاہدہ سے شریف مردوں اور شریف عورتوں کے نمونے سے بہرہ ور ہوسکیں عبرانیوں کے نام کے خط میں لکھا ہے کہ "مسافر پروری کو مت بھولو۔ کیونکہ اُسی سے کتنوں نے بِن جانے فرشتوں کی مہمانی کی ہے"۔ ایک دانا مفسّر اس آیت کی یوں تفسیر کرتا ہے کہ مہمانداری کرنے سے۔ یعنی اُن لوگوں سے جو ابھی تک بہت سی باتوں میں ہم سے اجنبی ہیں۔ ہمدردی اور دلی شوق کے ساتھ برتاؤ کرنا۔ محبّت سے پیش آنا۔ اور جب کبھی ایسے حالات پیش آئیں اور موقعے ملیں۔ اُن کے لئے اپنے گھر کا دروازہ کھول دینا۔ ہوسکتا ہے۔ کہ ایسا کرنے سے ہمیں بھی فرشتوں کی مہمانی کا موقع ملے۔ یعنی ایسے آدمیوں کی۔ جن کو ہمیں خدا کی طرف سے ہمارے پاس بھیجے ہوئے قاصد یا عالم عقل و خیالات سے آتے ہوئے پیغمبر سمجھنا چاہیئے۔ اور جن کا ہمارے گھر میں اُترنا۔ جن کی گفتگو۔ جن کی تاثیر۔ ہماری رُوحوں پر ایک ایسی برکت لاسکتی ہے۔ جو اُس تمام خدمت و تواضع سے جو ہم اُن کی کرسکتے ہیں بدرجہا بڑھکر ہے +

۴

ہم اس وقت تک اپنے خداوند کو دوسروں کے مہمان بننے کی حیثیت میں دیکھتے رہے ہیں۔ مگر اناجیل میں وہ ہمارے سامنے بطور مہماندار کے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ البتہ یسوع کے پاس کبھی اپنا گھر نہیں تھا جس میں وہ اَور لوگوں کی دعوت کرتا۔ لیکن دو موقعوں پر جب اُس نے پانچ ہزار اور چار ہزار کو کھانا کھلایا تو اُس نے بڑی بھاری مہمانداری کی +

اُس وقت بھی اس حیثیت میں جو کچھ اُس نے کیا بالکل اُس کی فطرت کے

مطابق تھا۔ کیونکہ اُس سے یہ ظاہر ہوا کہ وہ انسان کی معمولی ضروریات کا بھی خیال رکھتا ہے۔ اگرچہ وہ روحانی تھا۔ اور رُوح کی نجات ہر وقت اُس کے مدِ نظر رہتی تھی تو بھی اُس نے کبھی جسم کی کم قدری یا اُس سے بے پروائی نہیں کی۔ برخلاف اس کے اُس نے اُس پر اُس کے خالق کی مُہر اور عزت کو پہچان لیا۔ اور وہ بخوبی جانتا تھا کہ اکثر اوقات صرف جسم کے وسیلے سے رُوح تک پہنچ سکتے ہیں۔ اُس کے مہمانوں کی بڑی تعداد بلاشبہ غریب لوگ تھے۔ اور اُس کے فیّاض دل کو یہ بھلا معلوم ہوا کہ اُن پر کچھ احسان کرے البتہ یہ ایک سادہ قسم کا کھانا تھا جو اُس نے اُن کو دیا۔ دسترخوان زمین تھی۔ میز پوش کی جگہ سبز گھاس تھا۔ اور مقامِ دعوت پر آسمان کا نیلگوں شامیانہ تن رہا تھا۔ مگر اُس کے مہمانوں کو ایسا لُطف پہلے کسی کھانے سے حاصل نہ ہوا ہوگا۔ کیونکہ یہ دسترخوان محبت سے بچھایا گیا تھا۔ اور یہ محبت ہی ہے جو مہمانی کو شیریں کرتی ہے ✦

جب ہم اُس کے چہرے پر جو اُس بڑی جماعت کو دیکھکر سچّی خوشی سے درخشاں تھا۔ نظر کرتے ہیں تو خواہ مخواہ اُس کے اس قسم کے الفاظ کا خیال آتا ہے "میں زندگی کی روٹی ہوں"۔ "روٹی جو میں دونگا۔ میرا گوشت ہے جو میں جہان کی زندگی کے لئے دونگا" اپنی تعلیم میں وہ انجیل کو ضیافت کے جلسے سے تشبیہ دیتا ہے۔ جس میں وہ خود ایک شاہی میزبان کی دلکش رُوح و مزاج میں تمام بنی آدم کی دعوت کرتا ہے ✦

مگر یہ بات کہ اس قسم کا مزاج بالکل اُس کا خاصہ تھا اس امر سے زیادہ تر واضح ہوتا ہے کہ وہ یادگار جس کے ذریعے سے اُس نے تمام

[1] یعنی جَو کی روٹیاں جو غریبوں کی خوراک ہے ✦

پشتوں میں یاد کیا جانا پسند فرمایا ایک ضیافت ہے۔ ممکن تھا کہ وہ اور سینکڑوں چیزوں میں سے جو یادگار کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں کسی دوسرے کو چن لیتا۔ مثلاً وہ اپنے پیروؤں کے لئے ایک خاص موسمی روزہ مقرر کر سکتا تھا۔ لیکن یہ اُس کے لئے ایک بالکل نامناسب یادگار ہوتا۔ کیونکہ وہ خود افراط۔ شادمانی اور اتحاد کی انجیل ہے۔ اُس نے وہی چیز چُنی جو ٹھیک اُس کی حالت کے مناسب اور پُر معنی تھی۔ اور اس طرح تمام زمانوں میں مُنجی اپنے ہی دسترخوان کی صدر جگہ پر میزبان کی حیثیت میں بیٹھتا ہے اُس کا چہرہ رضامندی سے منوّر اور اُس کا دل فیاضی سے لبریز ہوتا ہے۔ اور اُس کے اُوپر اُس دیوار پر جو اُس کے پیچھے ہے۔ یہ الفاظ لکھے نظر آتے ہیں۔ "یہ آدمی گنہگاروں کو قبول کرتا اور اُن کے ساتھ کھاتا ہے"۔

مسیح کا نمونہ دُعا کرنے میں

متی ۱۱: ۲۵ و ۲۶
" ۱۴: ۱۹
" ۱۹: ۱۳
" ۲۱: ۱۲ و ۱۳
" ۲۶: ۵۳
لوقا ۹: ۱۸
" ۱۱: ۱
یوحنا ۶: ۲۳
" ۱۴: ۱۶ و ۱۷
" ۱۷ باب

متی ۱۴: ۲۳
مرقس ۱: ۳۵
" ۱۴: ۲۲ و ۲۳
لوقا ۵: ۱۶

متی ۲۶: ۳۶ - ۴۴
لوقا ۶: ۱۲ و ۱۳

لوقا ۳: ۲۱ و ۲۲
" ۹: ۲۸ و ۲۹
یوحنا ۱۱: ۴۱ و ۴۲

ساتواں باب

مسیح کا نمونہ دُعا کرنے میں

۱

یقیناً یسوع کی دُعاؤں میں ایک راز ہے۔ اگر جیسا کہ ہمیں یقین ہے وہ خدا سے کم نہ تھا تو کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا خدا سے دُعا مانگے؟ یا اُس کی طبیعت میں کونسی ایسی حاجت واقع ہو سکتی ہے جس کے پورا کرنے کے لئے اُسے دُعا مانگنے کی ضرورت پڑے۔

اس سوال کا کچھ تو یہ جواب ہے کہ تمام دُعا ایسی درخواستوں پر مشتمل نہیں ہوتی جو حاجت کے خیال سے پیدا ہوں۔ عموماً لوگ دُعا کا اس طور پر ذکر کرتے ہیں۔ خاص کر وہ جو اُس کی ہستی اُڑانا چاہتے ہیں کہ سوائے اس کے کہ وہ درخواستوں کا ایک سلسلہ ہے جو خدا سے کی جاتی ہیں اور کچھ نہیں۔ مثلاً اچھے موسم کے لئے۔ رفعِ بیماری کے لئے یا کسی اور طریق سے ہمارے بیرونی حالات کو ہماری خواہشوں کے مطابق بدل ڈالنے کے لئے لیکن وہ لوگ جو دُعا کے عادی ہیں دُعا کا ایسے طور پر ذکر نہیں کرتے ہیں کہہ سکتا

ہوں کہ اُن لوگوں کی دُعاؤں میں جو بہت اور بہترین دُعا مانگنے والے ہیں ایسی درخواستیں بہت تھوڑی جگہ پاتے ہیں۔ دُعا زیادہ تر رُوح کی معموری ظاہر کرتی ہے۔ نہ اُس کا خالی ہونا۔ یا یوں کہو کہ وہ پیالے کا چھلکنا ہے۔ اگر ایسا کہنا جائز ہو۔ تو میں کہونگا کہ۔ دُعا اپنی بہترین صورت میں خدا کے ساتھ گفتگو کرنا ہے۔ جیسے ایک بچہ اعتماد کے ساتھ اپنی ہر ایک بات کا اپنے باپ کو رازدار بناتا ہے۔ اس کی نہایت عمدہ مثال ہم کو مقدس اگسٹین کے اقرارات میں ملتی ہے۔ یہ گرانقدر کتاب شروع سے لیکر آخر تک دُعا کی صورت میں ہے۔ تاہم اُس میں مصنف کی زندگی کے حالات کا بیان اور اُسکے نہایت عظیم و اہم خیالات کی تشریح درج ہے۔ جس سے صاف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مردِ خدا نہایت عمیق مسائل میں اس طرح پر غور و فکر کرنے کا عادی تھا گویا کہ وہ خدا سے بات چیت کرتا ہے۔

اگر دُعا اسی کا نام ہے تو اس بات کو سمجھنا مشکل نہیں کہ کس طرح ازلی بیٹا اپنے ازلی باپ سے دُعا مانگتا ہوگا۔ فی الحقیقت یہ بات بہ آسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ۔ ان معنوں میں وہ ہمیشہ بلا توقف دُعا مانگتا ہوگا۔

مگر صرف اتنی بات سے ہی یسوع کی دُعاؤں کا راز پورے اور صاف طور پر نہیں کھلتا۔ کیونکہ اُن میں سے بہت سی ایسی ہیں جن سے بلاشبہ حاجت کا خیال ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً رسول نے لکھا ہے کہ "اُس نے اپنے مجسم ہونے کے دنوں میں بہت رو رو آنسو بہا بہا کے اُس سے جو اُسکو موت سے بچا سکتا تھا دُعائیں اور منتیں کیں۔ اور اُسکے تقوے کے سبب سے اُس کی سُنی گئی"۔ (عبرانیوں ۵: ۷) بھلا اس طرح کے بیان کی کیا شرح ہو سکتی ہے؟ میرے خیال میں اس کی صرف ایک ہی شرح ہے۔ یعنی یہ کہ وہ حقیقی انسان تھا۔

ہم صرف اسی سچائی کو اُس کے پورے معنوں کے مطابق قبول کرنے سے اُس کی زندگی کے اس پہلو کو سمجھ سکتے ہیں۔ مسیح نیم خدا اور نیم انسان نہیں بلکہ کامل خدا اور کامل انسان تھا۔ اس کے متعلق بہت سی باتیں اور خود اُس کے اپنے اقوال اسی قسم کے ہیں کہ جب تک ہم اُس کو مطلق خدا نہ مانیں اُن کی قابلِ اطمینان طور پر شرح نہیں کر سکتے۔ گو ہمیں اس قسم کے اقرار میں تامل ہو۔ مگر یہ واقعات سوائے اس کے کہ ہم اُن سے پہلوتہی کریں ہم کو ایسے اقرار پر مجبور کرینگے۔ برخلاف اس کے اُس کے متعلق اور باتیں ایسی ہیں جو ہم کو مجبور کرتی ہیں کہ اس لفظ کے پورے معنوں کے مطابق اُس کو انسان کہیں۔ اور اگر ہم اس سچائی کو بھی اُس کی کامل صورت اور تمام نتائج کے لحاظ سے قبول نہ کریں تو اُس کی عزت نہیں بلکہ بے عزتی کرتے ہیں ؛

تو اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دُعا مانگتا تھا۔ اس لئے کہ وہ انسان تھا۔ انسانیت اپنی بہترین صورت میں بھی کمزور اور محتاج ہے۔ وہ کبھی اپنے آپ میں قائم اور کافی نہیں ہو سکتی۔ خود یسوع میں بھی یہ انسانیت اپنی ذات میں کافی نہیں تھی بلکہ اپنی زندگی کی ہر ایک گھڑی میں اُس کا انحصار خدا پر تھا۔ اور یسوع اپنے اس انحصار کے خیال کو دُعا کے ذریعے سے ظاہر کرتا تھا۔ کیا یہ خیال اُس کو ہم سے بہت قریب نہیں کر دیتا؟ سچ مچ وہ ہمارا بھائی ہے۔ وہ ہماری ہڈی میں سے ہڈی اور گوشت میں سے گوشت ہے ؛

لیکن اس سے ایک اَور سبق بھی حاصل ہوتا ہے جو بہت گراں ہے۔ اگرچہ یسوع انسان تھا مگر وہ گناہ سے پاک انسان تھا۔ نشوونما کے ہر ایک درجے میں اُس کی انسانیت کامل تھی۔ اُس نے ماضی میں کوئی گناہ نہ کیا تھا

جو حال کے جد وجہد کے زور کو کمزور کردے۔ تو بھی وہ دُعا کرنے کا حاجتمند تھا اور وہ ہمیشہ اُس کی طرف رجوع کرتا تھا۔ دیکھو اس سے ہماری حاجتمندی کس قدر عیاں ہے۔ جب کہ وہ ویسا ہوکر ہر وقت دُعا کا محتاج تھا۔ تو ہم ایسے ہوکر کس قدر زیادہ اُس کے محتاج نہ ہوں ؛

۲

دُعا کی زندگی ایک باطنی زندگی ہے۔ اور ہر ایک شخص جو درحقیقت دُعا کو پیار کرتا ہے اُس کی بابت ایسی عادتیں رکھتا ہے جو خود اُسی کو معلوم ہیں۔ یسوع کے شغلِ دُعا کا بہت سا حصّہ ضرور ہے کہ خود اُسکے شاگردوں کی نظر سے بھی اوجھل رہا ہو۔ اور اس لئے اناجیل میں اُس کا کچھ ذکر نہیں۔ مگر اُن میں اُس کی بعض عادات کا ذکر ہے جو نہایت دلچسپ اور تعلیم بخش ہیں ؛

جب کبھی اُسے دُعا کرنی ہوتی تو اُس کا یہ دستور تھا کہ گھر اور شہر سے نکل کر باہر تنہا اور سنسان جگہوں میں چلا جاتا۔ چنانچہ ہم پڑھتے ہیں کہ "بڑے تڑکے کچھ رات رہتے وہ اُٹھ کے نکلا اور ایک ویران جگہ میں جا کے دُعا مانگی" (مرقس ۱: ۳۵)۔ پھر ایک اَور موقع پر لکھا ہے کہ "وہ بیابان میں الگ جا کے رہا اور دُعا مانگتا تھا" (لوقا ۵: ۱۶)۔ معلوم ہوتا ہے کہ دُعا مانگنے کے لئے وہ خاص کر پہاڑی مقامات کو بہت پسند کرتا تھا۔ جہاں کہیں اناجیل میں یہ لکھا ہے کہ "وہ پہاڑ پر دُعا مانگنے گیا" تو مفسّرین اُس نواحی پر غور کرکے جہاں وہ اُس وقت ٹھیرا ہوا تھا اس امر کے دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ کونسا پہاڑ تھا جس پر وہ اس مطلب کے لئے چڑھا۔ مگر میرے نزدیک وہ اس امر میں غلطی پر ہیں۔ کیونکہ ملک کنعان

میں پہاڑ ہر کہیں موجود ہیں۔ شہر سے ایک دو میل باہر جاؤ اور پہاڑ موجود۔ صرف گھر سے نکلنا اور چند ایکڑ مزروعہ زمین کا طے کرنا کافی ہے اور تمہارے پاؤں ایک سرسبز مرغزار میں جا پہنچتے ہیں جہاں تم بالکل تنہا ہو سکتے ہو۔ یسوع نے بھی ایک طرح سے یہ امر دریافت کر لیا تھا کہ وہ اس قسم کی تنہائی پا سکتا ہے۔ اور جب کسی شہر میں پہنچتا تو اُس کا پہلا خیال یہ ہوتا ہوگا کہ پہاڑ کی سب سے قریب سڑک کونسی ہے۔ جیسا کہ عام سیاحوں کو نئے شہر میں پہنچکر نہایت مشہور و معروف نظارے اور عمدہ سرائے دریافت کرنے کی جستجو ہوتی ہے ◆

جیسے مکان کی تنہائی ہوتی ہے ویسے ہی زمان کی تنہائی بھی ہوتی ہے۔ جو نسبت پہاڑ اور ویرانے شہر اور قصبوں سے رکھتے ہیں وہی نسبت رات اور فجر کے وقت دوپہر اور غروب آفتاب کے وقت سے رکھتے ہیں۔ یسوع دُعا کے لئے اس تنہائی میں بھی جایا کرتا تھا۔ ہم اُس کی بابت سُنتے ہیں کہ "اُس نے تمام رات خدا سے دُعا مانگنے میں بتائی" اور پھر لکھا ہے کہ "وہ بہت تڑکے اُٹھا اور ایک ویران جگہ میں دُعا مانگنے گیا" ◆

شائد کچھ تو اس کی وجہ یہ ہوگی[ا] کہ مفلسی کے سبب اُن گھروں میں جہاں وہ اُترتا تھا بآسانی تنہا جگہ نہیں پا سکتا تھا۔ اُس کے اس نمونے سے ایسے شخصوں کے لئے ایک خاص نصیحت نکلتی ہے جو اپنی ظاہری تنگ حالی کے سبب اسی مشکل میں گرفتار ہیں۔ مگر یہ ایک ایسی دریافت

[ا] ہم میں سے بہت ایسے ہیں جو اپنے گھروں میں تنہا ہو سکتے ہیں۔ یسوع کو ایسوں ہی کا خیال تھا جب اُس نے کہا "جب تو دُعا مانگے اپنی کوٹھری میں جا اور اپنا دروازہ بند کر کے اپنے باپ سے جو پوشیدگی میں ہے دُعا مانگ"۔ (متی ۶: ۶)۔ اصل بات یہ ہے کہ دُنیا کو دل سے الگ کر کے

ہے جس سے ہم سب بے نہایت فائدہ اٹھا سکتے ہیں بشرطیکہ ہم اس بات کو تحقیق کریں کہ قدرتی گوشۂ تنہائی میں پہنچنا کیسا آسان ہے۔ شائد ہی کوئی ایسا شہر ہوگا جس میں سے چند ایک منٹ میں باہر جاکر تم اپنے کو بالکل تنہا نہ کر سکو۔ خواہ دریا کے کنارے پر یا پہاڑ پر یا چراگاہ میں یا جنگل میں۔ شہر کا تمام شور و غوغا اور اس کی تمام منقیدّ جماعتیں جو اس کی مشقتوں یا تفریحوں کی پاؤں چکی سے جکڑی ہوئی ہیں کیسی ہی قریب کیوں نہ ہوں۔ مگر تم اس حالت میں اس سے باہر اور اکیلے خدا کے ساتھ ہو۔

یہ صرف تنہائی نہیں بلکہ کچھ اور چیز بھی ہے جو ایسے مقام میں دعا کی معاون ہوتی ہے۔ خود قدرت ایسی تاثیر ڈالتی ہے جس سے دل کو تسکین ملتی اور اس کو عبادت پر آمادہ کرتی ہے۔ میرے دل پر اس بات نے کہ یسوع نے اس عادت میں زندگی کے ایک بڑے راز کو افشا کر دیا ہے کبھی اس قدر پُرزور اثر نہیں کیا تھا جیسا اس دن جبکہ میں تن تنہا ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور اس کی چوٹی پر لیٹے ہوئے صبح کے چند گھنٹے محویت کے عالم میں صرف کئے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰۷) خدا کے ساتھ تنہا ہوں۔ اسی وجہ سے ہم دعا مانگتے وقت آنکھیں بند کر لیتے ہیں تاکہ ہماری توجہ تمام بیرونی نظاروں اور آوازوں سے ہٹ کر باطنی رویت اور آوازوں پر جم جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم باطنی عالم سے ایسے مانوس ہو جائیں کہ ہماری یہ عادت پڑ جائے کہ جب کبھی چاہیں خواہ کوئی وقت اور کیسی حالت کیوں نہ ہو اپنے آپ کو اس دنیا میں منتقل کر دیں۔ گلوں کی آوازگی کے شور و غوغا بلکہ گفتگو کے اثنا میں بھی ہم ذہنی طور پر زمانے کی حدوں کو توڑ کر غائب ہو جا سکتے اور لمحہ بھر کے لئے ابدیت میں خدا کے رو در رو کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اور تھوڑی دعائیں ایسی قیمتی ہیں جیسی کہ وہ دعائیہ آوازیں جو روزانہ کاروبار کے اثنا میں کبھی کبھی خود بخود ہمارے دل سے نکلتی ہیں۔ جس شخص میں یہ عادت پیدا ہو گئی وہ گویا ایک برج مستحکم کا مالک ہے۔ جس میں وہ ہر ضرورت کے وقت پناہ لے سکتا ہے۔

چاروں طرف کوہ و میدان پر ایک تنہائی کا عالم چھایا ہوا تھا۔ نیچے ایک جھیل سورج کی کرنوں کے سبب نقرئی ڈھال کی مانند درخشاں تھی۔ دامن کوہ میں شہر نظر آتا تھا اور لوگ گلیوں میں اِدھر اُدھر پھرتے دکھائی دیتے تھے۔ مگر شور و غوغا کی کوئی آواز وہاں تک نہیں پہنچتی تھی۔ آسمان کا شامیانہ سر پر کھچا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا خدا پاس ہی کھڑا ہوا ہماری ہر ایک بات سُننے کا منتظر ہے۔ ایسے ہی مقامات تھے جن میں یسوع دُعا مانگا کرتا تھا۔

مگر وہ نہ صرف تنہائی میں بلکہ جماعت میں بھی دُعا مانگتا تھا۔ ہم بار بار اُسکی نسبت سُنتے ہیں کہ وہ اپنے دو یا تین شاگردوں کو الگ لے گیا اور اُنکے ہمراہ دُعا مانگی۔ اور بعض اوقات یہ کہ۔ اُس نے سب کے ہمراہ دُعا مانگی۔ بارہ شاگرد ایک طرح سے اُس کا کنبہ تھے۔ اور وہ بڑی کوشش سے اُن کے ساتھ خانگی عبادت کو ادا کیا کرتا تھا۔ وہ مل کر دُعا مانگنے کی قدر و خوبی کا بھی ذکر کرتا ہے "اگر تم میں سے دو شخص زمین پر کسی بات کے لئے میل کر کے دُعا مانگیں وہ میرے باپ کی طرف سے جو آسمان پر ہے اُن کے لئے ہوگی" (متی ۱۸: ۱۹)۔ مل کے دُعا مانگنے سے رُوح پر بہت کچھ اُسی قسم کا اثر پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ گفتگو سے دل پر۔ بہت لوگوں کے ذہن کی حرکات جب وہ تنہا ہوں بہت سست ہوتی ہیں۔ اور اُن کے دماغ میں بہت کم خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن جب وہ دوسرے شخص سے ملتے اور گفتگو میں گویا اُس سے ٹکراتے ہیں تو اُن کی صورت بدل جاتی ہے۔ وہ چالاک اور دلیر ہو جاتے وہ افروختہ[1] اور منور ہوتے۔ اور اپنے اندر سے ایسے ایسے خیالات نکالتے

[1] لارڈ بیکن دوستی کے مضمون میں لکھتے ہیں۔ یہ تحقیق ہے کہ جس کسی کے دل میں بہت سے خیال بھرے ہوں۔ اُس کی فراست و دانش زیادہ صاف اور شگفتہ ہو جاتی ہے۔ جب وہ دوسرے شخص پر اُن کو ظاہر

جن کو دیکھ کر وہ خود بھی متعجب ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب دو یا تین اکٹھے ہوتے ہیں تو ایک کی دُعا کی ضرب دوسرے کی رُوح سے شعلہ پیدا کرتی ہے۔ اور پھر یہ اُس کے عوض رُوحانیت کی اعلیٰ بلندیوں پر دوسرے کی رہنمائی کرتا ہے۔ اور دیکھو جوں جوں اس طور پر اُن کی خوشی بڑھتی ہے اُن کے درمیان ایک شخص آموجود ہوتا ہے جس کو سب پہچانتے اور لپٹتے ہیں۔ وہ پہلے بھی وہاں موجود تھا۔ لیکن صرف اُس وقت جبکہ اُن کے دل مشتعل ہونے لگتے ہیں۔ وہ اُس کو پہچانتے ہیں۔ اور ایک طرح سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ سچ مچ اپنی کوشش سے اُس کو وہاں کھینچ لاتے ہیں "جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہوں میں بھی اُن کے درمیان ہونگا"۔

۳

ایسے موقعے جن پر دُعا کی ضرورت پڑتی ہے بیشمار ہیں اور اُنکو گننے کی کوشش کرنا عبث ہے۔ یسوع کو ہماری طرح بلاشبہ ہر روز دُعا کے لئے نئی نئی وجوہات ملتی ہونگی۔ مگر بعض موقعے جن پر اُس نے دُعا کی خصوصاً تعلیم بخش ہیں +

(۱) ہم دیکھتے ہیں کہ جب کبھی زندگی میں کوئی عظیم کام شروع کرنا ہوتا۔ تو وہ خاص طور سے دُعا میں مشغول ہوتا تھا۔ اُسکی زندگی کا ایک نہایت عظیم موقع وہ تھا جبکہ اُس نے اپنے شاگردوں میں سے بارہ کو منتخب کرکے اپنا رسول ٹھہرایا۔

(بقیہ صفحہ ۱۰۹) کرتا ہے اور اُنکی بابت گفتگو کرتا ہے۔ وہ اپنے خیالات کو زیادہ آسانی سے اچھالتا ہے۔ زیادہ درستی کے ساتھ اُن کی صفیں باندھتا ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ لفظوں میں ادا کرنے سے وہ کیسے نظر آتے ہیں۔ غرضکہ وہ اپنی پہلی حالت کی نسبت زیادہ دانا ہوتا جاتا ہے۔ اور بہ نسبت دن بھر کے غور و فکر کے ایک گھنٹے کی گفتگو سے زیادہ تر فائدہ حاصل کرتا ہے +

یہ ایک ایسا کام تھا جس پر مسیحی مذہب کی تمام آئندہ حالت منحصر تھی۔ اور دیکھو اس سے پہلے اُس نے کیا کیا؟ "اُن دنوں میں ایسا ہوا کہ وہ پہاڑ پر دُعا مانگنے کو گیا اور خدا سے دُعا مانگنے میں رات بتائی۔ اور جب دن ہوا اُس نے اپنے شاگردوں کو پاس بُلا کے اُن میں سے بارہ کو چُنا اور اُن کا نام رسول رکھا" (لوقا ۶: ۱۲ و ۱۳)۔ یہ رات بھر کی دُعا و بیداری کے بعد تھا کہ اُس نے وہ انتخاب کا کام کیا جو اُس کے اور اُن کے اور تمام دُنیا کے لئے ایسا عظیم تھا۔ پھر ایک اور دن تھا جس کی بابت ہم پڑھتے ہیں کہ اُس نے ایسی ہی تیاری کی۔ یہ وہ موقع تھا جبکہ اُس نے پہلی دفعہ اپنے شاگردوں کو خبر دی کہ وہ دُکھ اُٹھائیگا اور مارا جائیگا۔

پس اس سے ظاہر ہے کہ جب کبھی یسوع کو ایک نازک وقت یا مشکل کام آپڑتا۔ تو وہ خاص طور سے دُعا میں مشغول ہوتا۔ اگر ہم بھی اپنی مشکلات کا اسی طریق سے مقابلہ کریں تو کیا وہ بہت کچھ آسان نہیں ہوسکتیں۔ کیا اس سے ہماری چشم دانش کی بینائی میں جس سے ہم ایک مسئلے کی تہ کو پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہاتھ کی طاقت میں جو ہم فرض کے ہتّے پر رکھتے ہیں ایک لامحدود زیادتی نہ ہوجائیگی۔ زندگی کے پہیّے زیادہ صفائی سے حرکت کرینگے اور ہمارے ارادے زیادہ یقینی طور پر اپنے مقاصد تک پہنچینگے۔ اگر ہم ہر صبح کو پہلے ہی سے اپنے روزانہ فرائض پر خدا کے حضور میں کھڑے ہوکر نظر مارلیں۔

[۵۱] حیات مسیح مصنفۂ نکل صاحب میں ایک عمدہ خیال اس امر پر درج ہے۔ یسوع مسیح نہ صرف بڑے اور نازک امور سے پہلے دُعا مانگتا تھا بلکہ اُن کے بعد بھی۔ اس بات سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں اِسکو نظر انداز کرنا آسان تو ہے مگر اُس سے سخت نقصان پیدا ہوتے ہیں۔ جب ہم کوئی بڑا کام بہت سا

(۲) معلوم ہوتا ہے کہ یسوع خاص کر ایسے وقتوں میں دعا میں مشغول ہوتا تھا جبکہ اُس کی زندگی غیر معمولی طور سے کام اور اضطراب سے پُر ہوتی تھی اُس کی زندگی بہت مصروف زندگی تھی۔ قریباً ہر وقت اُس کے پاس بہت لوگ آتے جاتے رہتے تھے۔ بعض اوقات بہت سے امور کا ایسا جمگھٹا ہوجاتا تھا کہ اُسے کھانے کے لئے بھی وقت نہیں ملتا تھا۔ مگر وہ ایسے وقتوں میں بھی دعا کے لئے وقت نکال لیتا تھا۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے اوقات میں وہ معمول کی نسبت دعا پر زیادہ وقت خرچ کرتا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے "لیکن اُس کا زیادہ چرچا پھیلا اور بہت سے لوگ جمع ہوئے کہ اُسکی سُنیں اور اُسکے ہاتھ سے اپنی بیماریوں سے چنگے کئے جائیں۔ پر وہ بیابان میں جاکے رہا اور دعا مانگتا تھا" (لوقا ۵: ۱۵ و ۱۶)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۱) زور و طاقت خرچ کرکے سرانجام کر چکتے ہیں تو ہم کہہ بیٹھا کرتے ہیں کہ ہم نے اپنا حق ادا کر دیا اب ہم اور کچھ نہیں کر سکتے۔ بہت سے آدمی یہ خواہش رکھتے ہیں کہ اُنکی پبلک زندگی کا انجام اور معراج اس طور سے ہو کہ اُن کی کسی بڑی فتحیابی یا کارنامے کے لئے لوگ اُن کے لئے صدائے تحسین و آفرین بلند کریں تاکہ جب وہ کام سے دستکش ہوں تو اُس پر فخر کیا کریں اور اپنی زندگی کے باقی دن اُسی فخر انگیز بات کی یاد میں بسر کریں۔ مگر بہتر یہ ہے کہ ہم دعا مانگیں کہ اگر خدا کی مرضی ہو تو وہ ہم کو نئی طاقت عطا کرے تاکہ ہم نئے امور میں گو وہ کم وقعت ہی کیوں نہ ہوں اُس کو صرف کرتے رہیں۔ اور اگر یہ نہ ہو تو اُن کاموں پر جن کے لئے ہم نے کوشش کی یا جن کو ہم نے سرانجام کیا اُس کی برکت طلب کریں۔ یسوع مسیح نہ تو فخر کرتا تھا اور نہ کام سے دست بردار ہو کر بیٹھ رہتا تھا بلکہ نئی خدمات کے واسطے دعا میں مداومت کرکے اپنے آپ کو تیار و مضبوط کرتا تھا۔ دوسری آزمائش غرور ہے۔ ہم اپنی سلیقہ زندگی کی سادگی اور کم مایگی سے اوپر اُٹھائے جاتے ہیں۔ ہمارے دل پھولنے لگتے ہیں اور ہم خیال کرنے لگتے ہیں کہ ہماری سابقہ زندگی کمینہ اور بے وقعت تھی۔ ہم کبھی خدا سے اتنے دُور نہیں ہوتے جتنے اُس وقت جب ہم

آج کل بہت لوگ ایسے ہیں جو اس اجتماعِ اشغال سے واقف ہیں۔ کثرتِ کاروبار سے اُن کے پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں اور مشکل سے اُنہیں کھانا کھانے کی فرصت ملتی ہے۔ ہم اس بات کو دُعا نہ مانگنے کی ایک وجہ ٹھیراتے ہیں۔ مگر یسوع اس کو دُعا مانگنے کی وجہ ٹھیراتا تھا۔ کیا اس امر میں کہ ان دونوں میں سے کونسا طریق بہتر ہے کچھ شبہ ہو سکتا ہے؟ بہت سے اہل دانش نے بھی اس بارے میں ایسا ہی کیا ہے جیسا یسوع نے۔ جب لوتھر کو بہت کاروبار یا اضطراب انگیز واقعات پیش آتے تو وہ دُعا کے لئے معمول کی نسبت پہلے ہی سے زیادہ وقت ٹھیرالیا کرتا تھا۔ ایک خردمند نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲) غرور کے نشے میں چور ہوں۔ بہت سے فرشتے اپنے دنوں کے غرور میں گر گئے اور ہم بھی اگر اس گناہ سے بچے نہ رہیں تو ضرور گر جائینگے ہمارے اس غرور کو دھیما اور خاموش کرنے کے لئے کوئی چیز ایسی کارگر نہیں جیسی دُعا اپنے باپ کے ساتھ رفاقت رکھنے میں ہمارا غرور سرد اور معدوم ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے کارنمایاں کرنے کے بعد ایسی ہی ایک اور آزمائش ہے جس سے ہم ملول اور افسردہ دل ہو جاتے ہیں۔ جب کوئی کسی کام کے کرنے میں حتّے الوسع اپنی طاقتوں کو لگا دیتا اور اپنی زندگی کا سارا زور خرچ کر دیتا۔ تو بالکل تھکا ہارا ہو جاتا ہے۔ گویا کہ اُس کا کام تمام ہو چکا۔ جن لوگوں نے قدرت کے ساتھ بڑی بڑی جماعتوں کے سامنے وعظ کئے بیان کرتے ہیں کہ دل کے پورے جوش کے اظہار کے بعد ایک خوفناک کاہلی مزاج پر غالب ہو جاتی ہے اور اُس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اُس اعلےٰ جہد میں اُن کی زندگی اُنکے پاس سے چلی گئی اور پھر کبھی واپس نہیں آئیگی۔ یہ ایک طبعی بات ہے۔ اور ہم یسوع مسیح سے سیکھ سکتے ہیں کہ اس کا کس طرح سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ ہم کو دُعا اس امر کے لئے مانگنی چاہئے کہ دُعا اور خدمت کے ذریعے سے ہم یہ محسوس کرنا سیکھیں کہ ہمارے سوتے خدا میں ہیں اور کہ جس نے ہم کو اُس مہم کے لئے مضبوط و مامور کیا۔ جس کی بابت ہمیں خوف ہے کہ دوبارہ کبھی نہیں کر سکینگے۔ وہی اگر اُس کی مرضی ہو تو نئے اور زیادہ اہم کام کے لئے ہماری کمر کو کس سکتا ہے۔

ایک دفعہ کہا کہ میں ایسا مصروف ہوں کہ جلد بازی نہیں کر سکتا۔ جس سے اُس کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ تعجیل کو کام میں لائے تو سب کچھ جو اُسے کرنا ہے نہیں کر سکیگا۔ اس قسم کی یا اطمینان خودداری پیدا کرنے کے لئے دُعا کے برابر اور کوئی چیز نہیں۔ جب کام کی دھول سے تمہارا کمرہ ایسا بھر جائے کہ تمہارا دم گھٹنے لگے تو اُس پر دُعا کا پانی چھڑک دو تب تم اُسکو تسلی اور اطمینان سے صاف کر سکوگے۔

(۳) ہم یسوع کو ایسے موقعے پر بھی جب وہ آزمائش میں داخل ہونے کو ہوتا خاص کر دُعا میں مشغول دیکھتے ہیں۔ اُس کی زندگی بھر میں دُعا کا سب سے بڑا سین (نظّارہ) بلاشُبہ گتسمنی ہے۔ جب ہم اُس کے پیچھے باغ میں داخل ہوتے ہیں تو ہمیں اُس سین پر نظر کرتے بھی خوف معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ بہت مقدّس اور ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ اور جب ہم اُن دُعاؤں کو جو زمین سے جہاں وہ پڑا ہے اُٹھتی ہیں سُنتے ہیں تو ہمارے دل کانپ جاتے ہیں۔ ایسی دُعائیں کبھی سُننے میں نہیں آئیں۔ گو ہم اُن کی تہ تک نہیں پہنچ سکتے تو بھی اُن سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ مگر فی الحال ایک سبق کافی ہے۔ کہ اُس نے اس موقع پر امتحان میں پڑنے سے پہلے دُعا مانگی۔ کیونکہ باغ کے دروازے پر پہنچ کر جاں کنی کے دُور ہونے کے بعد اُس نے کہا "یہ تمہاری گھڑی اور ظلمت کا اختیار ہے" (لوقا ۲۲: ۵۳)۔ یہ زمین اور جہنم کے اختیار والوں کے ساتھ اُس کی آخری جنگ کا آغاز تھا۔ لیکن اُس نے باغ میں دُعا مانگ کر پہلے ہی سے اپنے آپ کو اس کشمکش کے لئے مستعد کر لیا تھا۔ اور اس لئے وہ اُس تمام جدوجہد میں سے جو اُس کے بعد واقع ہوا مستقل مزاجی اور کامل کامیابی کے ساتھ گزر سکا۔ اُس کی طاقت

دُعا کی طاقت تھی ؞

اُس کے مقابلے میں شاگردوں کی کمزوری پر جو اُنہوں نے اُس موقع پر ظاہر کی نظر کرو۔ اُن کے واسطے بھی تاریکی کی گھڑی اور اختیارِ تشمنی کے دروازے پر شروع ہوا۔ مگر اُن کے واسطے وہ ایک افسوس ناک ذلّت اور شکست کی گھڑی تھی۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ جب اُن کو دُعا مانگنی چاہیئے تھی وہ سوتے رہے۔ اگرچہ وہ اُن کے سر پر کھڑا ہو کے کہتا رہا۔ کہ "جاگو اور دُعا مانگو تاکہ امتحان میں نہ پڑو"۔ مگر اُنہوں نے کچھ توجہ نہ کی۔ اور اس لئے جب آزمائش کی گھڑی آئی تو وہ گر گئے۔ افسوس! ہم کو بھی اکثر اسی قسم کا تجربہ پیش آیا ہے۔ جس زرہ سے ہم آزمائش کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر سکتے ہیں دُعا ہے۔ لیکن اگر ہم دشمن کو اپنے تک پہنچنے دیں پیشتر اس کے کہ ہم اس زرہ کو پہن چکیں۔ تو اُس کے سامنے جم کر کھڑے ہونے کی کچھ اُمید نہیں؞

(۴) اگر ہمارے خداوند کی زندگی کا کوئی اَور موقع دُعا کے لحاظ سے اس موقع کی برابری کر سکتا ہے۔ تو وہ سب سے آخری موقع ہے۔ یسوع نے دُعا مانگتے ہوئے جان دی۔ اُس کے آخری الفاظ دُعا کے الفاظ تھے۔ زندگی بھر کی عادت موت کے وقت بھی نہ چھوٹی۔ شائد موت ہمیں ابھی دور معلوم ہو۔ مگر یہ موقع ہم پر بھی آنے والا ہے۔ بھلا ہمارے آخری الفاظ کیا ہونگے؟ کون بتا سکتا ہے؟ لیکن اگر ہماری رُوح میں دُعا کی عادت نے گھر کر لیا ہو تو کیسی اچھی بات ہوگی کہ۔ دُعا کے الفاظ آخری دم طبعی طور پر ہمارے مُنہ سے نکلیں۔ بہت لوگ اس دُنیا سے گزر گئے اور اُس وقت مسیح کے آخری الفاظ اُن کی زبان پر تھے۔ ایسا کون ہے جس کے دل میں یہ ہوس نہ ہو کہ کاش میری زبان پر بھی یہی الفاظ ہوں کہ "اے باپ میں اپنی رُوح

تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں"۔

۴

اگر کوئی شخص مسیح کی زندگی میں اُس کی دُعاؤں کی مقبولیت کی تلاش کرے تو مجھے یقین ہے کہ اُس کو بہت سی مل سکتی ہیں۔ لیکن میں اس وقت صرف دو کا ذکر کرونگا جن پر کلام اللہ بھی زور دیتا ہے اور جن سے خاص طور پر تعلیم حاصل ہوتی ہے۔

مسیح کی تبدیل صورت بھی دُعا کے جواب میں تھی۔ انجیل نویس اس طور سے اُس کا ذکر شروع کرتا ہے "اور ان باتوں کے روز آٹھ ایک بعد ایسا ہوا کہ وہ پطرس اور یوحنا اور یعقوب کو ساتھ لیکر پہاڑ پر دُعا مانگنے گیا۔ اور دُعا مانگتے ہی ایسا ہوا کہ اُس کے چہرے کی صورت بدل گئی اور اُس کی پوشاک سفید بُراق ہوگئی۔ اور دیکھو دو مرد جو موسےٰ اور الیاس تھے اُس سے گفتگو کرتے تھے" (لوقا ۹: ۲۸-۳۰)۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ اپنی صورت اور پوشاک کی تبدیلی کے لئے یا ان دانا اور ہمدرد ارواح کے ساتھ اُس کام کی بابت جو وہ یروشلم میں پورا کرنے والا تھا بات چیت کرنیکی عزت حاصل ہونے کے لئے دُعا مانگتا تھا۔ مگر تو بھی میں کہتا ہوں کہ یہ سب دُعا کے جواب میں تھا جو وہ اُس وقت جب یہ سب کچھ واقع ہوا مانگ رہا تھا۔

بعض ایسے شخص ہیں جو اس بات کو نہیں مانتے کہ دُعا میں کوئی ایسی واقعی خوبی ہے جس سے امور مطلوبہ خدا سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ تاہم وہ یقین کرتے ہیں کہ دُعا سے ایک قسم کا معکوسی اثر طبیعت میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ دُعا کرنا اچھی بات ہے گو کہ اُس سے نہیں ظاہراً کچھ حاصل نہ ہو۔ بلکہ اُس حالت میں بھی جبکہ

بالفرض کوئی بھی تمہاری دُعا کا سُننے والا حاضر نہ ہو۔ لیکن اگر دُعا صرف اتنی ہی بات ہو۔ اور کچھ بڑھ کے نہ ہو۔ تو یہہ ایک مسخری ہوئی۔ اور ایک نہایت سادہ مزاج شخص بھی اس کو ایسا ہی سمجھیگا۔ مگر تو بھی یہ سچ ہے کہ دُعا میں ایک نہایت مبارک معکوسی اثر بھی ہے۔ نیکی اور پاکیزگی کے لئے دُعائیں ایک طرح سے خود ہی اپنا جواب ہیں۔ کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا۔ کہ تم اُن کے لئے دُعا مانگو۔ اور کسی قدر خود اسی فعل سے اُن کو حاصل نہ کر لو۔ خدا کی طرف رُوح کو اُٹھانے سے رُوح کو ایک قسم کی تسکین اور شرافت حاصل ہوتی ہے۔ میرے نزدیک یہی بات تھی جو مسیح کی تبدیل صورت کا آغاز تھی۔ باپ کے ساتھ جو رفاقت اُس کو حاصل تھی اُس کی محویت اور خوشی سے اُس کی صورت بھی حسن و جلال سے منوّر ہو گئی۔ گویا کہ اس طور سے باطنی جلال کو پھوٹ نکلنے کی راہ مل گئی۔ کسی حد تک یہ بات اُن سب لوگوں پر جو دُعا مانگتے ہیں واقع ہوتی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اُن لوگوں پر جو زیادہ دُعا مانگتے ہیں اور بھی زیادہ ہو۔ موسےٰ جب وہ چالیس روز تک خدا کے ساتھ پہاڑ پر رہ چکا تو اُس کی صورت بھی اُسی قسم کے نور سے نورانی ہو گئی۔ جیسا کہ شاگردوں نے مقدّس پہاڑ پر اپنے اُستاد کی صورت میں دیکھا۔ اور خدا کے تمام مقدّسوں کو بھی جو بہت دُعا مانگتے ہیں کسی قدر ایک قسم کا رُوحانی حسن عطا ہوتا ہے جو اُسی طرح کا ہے اور دُعا کے تمام جوابوں سے زیادہ بیش قیمت ہے۔ انسانی خصلت و مزاج دُعا کے سوتوں سے سیراب ہوتی ہے۔

یسوع کی دُعا کا دوسرا جواب جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں

وہ ہے جو بپتسمہ کے وقت ملا۔ مقدّس لوقا اُس کا اس طور سے ذکر کرتا ہے۔ "اور ایسا ہوا کہ جب سب لوگ بپتسمہ پا چکے تھے اور یسُوع بھی بپتسمہ پا کر دُعا مانگ رہا تھا۔ تو آسمان کُھل گیا اور رُوح القدس جسم کی صورت میں کبوتر کی طرح اُس پر اُترا" (لوقا ۳: ۲۰ و ۲۱) یعنی جب وہ دُعا مانگ رہا تھا تو رُوح اُس پر نازل ہوا۔ اور غالباً وہ اُس وقت اسی کے لئے دُعا مانگتا تھا۔ اُس نے ابھی اپنے ناصرت کے گھر کو چھوڑا تھا تاکہ اپنا کام شروع کرے۔ اور اُس کو رُوح القدس کی معاً حاجت تھی تاکہ اُس کے کام کے لئے اُس کو مستعد و تیار کرے۔ لوگ اکثر اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ یسُوع مسیح رُوح القدس سے معمور تھا۔ مگر یہ سچّائی نہایت صاف طور پر اناجیل میں ظاہر کی گئی ہے۔ یسُوع کی انسانی طبیعت اوّل سے آخر تک رُوح القدس کی محتاج تھی۔ اور اُسی کے ذریعے سے اُلوہیت کے لئے ایک مناسب آلہ بن گئی۔ اِسی الہام کی قوّت سے اُس نے منادی کی۔ معجزے دکھائے۔ اور نجات کے کام کو پُورا[له] کیا۔ اور اگر کسی حد تک ہماری

له رُوح القدس نے اُس کو اُن تمام عجیب و اعلےٰ طاقتوں اور قابلیتوں سے جو دُنیا میں اُسکے منصبی کام کی بجا آوری کے لئے ضروری تھیں خاص طور پر مسوح کیا۔ یسعیاہ کی کتاب (۶۱: ۱) میں لکھا ہے کہ "خداوند خدا کی رُوح مجھ پر ہے کیونکہ خداوند خدا نے مجھے مسح کیا تاکہ میں مصیبت زدوں کو خوشخبریاں دوں۔ اُس نے مجھے بھیجا ہے۔ کہ میں ٹوٹے دلوں کو درست کروں۔ اور قیدیوں کے لئے چھوٹنے اور بندھوؤں کے لئے قید سے نکلنے کی منادی کروں"۔ اس آیت میں مسیح کے منصبِ نبوّت اور اُس کے فرائض کو اِس دُنیا میں انجام دینے کا ذکر ہے۔ اور وہ اِن الفاظ کو اپنی انجیل کی منادی کے لحاظ سے اپنی طرف منسوب کرتا ہے (لوقا ۴: ۱۸ و ۱۹) کیونکہ یہی عہدہ تھا جس کو اُس نے خاص کر اس دُنیا میں پُورا کیا۔ کیونکہ اُسی سے اُس نے لوگوں کو

زندگی اُسی کے نمونے پر ڈھل سکتی اور اگر ہم دُنیا میں اُس کے کام کو جاری رکھتے ہیں یا اُس کی مصیبتوں کی کمی کو پورا کرنے میں مددگار ہو سکتے ہیں تو ہم کو بھی اُسی رُوح کی تاثیر پر بھروسا کرنا چاہیئے۔لیکن وہ ہمیں کس طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۸) اپنے دوسرے مناصب کی ماہیت اور مقاصد کی تعلیم دی۔اسی عہدے کے لئے وہ رُوح کے اِس مسح سے تیار کیا گیا۔اسی سے ہم اُس فرق کو معلوم کرتے ہیں جو اِس قول میں کہ "رُوح جو اُس پر تھی" اور کہ "وہ منادی کے لئے ممسوح کیا گیا" ہے۔جس سے مراد یہ ہے کہ اُس رُوح کی نعمتیں اُس کو دی گئی ہیں۔اور اِن عجیب وغریب نعمتوں کا اجتماع جو اُس کے منصب نبوّت کے سرانجام کرنے کے لئے ضروری تھا اُس کے بپتسمہ کے وقت ہوا۔یہ نعمتیں کلیسیا کے سر کو صرف اس غرض سے دی گئیں۔اور نیز اُسی قسم کی اَور نعمتیں عموماً کلیسیا کے شرکا کو دی جاتی ہیں کہ وہ اُن کو استعمال کریں۔کام میں لائیں۔اور ترقی کریں۔اور یہ بات کہ وہ اُس وقت مجموعی طور پر کی گئیں۔اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ

(۱) اُس وقت اُس کو ظاہری نشان ملا جس سے وہ اپنے عہدے کی انجام دہی پر مقرر و مستحکم کیا گیا اور اُس کام کے لئے خدا کی طرف سے مقرر ہونے کی بابت دوسروں کو گواہی ملی۔کیونکہ اُس وقت خدا کی رُوح کبوتر کی شکل میں اُس پر اُتری اور ٹھیری اور دیکھو کہ آسمان سے ایک آواز یہ کہتی آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔(متی ۳: ۱۶ و ۱۷)۔اسی طور سے خدا نے جو باپ ہے اُس پر مُہر کر دی۔گویا کہ اُس کے کام پر جو اُس کے سپرد ہوا آسمانی مہر لگا دی۔اور یہ بات دوسروں کے لئے بھی شہادت کے طور پر تھی۔کہ وہ اُس کے اس عہدے کو تسلیم کریں۔اور تاکہ اُن کو یہ معلوم ہو کہ اب اُس نے اس منصب کے فرائض کی انجام دہی کو اپنے ذمّے لے لیا ہے +

(۲) اُس نے اب اپنے کام کو شروع کیا اور اپنے کو بالکل اپنے کام کے حوالے کر دیا۔کیونکہ پہلے وہ صرف کبھی کبھی خدا کی حضوری کو جو اُس کے ساتھ تھی ظاہر کرتا تھا۔تاکہ لوگوں کے دلوں کو

مل سکتا ہے؟ اُس نے خود ہمیں بتایا ہے کہ "پس جب تم بُرے ہو کر اپنے لڑکوں کو اچھی چیزیں دینا جانتے ہو۔ تو وہ باپ جو آسمان پر ہے کتنا زیادہ اُن کو جو اُس سے مانگتے ہیں رُوح القدس دیگا" (لوقا ۱۱: ۱۳)۔ قدرت بھی خصلت کی طرح دُعا کے سرچشمہ سے حاصل ہوتی ہے ÷

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۹) اُس کے کام پر توجہ کرنے کے لئے تیار کرے۔ جیسا کہ اُس نے ہیکل میں یہودی علما سے گفتگو کر کے اُن کو حیرت میں ڈال دیا۔ (لوقا ۲: ۴۶-۴۹)۔ اور اگرچہ ظن غالب ہے کہ رُوح نے اُس میں ہو کے اُس کی پرائیویٹ زندگی کے اثنا میں بہت سے ایسے عجیب و غریب کام کرائے۔ لیکن اپنے کام کے لئے پوری قابلیتیں اُس کو صرف بپتسمہ کے وقت ہی حاصل ہوئیں۔ اور اس لئے اُس نے اُس سے پہلے اپنے آپ کو کلیتًہ پبلک کام میں نہ لگا دیا تھا÷

(۳) اس واقعہ کے بعد ہی یہ لکھا ہے کہ "وہ رُوح القدس سے بھرا تھا" (لوقا ۴: ۱)۔ مگر اس سے پہلے یہ لکھا ہے کہ "وہ رُوح میں قوت پاتا رہا" (لوقا ۲: ۴۰) یعنی برابر بھرتا گیا۔ لیکن اب لکھا ہے کہ وہ رُوح القدس سے بھرا تھا۔ یعنی وہ فی الواقع اُن تمام روحانی نعمتوں کی معموری پر قابض اور اُن سے ملبّس تھا جو اُس کے لئے کارآمد تھیں۔ یا جن کا وہ حاجتمند تھا۔ یا جن کو حاصل کرنے کی انسانی فطرت قابلیت رکھتی تھی÷ (از کتاب اوون صاحب)

۸

مسیح کا نمونہ پاک نوشتوں کے مطالعہ کرنے میں

متی ۴ : ۴ و ۷ و ۱۰
" ۵ : ۱۷ و ۴۸
" ۶ : ۲۹
" ۷ : ۱۲
" ۸ : ۴ - ۱۱
" ۹ : ۱۳
" ۱۰ : ۱۵
" ۱۱ : ۲۱ و ۲۴
" ۱۲ : ۳ - ۷ و ۳۹ - ۴۲
" ۱۳ : ۱۴ و ۱۵
" ۱۵ : ۷ - ۹
" ۱۶ : ۸ و ۱۸ و ۱۹
" ۲۱ : ۱۶ و ۴۲
" ۲۲ : ۲۹ - ۳۲ و ۳۵ - ۴۰ و ۴۳ - ۴۵
" ۲۴ : ۳۷ - ۳۹
" ۲۶ : ۳۰ و ۳۱ و ۵۳ و ۵۴
" ۲۷ : ۴۶

لوقا ۴ : ۱۶ - ۲۷
" ۸ : ۲۱
" ۱۶ : ۲۹ و ۳۰
" ۲۳ : ۴۶
" ۲۴ : ۲۷

یوحنّا ۵ : ۳۹ و ۴۵ و ۴۶
" ۶ : ۳۲ و ۴۵ و ۴۹
" ۷ : ۱۹ و ۲۲
" ۸ : ۱۷ - ۳۷
" ۱۰ : ۳۴ و ۳۵
" ۱۳ : ۱۸
" ۱۷ : ۱۲ و ۱۴ و ۱۷

آٹھواں باب

مسیح کا نمونہ پاک نوشتوں کے مطالعہ میں

۱

گمان غالب ہے کہ یسوع تین زبانیں جانتا تھا۔ اُس کی ملکی زبان ارامی تھی۔ اِس زبان کے بعض فقرات جو اُس کی زبان سے نکلے اناجیل میں محفوظ رکھے گئے ہیں۔ مثلاً طالیتا قومی۔ جس سے اُس نے یائرس کی بیٹی کو زندہ کیا۔ لیکن غالباً اُس نے نوشتوں کو اپنی دیسی زبان میں مطالعہ نہیں کیا۔ گو بعض اوقات وہ حوالجات جو عہد عتیق سے عہد جدید میں منقول ہیں اُس عہد عتیق سے جو اِس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے کسی طرح سے ٹھیک ٹھیک مطابقت نہیں رکھتے۔ اور اس پر بعض لوگ قیاس کرتے ہیں کہ اِن صورتوں میں وہ حوالجات ایک ارامی ترجمے سے جو اُس وقت رائج تھا لئے گئے ہیں۔ لیکن یہ صرف قیاس ہی قیاس ہے۔

دوسری زبان جو وہ بولتا تھا یونانی تھی۔ گلیل میں جہاں اُس نے پرورش پائی اس قدر کثرت سے یونانی لوگ آباد تھے کہ وہ غیر قوموں کا گلیل کہلاتا تھا اور یونانی تجارت پیشہ لوگوں کی زبان اور نیز متفرق اقوام کی باہمی بول چال کی زبان تھی۔ اُن دنوں میں ایک لڑکے کو جو گلیل میں پرورش پائے یونانی سیکھنے کا ایسا ہی موقع حاصل تھا جیسا کہ آجکل ہندوستان کے کسی انگریزی کیمپ میں رہنے والے کو انگریزی سیکھنے کا۔ اس کے علاوہ مسیح کے زمانے میں کتب عہد عتیق کا ترجمہ یونانی زبان میں موجود تھا۔ اور وہ اسوقت بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ جو سپٹو آجنٹ یعنی ستر کے نام سے موسوم ہے۔ کیونکہ گمان کیا جاتا ہے کہ ستر آدمیوں نے مسیح سے دو یا تین سو سال پہلے مصر میں اُس کو انجام دیا تھا۔ اس ترجمے کا کنعان میں بہت ہی رواج تھا۔ کتب عہد جدید کے راقم اکثر اُس سے نقل کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے خداوند نے بھی اُسے پڑھا ہو۔

تیسری زبان جو وہ جانتا تھا غالباً عبرانی تھی۔ مگر یہ بات یقینی نہیں۔ کیونکہ اگرچہ عبرانی یہودیوں کی زبان تھی مگر مسیح کے زمانے سے پہلے کنعان میں اُس کا عام رواج اُٹھ گیا تھا۔ یہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ زبانیں اپنے ہی ملک میں زوال پکڑ جاتی ہیں۔ اور غیر زبانوں کے الفاظ سے مخلوط ہو کر ایسی بدل جاتی ہیں کہ مشکل سے پہچانی جا سکتی ہیں۔ اس کی مثال ملک اٹلی میں موجود ہے جہاں لاطینی اب ایک مردہ زبان ہے۔ کیونکہ وہ رفتہ رفتہ صدہا سال کے عرصے میں تبدیل ہو کر بالکل ایک اور زبان بن گئی۔ جو اگرچہ قدیم زبان سے بہت کچھ مشابہت رکھتی ہے تاہم اُس ملک کے لڑکوں کو لاطینی اسی طرح سیکھنی پڑتی ہے۔ جیسے دوسرے ملک والوں

کو۔ دُور کیوں جاتے ہو ہمارے ہندوستان ہی کو دیکھو جہاں ایک زمانے میں سنسکرت ملک کی زبان تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ بدل کر بھاشا بن گئی۔ اور ایسی اجنبی ہوگئی کہ اب صرف بڑے بڑے پنڈت ہی سالہا سال کی محنتوں سے اُس کو سیکھ سکتے ہیں۔ اور اب یہ بھاشا بھی رفتہ رفتہ اُردو کے سامنے پسپا ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہی حالت کنعان کی تھی۔ عبرانی زبان جس میں عہدِ عتیق لکھا گیا بگڑ کر ارامی میں بدل گئی اور جو یہودی پاک نوشتوں کو اصلی زبان میں مطالعہ کرنا چاہتا تھا اُس کو یہ زبان سیکھنی پڑتی تھی۔ اس امر کے یقین کی کئی وجوہات ہیں کہ یسوع نے بھی اس زبان کو سیکھا۔ عہدِ عتیق کے بعض حوالوں سے جو عہدِ جدید میں ہیں علما نے دریافت کیا ہے کہ وہ اراوتاً یونانی ترجمے سے قطع نظر کر کے اصل عبرانی کے ٹھیک ٹھیک الفاظ استعمال کرتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ناصرت کے عبادتخانے میں اُسکو نوشتوں کے پڑھنے کیلئے کہا گیا تھا۔ غالباً یہ نوشتے عبرانی میں تھے۔ جن کو قاری پہلے اُس زبان میں پڑھتا اور پھر لوگوں کی بول چال میں اُس کا ترجمہ کرتا تھا۔ اگر یہ ٹھیک ہو تو یہ خیال دلچسپی سے خالی نہیں کہ یسوع نے ایک مُردہ زبان کو سیکھا تاکہ کلام اللہ کو اُس کی اصلی زبان میں مطالعہ کر سکے۔ یاد رکھو کہ وہ صرف ایک معمولی پیشہ ور تھا۔ اور صرف محنت مشقت کے بعد فرصت کے مختصر اوقات میں اُس نے اُن عجیب حروف و اشکال کو سیکھا ہوگا جنکے ذریعے سے زبوروں کو جیسا کہ داؤد نے اُن کو لکھا اور نبوتوں کو جیسے کہ وہ یسعیاہ یا یرمیاہ کے قلم سے نکلیں پڑھنے کے قابل ہوا۔ اس زمانے میں بھی بعض ایسے اشخاص ہوئے ہیں۔ ہم بعض حرفت پیشہ لوگوں کا ذکر سنتے ہیں[1]

[1] ولیم کیری کی بابت جو ہندوستان کا پہلا مشنری اور ایک طرح سے مشن کا بانی خیال کرنا چاہئے

جنہوں نے یونانی زبان کی گرامر (صرف ونحو) کام کرتے وقت اپنے سامنے رحیل پر رکھ کر مطالعہ کی تاکہ وہ عہد جدید کو اس کی اصلی زبان میں پڑھ سکیں۔ یقیناً بائبل میں جب اس کو اس کی اصلی زبان میں مطالعہ کیا جائے ایک ایسی لذت ملتی ہے جو فقط ترجمے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اور یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ہمارے زمانے میں جبکہ بائبل کی محبت ایسی عام ہے اور حصول علم کے وسائل ایسے آسان ہیں تو بھی اس کو اس کی اصلی زبان میں مطالعہ کرنے کی حرص و خواہش ایسی عام نہیں ہے۔

یہ خیال ہی کچھ کم رقت انگیز نہیں کہ یسوع کے پاس اپنی بائبل نہیں تھی۔ اور اس امر میں کچھ بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس زمانے میں ایسی کتابوں کی قیمت نہایت گراں تھی۔ جو اس درجہ کے آدمی کی حیثیت سے بالکل باہر تھی۔ اور علاوہ بریں ان طوماروں کا حجم جن پر وہ لکھی جاتی تھیں اس قدر بڑا تھا کہ اگر وہ اس کی ملکیت میں بھی ہوتیں تو بھی اس کو جگہ جگہ لئے پھرنا ناممکن ہوتا ممکن ہے کہ اس کے گھر میں کتاب مقدس میں سے زبور یا دیگر دلچسپ حصوں کے چند ایک طومار ہوں۔ لیکن ضرور ہے کہ جو کچھ کتب مقدسہ کا علم اس نے حاصل کیا عبادت خانوں میں جانے اور وہاں کی کتابوں کے استعمال سے حاصل کیا ہوگا۔ اور شائد اس غرض کے لئے اس کو محافظ کا ممنون احسان بھی ہونا پڑتا ہوگا۔ آجکل کتاب مقدس برائے نام قیمت پر مل سکتی ہے اور بچے بچے کے پاس موجود ہے۔ خدا کرے کہ ارزانی اور عام رواج سے وہ ہماری نظروں میں ایک معمولی چیز نہ ٹھہرے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۵) لکھا ہے کہ اس نے اپنی زندگی کے پہلے تیس سالوں میں جبکہ وہ بڑی محنت سے کفش دوزی کا کام کرتا تھا قریباً سات مختلف زبانوں میں جن میں یونانی۔ عبرانی۔ لاطینی۔ فرانسیسی وغیرہ بھی شامل تھیں بائبل پڑھنا سیکھ لیا۔

البتہ یہ صرف عہد عتیق تھا جو یسوع نے پڑھا - اس بات کو یاد دلانا اس لئے
بھی زیادہ ضروری ہے کہ ہمارے پاس اپنی بڑھی ہوئی بائبل کو زیادہ تر پیار
وعزت کرنے کے لئے کتنی بڑی وجوہات ہیں - جب میں زبور میں کلام اللہ کی
نسبت اس قسم کے کلمات جو جوش محبت سے بھرے ہوئے ہیں پڑھتا ہوں
کہ "آہ میں تیری شریعت کو کیسا پیار کرتا ہوں - تمام دن وہی میرا ورد ہے
تیری باتیں میرے مُنہ میں کیسی میٹھی لگتی ہیں - ہاں میرے مُنہ میں شہد سے
زیادہ میٹھی ہیں - وہ سونے سے بلکہ بہت کُندن سے زیادہ نفیس ہیں -
شہد اور اُس کے چھتّے کے ٹپکوں سے شیریں تر ہیں" (زبور ۱۹ : ۱۰)-
ہاں جب میں ان پُرجوش الفاظ کو پڑھتا ہوں اور پھر یہ خیال کرتا ہوں کہ
یہ اُن لوگوں کی زبان سے نکلے - جن کے پاس صرف عہدِ عتیق یا شائد صرف
اُس کا ایک حصّہ تھا - جن کی بائبل میں نہ تو اناجیل تھیں - نہ پولوس کے خطوط
نہ مکاشفات کی کتاب - جنھوں نے پہاڑی وعظ یا مُسرف بیٹے کی تمثیل
یوحنّا کا سترواں یا رومیوں کا آٹھواں - کرنتھیوں کا تیرھواں یا عبرانیوں کا
گیارھواں باب کبھی نہیں پڑھا تھا - تو میں اپنے دل سے سوال کیا کرتا ہوں
کہ اُس بائبل کی نسبت جو اُس سے کہیں بڑی ہے میرا کیا خیال ہے؟ اور
پھر دل میں کہتا ہوں کہ یقیناً زمانۂ حال میں انسان کا دل پتھر ہو گیا ہے اور
شُکر گزاری کے چشمے سوکھ گئے ہیں - اور تعریف اور جذب دل کی آگ بجھ
گئی ہے - کیونکہ بمقابلۂ اُن لوگوں کے ہماری محبت اِس زیادہ کامل شدہ
کتاب کی نسبت پھیکی سی معلوم ہوتی ہے *

۲

اس بات کے لئے نہایت پختہ شہادت ملتی ہے کہ یسوع کلام اللہ کا بڑی

محنت سے مطالعہ کرتا تھا۔ اس کا ثبوت نہ صرف اس بات سے ملتا ہے کہ اس امر کا بار بار ذکر کیا گیا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھکر دلنشین ثبوت پائے جاتے ہیں۔ اُس کے اقوال کلام اللہ کے حوالوں سے پُر ہیں۔ بعض جگہ تو صاف طور پر صحیفے اور آیت کو بتا دیا ہے۔ لیکن اکثر اوقات عہدِ عتیق کے مندرجہ واقعات اور بزرگان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یا اُس کی عبارتوں کو اپنے کلام کے تانے بانے میں ایسا بُن دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا عہدِ عتیق اُس کے دل کے رگ و ریشے میں مل گیا تھا۔ اور اُس کی قوتِ واہمہ ہمیشہ اُسی کے سبزہ زار میں لوٹتی بلکہ اُس کے خیال بھی اُسکے طرز بیان کے قالب میں ڈھالے جاتے تھے۔ جب اُس کے حوالجات کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب کے ہر ایک حصّے سے لئے گئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف بیبل کی بڑی بڑی باتوں سے بلکہ اُس کے تنگ و تار گوشوں سے بھی واقف تھا۔ یہاں تک کہ کتب عہدِ عتیق کی وسعت میں جہاں کہیں ہم سفر کریں ہمیں یقین جاننا چاہیئے کہ اُس کے متبرک قدم ہم سے پہلے اُس راستے سے گزر چُکے ہیں۔ اس لئے یہ بات بھی کچھ کم لطف انگیز نہیں کہ نوشتوں کے مطالعہ میں بہت سی ایسی آیات مل سکتی ہیں جن کی بابت ہم جانتے ہیں کہ اُس نے اُن کا حوالہ دیا۔ اور ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ اُسی پیالے میں سے جس کو ہم اپنے لبوں کی طرف اُٹھا رہے ہیں یسوع نے زندہ پانی پیا۔ ایسی آیات بھی ہیں جن کی نسبت ہم بے ادبی کے مجرم ہونے کے بغیر کہہ سکتے ہیں کہ وہ اُس کو بہت دل پسند تھیں کیونکہ وہ اُن کو بار بار نقل کرتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ نوشتوں کی بعض کتابیں مثل استثنا زبور اور یسعیاہ کے اُس کو خاص کر عزیز تھیں ✦

کچھ عرصہ ہوا۔ مجھے اپنے ایک مرحوم دوست کے کاغذات دیکھنے کا کام سپرد ہوا۔ جن لوگوں کو ایسے کام سے واسطہ پڑا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ کیسا دردناک ہوتا ہے۔ یہ کچھ بے ادبی سی معلوم ہوتی ہے کہ ایک شخص کے بھیدوں میں جو اُس نے زمانۂ حیات میں پوشیدہ رکھے نظر دوڑائیں اور یہ بات معلوم کریں کہ وہ آدمی سطح کے نیچے دراصل کیا تھا۔ میرا دوست ایک دُنیادار آدمی تھا اور اُن تمام آزمائشوں سے جو ہر ایک آدمی کو جو اُس قسم کے کام کو اختیار کرتے اور دُنیا کے لوگوں سے ملتے ہیں پیش آتی ہیں گھرا ہوا تھا۔ لیکن تو بھی وہ سب لوگوں میں دیندار آدمی مانا جاتا تھا۔ اب میرے پاس اس امر کے دریافت کرنے کے وسائل موجود تھے کہ آیا یہ دینداری فقط اُس کا ظاہری لباس تھی یا دل میں بھی جگہ رکھتی تھی۔ جب بڑے خوف و ہیبت کے ساتھ میں اُس کے کاغذات کو دیکھتا گیا تو مجھے یکے بعد دیگرے ایک باطنی زندگی کی شہادتیں ملیں جس کی جڑیں میری اُمید سے بھی بڑھ کر گہری اور تر و تازہ تھیں۔ خاص کر جب میں نے اُس کی بائبل کو کھولا تو وہ ایک صاف اور تاثیر آمیز کہانی بیان کرتی معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ اُس کے ہر ایک صفحے پر اس بات کے نشان پائے جاتے تھے کہ گویا وہ عرصۂ دراز تک دن رات اُس کے استعمال میں رہی ہے۔ اوراق بوسیدہ تھے۔ خاص خاص آیتوں پر خط کھینچے تھے اور کہیں کہیں حاشیے پر مختصر الفاظ میں دلی خیالات درج تھے۔ بعض حصوں کی نسبت معلوم ہوتا تھا کہ خصوصاً زیادہ استعمال میں آئے ہیں۔ یہ حالت خاص کر عہدِ عتیق میں زبور یسعیاہ اور ہوسیع میں تھی۔ اور عہدِ جدید میں مقدس یوحنا کی تحریرات میں۔ اب مجھکو اُس ختم شدہ زندگی کی حقیقت معلوم ہوئی اور یہ بھی دریافت ہوا کہ اُس کی

تمام خوبیوں کا سرچشمہ کیا تھا ÷

پس کسی آدمی کی بیبل کی ظاہری صورت ہی اُس کی نہایت پوشیدہ عادات کی تاریخ کا کام دے سکتی ہے۔ جو اُن لوگوں کے لئے جو اُس کے بعد آئیں اُسکی دینداری یا بے دینی کی یادگار ٹھیر سکتی ہے۔ خود زندہ آدمی کے واسطے شائد اُس کی اپنی مذہبی حالت کے جانچنے کے لئے اس سے عمدہ کوئی کسوٹی نہیں کہ وہ اسی کتاب کے صفحوں پر نظر ڈالے۔ کیونکہ اُس کے استعمال یا بے پروائی کے نشانات سے وہ معلوم کر سکتا ہے کہ۔ وہ اُس کو عزیز رکھتا ہے یا نہیں۔ میں نے اپنے اس دوست کی بیبل کے سرورق سے چند الفاظ نقل کرلئے جو اُسی سچّی محبّت کے منبع کو ظاہر کرتے ہیں۔ جو وہ کلام کے ساتھ رکھتا تھا " کاش کہ میں مسیح سے خدا سے پاکیزگی سے قریب تر ہوتا جاؤں۔ ہرروز اُس میں۔ اور اُس سے۔ اُس کے لئے۔ اور اُس کے ساتھ۔ زیادہ کامل طور سے جیوں اور زندگی بسر کروں۔ مسیح موجود ہے تو کیا میں بے مسیح رہوں؟ حمام موجود ہے کیا میں غلیظ رہوں؟ پدرانہ محبّت موجود ہے۔ کیا میں الگ رہوں؟ آسمان موجود ہے۔ کیا میں اُس سے باہر کیا جاؤں"؟

۲۷

نوشتوں کو بغرض افادہ مطالعہ کرنے کے کئی طریق ہیں۔ ان کی بابت مسیح نے کوئی خاص تعلیم نہیں دی۔ مگر اُس کے حالات کے مطالعہ سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ وہ اُن کے مطالعہ میں بعض طریق استعمال کرتا تھا۔ اُس طریق کے مطابق جس سے وہ مطالعہ کیا جاتا ہے۔ خدا کا کلام رُوحانی تجربے میں خاص خاص مختلف فوائد بخشتا ہے۔ ایک طریق ایک قسم کے فائدے کے لئے کارآمد ہے دوسرا دوسرے کے لئے۔ یسوع نے ان تمام طریقوں میں کمال مہارت ظاہر کی۔ اور اس سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ اُس نے کس طور سے اُس کا مطالعہ کیا ÷

خصوصاً تین بڑے بڑے فوائد ہیں جن کے حاصل کرنے کے لئے ہم معلوم کرتے ہیں کہ اُس نے بیبل کو استعمال کیا۔ اور یہ ایسے اہم ہیں کہ ہم کو بھی اُسکی تقلید کرنی چاہیئے ۔

(۱) بچاؤ کے لئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے اُس نے آزمائش سے بچنے کے لئے اُس کا استعمال کیا۔ جب اُس شریر نے بیابان میں آکر اُس کو آزمایا تو اُس نے ہر ایک بات کے جواب میں کہا "یہ لکھا ہے"۔ کلام اُسکے ہاتھ میں رُوح کی تلوار تھا اور اُس نے اُس کی دھار سے دشمن کے حملوں کو روکا۔

اسی طرح اُس نے اُس سے شریر آدمیوں کے حملوں کے برخلاف اپنی حفاظت کی۔ جب وہ اُس کی تاک میں لگے تھے اور اُسے باتوں باتوں میں پھنسانا چاہتے تھے تو اُس نے کلام اللہ سے اُن کا مُنہ بند کر دیا۔ خصوصاً اُس بڑے مباحثے کے دن جو اُس کے انجام سے تھوڑے دن پہلے واقع ہوا جب اُس کے تمام دشمن اُس پر آپڑے اور مختلف فریقوں کے سربرآوردہ لوگوں نے اُس کو گھبرا دینے اور اُس کی باتوں کی تردید کی حتیٰ الوسع کوشش کی۔ تو اُس نے اُن کے حملوں کو یکے بعد دیگرے نوشتوں میں سے جواب دیکر رفع کیا۔ اور آخرکار یہ دکھا کر کہ وہ لوگ نوشتوں سے جن کی شرح و تفسیر کے جاننے کے وہ ایسے دعویدار ہیں کیسے جاہل ہیں۔ لوگوں کی نظروں میں اُن کا مُنہ بند کر کے شرمندہ کر دیا۔

ایک اور دشمن تھا جس کا اُس نے اسی ہتیار سے مقابلہ کیا۔ جبکہ موت کے دُکھ اُس پر اس شدّ و مد سے اُمڈ رہے تھے جیسے کہ ایک لشکر سمندر کی موجوں کی طرح ایک اکیلی جان پر چڑھ آئے۔ تو اُس وقت بھی اُس نے اسی قدیمی اور آزمودہ ہتیار سے کام لیا۔ اُس کے آخری سات فقروں میں سے جو اُس نے صلیب پر سے کہے اگر زیادہ نہیں تو کم سے کم دو اُسکی دلپسند

زبور کی کتاب میں سے ہیں - اُن میں سے ایک تو اُس کا آخری کلمہ تھا جس سے اُس نے اژدہائے اجل کے مُنہ سے اپنی رُوح کو چھین لیا "اے باپ میں اپنی رُوح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں"۔ نوشتوں کے اس استعمال کے لئے اُن کو حفظ کرنے کی مشق ضروری ہے - ہر ایک حالت میں جس کا میں نے ذکر کیا ہے یسوع اپنے حافظے کے خزانے کی طرف جو آیات کلام اللہ سے معمور تھا متوجّہ ہوتا - اور فی الفور مناسب موقع ضروری ہتھیار نکال لاتا تھا - اکثر اوقات جب آزمائش آتی ہے تو اُس کے مقابلے کے لئے کلام اللہ کو تلاش کرنے کے لئے وقت نہیں ملتا - سب کچھ اس بات پر موقوف ہے کہ پہلے ہی سے شمشیر بدست مسلّح وتیار ہوں - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظے کو جب تک وہ کام دے سکے آیات کے ذخیرے سے بھرنا کیسا ضروری ہے ہم نہیں جانتے کہ آئندہ مصیبت اور کمزوری کے دنوں میں وہ کس قدر ہمارے کام آئینگی - روزانہ تلاوت میں جب ہم ایک باب کو پڑھ چکیں تو یہ نہایت عمدہ تدبیر ہے کہ اُس میں سے ایک آیت کو چن کر حفظ کرلیویں - اس سے نہ صرف تمام باب پر توجہ جم جاتی ہے بلکہ اس طور سے گویا ہم آئندہ لڑائیوں کے لئے گولہ بارود جمع کرتے ہیں ؂

(۲) اُبھارنے اور ہمّت بڑھانے کے لئے - مسیح نے جو حوالجات عہدِ عتیق سے دیئے - اُن سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے - کہ وہ زمانۂ سلف کے اُولوالعزم لوگوں کی صحبت میں جن کی زندگی کا حال عہدِ عتیق میں درج ہے بہت رہا کرتا تھا - اُس کے زمینی اہل مجلس اُس سے بہت کم ہمدردی رکھتے تھے - اُس کے اپنے گھر کے لوگ اُس پر ایمان نہ لائے - اُس کے اپنے ملک میں جیسا کہ وہ اکثر کہا کرتا تھا ایک شریر نسل بستی تھی جو اُن مقاصد کی طرف جن کو

اُس کے دل میں گہری جگہ تھی کچھ توجہ نہیں کرتی تھی۔ اُس کے اپنے پیرو دل اور رُوح میں بچّوں سے بڑھ کر تھے جن کو وہ اپنے خیالات کے سمجھنے کے لئے تربیت کر رہا تھا۔ اُس کا بھرا ہوا دل صحبت و رفاقت کا آرزومند تھا اور یہ رفاقت اُس کو صرف سلف کے جو انفرادل کے درمیان ملتی تھی۔ نوشتوں کی سُنسان گزرگاہوں اور شجر ستان کے درمیان وہ ابراہیم اور موسےٰ۔ داؤد اور الیاس۔ یسعیاہ اور اور بہتوں سے اسی طبیعت کے آدمیوں کے ساتھ ملاقی ہوا۔ ان لوگوں نے اُسی قسم کے مقاصد کے اتمام کے لئے اپنی زندگیاں بسر کی تھیں اور اُن کے لئے اُنہوں نے بھی اُس کی طرح تکلیفیں اُٹھائی تھیں۔ یہاں تک کہ وہی الفاظ جو یسعیاہ نے اپنے ہمعصروں کے حق میں کہے وہ اپنے زمانے کے لوگوں کی نسبت استعمال کرسکتا تھا۔ اگر یروشلم اُس کو ستاتی ہے تو وہ ہمیشہ سے وہی شہر ہے جس نے نبیوں کو قتل کیا۔ وہ کلام کی تلاوت میں اُن گزری ہوئی روحوں سے ایسا قریب ہوگیا اور اُسکے تفکّرات میں وہ ایسے ہماگزین ہوئے کہ آخرکار اُن میں سے دو جو سب سے بڑے تھے۔ یعنی موسےٰ اور الیاس۔ فی الواقع عالم غیرمرئی کی حدود سے عبور کرآئے۔ اور مقدس پہاڑ پر اُس سے بات چیت کرتے دکھائی دئے۔ لیکن یہ گفتگو اُن سیکڑوں گفتگوؤں کا آخری نتیجہ تھی جو وہ کتاب مقدس کے صفحات میں اُن سے اور دوسرے انبیا سے پہلے سے کیا کرتا تھا۔

بائبل کے اس استعمال سے لطف اُٹھانے کے لئے اُس طریق کی نسبت جو بچاؤ کے لئے کارآمد ہے ایک مختلف قسم کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ بچاؤ کے لئے جُدا جُدا آیات کے الفاظ کا یاد میں ہونا ضروری ہے۔ مگر اس بھاریوالی رفاقت کے لئے ہمارا مطالعہ زیادہ وسیع ہونا چاہئے۔ یہ ایک انسان کی زندگی

پر اُس کی ابتدا سے آخر تک حاوی ہونا چاہیئے۔ اس کے لئے اُس زمانے کا جاننا جس میں وہ پیدا ہوا اور اُن حالات کا سمجھنا جن کا اُسے مقابلہ کرنا پڑا ضرور ہے۔ ہم کو اُس آدمی کے متعلقہ اُمور کا اس قدر مطالعہ کرنا چاہیئے کہ اُس زمانے کا عالم ہماری آنکھوں میں پھر جائے اور وہ اُس میں چلتا پھرتا نظر آئے۔ ہمیں اُس کی آواز اور لہجہ کی پہچان حاصل کرنی چاہیئے۔ تب وہ ہمارا واقف بن جائیگا۔ ہمارے ساتھ سیر کریگا۔ ہم سے باتیں کریگا۔ ہمارا دوست اور رفیق ہوگا۔ مگر یہ شرف و عزت صرف اُسی کو حاصل ہے جو اپنی بائبل سے خوب واقف ہے۔ دُنیا میں خواہ وہ کیسی چیزوں سے گھرا ہوا کیوں نہ ہو تو بھی جب کبھی چاہے اپنے کو ایسی عمدہ صحبت میں منتقل کر سکتا ہے۔ جہاں ہر ایک پیشانی پر شرافت برستی ہے۔ ہر ایک آنکھ میں شجاعت چمکتی ہے۔ بلکہ جہاں کی ہوا بھی ایمان اُمید اور محبت سے معطر و مشکبار ہے۔

(۳) ہدایت و رہنمائی کے لئے۔ یسُوع اپنی بائبل کو بطور اپنی زندگی کے نقشے کے استعمال کرتا تھا۔ عالم اور دیندار لوگ اکثر اس مسئلے پر بحث کیا کرتے ہیں کہ کس عمر میں اُس کو کامل طور پر آگاہی ہوئی کہ وہ مسیح ہے۔ اور کن مدارج سے اُس کو اُس راستے کا صاف صاف علم حاصل ہوا جس پر اُسے چلنا تھا۔ مثلاً یہ کہ کس موقع پر اُس نے معلوم کیا کہ وہ ایک فتحمند نہیں۔ بلکہ مصیبت زدہ مُنجی ہوگا۔ اور اُن کا یہ خیال ہے کہ اُس نے یہ علم عہد عتیق کی نبوتوں کے مطالعہ سے جو اُس کے حق میں تھیں حاصل کیا۔ میں اپنے کو ایسی عمیق باتوں پر خیال دوڑانے کے قابل نہیں سمجھتا۔ مجھے یہ باتیں اُس سر کے حجاب کے پیچھے کہ اُس کی ذات میں خدا اور انسان ایک شخص واحد ہیں چھپی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر اُس کے کلام سے بہ آسانی نظر آتا ہے کہ اُس نے عہد عتیق کی

نبوتوں میں بڑی دلچسپی کے ساتھ اپنے راستے کا کھوج لگایا۔ جیسے کوئی شخص ایک نقشے میں کسی شہر کے راستے کا پتہ لگاتا ہے۔ انجیل میں بار بار یہ لکھا ہے کہ اُس نے فلاں فلاں باتیں کیں تاکہ فلاں فلاں نبوت پوری ہو۔ جو لوگ یوحنا بپتسمہ دینے والے اور دوسروں نے اُس کے پاس بھیجے اُن کو اُس نے دکھا دیا کہ کیسے لفظی طور سے اس کا طریق حیات مسیح کی تصویر سے جو یسعیاہ اور دیگر انبیا نے کھینچی ہے مطابق ہے۔ اُن ملاقاتوں کے موقعوں پر جو اُس نے اپنے جی اُٹھنے کے بعد اپنے شاگردوں سے کیں زیادہ تر اُس نے اُنکو موسےٰ اور دیگر انبیا کی کتابوں سے یہ دکھایا کہ اُس کی زندگی اور دُکھ اور موت ٹھیک طور پر اُن باتوں کو جو اُس کے حق میں کہی گئی تھیں پورا کرتے ہیں ؛

اس طور سے نوشتوں کے مطالعہ کرنے کے لئے اُس مطالعہ کی نسبت جو بچاؤ یا اُبھارنے کے لئے اوپر بیان کیا گیا۔ بہت عمیق مطالعہ کی ضرورت ہے اس غرض کے لئے ایک پرند چشمی نظارے[1] کی طاقت کی حاجت ہے جس سے ایک ہی نظر میں نوشتوں پر بہ حیثیت مجموعی نظر مار سکیں۔ اور اس طور سے اُن بڑی بڑی دھاروں کو جو شروع سے آخر تک اُس میں بہتی چلی گئی ہیں دریافت کر لیں۔ اور خاص کر صاف طور پر اُس بڑی وسطی دھارا کا کھوج لگائیں جسکی طرف اور سبھوں کا میلان ہے اور جس میں سب کی سب آخرکار مل جاتی ہیں ؛

ظاہراً بائبل کے مطالعہ کرنے میں مسیح کا یہی طریق تھا وہ اُسے لے کر اُس کی مجموعی حالت میں اُس کو استعمال کر سکتا تھا۔ ہم یہ بات اُس کے اکیلی آیتوں کے استعمال کے طریق میں بھی معلوم کرتے ہیں۔ وہ شاذ و نادر کوئی آیت نقل کرتا ہے جسکے ساتھ ہی وہ اُس کے بعض پوشیدہ معنی نہیں

[1] یعنی کسی چیز کا مجموعی نظارہ جیسے اُڑتے ہوئے جانور کو دکھائی دیتا ہے ؛

کھول دیتا۔ جس کا پہلے کسی کو گمان بھی نہ تھا۔ لیکن جو اُن کے ظاہر کئے جانے کے وقت سے سب کی آنکھوں میں صاف صاف ظاہر و روشن نظر آنے لگتے ہیں[1]۔ ہر زمانے میں کسی کسی شخص کو یہ قدرت حاصل ہوتی ہے۔ بعض اوقات تم کسی واعظ کو سنتے ہو جو ایک آیت کو ایسے طور پر نقل کرتا ہے کہ اُس کی صورت بالکل بدل جاتی اور اُس کے کلام میں موتی کی طرح چمکنے لگتی ہے۔ یہ طاقت کہاں سے حاصل ہوتی ہے؟ یہ اُس وقت ملتی ہے جبکہ دل بائبل کے قعر میں نیچے نیچے غوطے مارتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ نور کی بڑی جھیل تک جو تمام آیات کی تہ میں ہے پہنچ جاتا ہے اور تب اُس آتشی سمندر میں سے ایک شعلہ اُوپر اُٹھ آتا اور سطح پر روشنی پھیلاتا ہے۔

ہم بعض اکیلی آیات سے حظ اُٹھا کر کیسی جلدی سیر ہو جاتے ہیں! جو حضرت

[1] خداوند۔ آج صبح میں نے بائبل میں سے ایک باب پڑھا اور اُس میں ایک قابل یاد فقرہ دیکھا۔ جس کا میں نے پہلے کبھی خیال نہیں کیا تھا۔ کیوں ایسا ہوا کہ میں نے اُس کو اب دیکھا اور اس سے پہلے نہیں؟ اس سے پہلے بھی میری آنکھیں کھلی اور حروف ایسے ہی روشن تھے۔ کیا تیرے کلام کے اوپر ایک باریک سا پردہ نہیں پڑا رہتا جو مطالعے سے پتلا ہوتا جاتا اور آخرکار بالکل زائل ہو جاتا ہے؟ میں دیکھتا ہوں کہ تیرے کلام کا نیل کبھی کم نہیں ہوگا جب تک کوئی شخص خالی باسن اُس کے پاس لا سکتا ہے۔ عہدِ عتیق اُس شخص کے لئے جو علم حاصل کرنے کی تازہ خواہش کے ساتھ اُس کے پاس آتا ہے اب بھی عہدِ جدید کی مانند ہوگا۔ نوشتوں کے وہ مقامات جو ظاہراً بنجر و ویران معلوم ہوتے ہیں کیسے پُرثمر ہیں۔ یہ تیرے مالی ہیں جو ایسی زمین کو بگاڑتے ہیں۔ جہاں کہیں کلام اللہ کی سطح غلّے کے کھیتوں سے شگفتہ اور نغمہ زن نہیں وہاں اُس کا باطن معدنیات سے معمور و مسرور ہے۔ اور اس طور سے جہاں صاف باتیں نہیں وہاں پوشیدہ اسرار سے بھرپور ہے۔

اور تحریک ایک اکیلی آیت سے ملتی ہے بہت قیمتی تو ہے لیکن پاک نوشتے کی پوری کتاب اُس سے بھی بڑھ کر طاقتور دھکا لگا سکتی ہے۔ بشرطیکہ ہم اُس کو اوّل سے آخر تک پڑھ جائیں اور اُس کے پیغام کو بہ حیثیت مجموعی گرفت کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد ہم صحیفوں کے مجموعوں کو لیکر اُن پر غور کر سکتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی کر سکتے ہیں کہ ایک مضمون کو لیکر ساری بائبل میں سے گزر جائیں اور یہ دریافت کریں کہ اس مضمون پر اُس میں کیا تعلیم ہے۔ اور پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم آخرکار اُن تمام باتوں کو جن کی بائبل تعلیم دیتی ہے گرفت کرنے کی کوشش نہ کریں۔ یعنی ایک طرف تو ایمان کے بارے میں اور دوسری طرف چال چلن کے بارے میں اُس کی کُل تعلیم کو مطالعہ کریں *

نوشتوں کی معموری سے فائدہ اُٹھانے کے لئے سب سے اچھا ہدایت نامہ یہ ہے کہ ہم اُن کو یسوع کی مانند اس طرح ڈھونڈیں گویا کہ وہ ہماری زندگی کا نقشہ ہیں۔ البتہ یہ تو نہیں ہوگا کہ ہم بھی اُن میں اپنی زندگی کی ویسی ہی پوری تصویر کھنچی پائینگے جیسے اُس نے پائی۔ تاہم بالکل صحیح طور پر ہم اُس میں اپنی زندگی کی ٹھیک صورت اور نقش دریافت کرینگے۔ نصیحت اور وعدے اور مثال میں ہم دیکھینگے کہ ہر ایک کام جو ہمیں کرنا ہے۔ ہر ایک منصوبہ جو ہمیں باندھنا ہے۔ زندگی کا ہر ایک موڑ جس پر ہم نے پھرنا ہے اُس میں صاف طور پر تحریر کیا گیا ہے۔ اور اگر ہم اُس لکھے کے مطابق عمل کرینگے تو ہم بھی اُس کے بعد یہ کہہ سکینگے جیسا کہ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ "یہ ہوا تاکہ یہ نوشتہ پورا ہو" *

اگر ہم سرگرمی سے اس طریق پر چلینگے تو ہم اُس طریق کے جس سے

وہ نوشتوں کا مطالعہ کرتا تھا اور بھی قریب ہو جائینگے - کیونکہ وہ ضرور ہم کو اُس بڑی وسطی دھار تک پہنچا دیگا جو کہ تمام نوشتوں میں ابتدا سے انتہا تک برابر جاری ہے - یہ کیا ہے ؟ یہ خود مسیح ہی ہے - عہد عتیق کا تمام میلان اور بہاؤ سیدھا مسیح کی صلیب کی طرف ہے - تمام عہد جدید مسیح کی تصویر کے سوا اور کیا ہے ؟ جو آدمی کلام اللہ میں اپنی زندگی کا سچا راستہ ڈھونڈھیگا ضرور وہ اُس کو صلیب تک پہنچائیگا تاکہ ہلاک ہونے والے گناہگار کی حیثیت میں منجی کے زخموں میں رحمت کو ڈھونڈے - اور پھر اس مقام سے اُدھر کو کوچ کرکے وہ اپنا حقیقی راستہ آگے کو تلاش کرے - اور ضرور وہ یہ دیکھیگا کہ سامنے فاصلے پر وہ کاملیت کی تصویر جو یسوع مسیح میں ہے اُسکو منتظر و فریفتہ کرتی مگر برابر اپنی طرف کھینچتی چلی جاتی ہے *

۹

مسیح کا نمونہ کام کرنے میں

متی ۵ : ۲۴
〃 ۸ : ۱۶ و ۱۷
〃 ۹ : ۳۵
〃 ۱۱ : ۱ و ۴ و ۵
〃 ۱۲ : ۱۵
〃 ۱۳ : ۲
〃 ۱۴ : ۱۳ و ۱۴ و ۳۵ و ۳۶
〃 ۱۵ : ۳۰
〃 ۱۹ : ۱ و ۲

مرقس ۲ : ۲
〃 ۳ : ۲۰
〃 ۶ : ۳۱ و ۵۴-۵۶
〃 ۱۳ : ۳۴
〃 ۱۴ : ۸

لوقا ۶ : ۱۹
〃 ۱۰ : ۲
〃 ۱۲ : ۱
〃 ۱۳ : ۳۲ و ۳۳

یوحنّا ۲ : ۴
〃 ۴ : ۳۲-۳۴
〃 ۷ : ۶ و ۸
〃 ۹ : ۴
〃 ۱۲ : ۲۳
〃 ۱۷ : ۴
〃 ۱۹ : ۳۰

نواں باب

مسیح کا نمونہ کام کرنے میں

کام کی نسبت دو طرح کے خیال ہیں۔ایک تو یہ کہ جہاں تک ممکن ہو تھوڑا کریں۔اور دوسرا یہ کہ جہاں تک ممکن ہو زیادہ کریں۔ پہلا خیال مشرقی اور دوسرا مغربی کہا جا سکتا ہے۔مشرقی آدمی گرم ملک میں رہتا ہے جہاں حرکت و محنت بہت جلدی تھکا دیتی ہے۔اس کے لئے کاہلی سب سے زیادہ مزے دار چیز ہے اور اس لئے اگر ممکن ہو تو وہ اپنا وقت بیکاری اور خواب و استراحت میں گزارنا پسند کرتا ہے۔خود اس کا لباس ہی یعنی کھلے کھلے کپڑے اور ڈھیلی ڈھیلی پاپوش اس کے مذاق کو بخوبی ظاہر کرتا ہے۔برخلاف اس کے مغرب کا فرزند چلبلا مخلوق ہے۔وہ کاروبار کی دوڑ دھوپ اور انجام دہی کی خوشی کو زیادہ پسند کرتا ہے۔اس کے لباس میں بھی کچھ وضع دار کاٹ تراش نہیں پائی جاتی۔مگر اس کی نظر میں اس پوشاک میں ایک خوبی ہے جو اس کمی کا کافی معاوضہ ہے۔کیونکہ وہ نقل و حرکت اور کاروبار کے لئے بہت مناسب ہے۔ اس کی تفریحات بھی محنت طلب ہیں۔مشرقی آدمی جب کام سے فارغ ہوتا

ہے تو گُدگُدے فرش پر لیٹ جاتا ہے۔ لیکن اہل برطانیہ اپنے فرصت کے وقت کو فٹ بال کھیلنے یا سیر و شکار میں خرچ کرتے ہیں ؛

البتہ مغرب میں بھی مختلف اشخاص کے مذاق میں بہت کچھ باہمی اختلاف ہے سست مزاج لوگ کام کرنے میں ڈھیلے اور کاہلی پسند ہیں۔ اور تند مزاج لوگ بعض اوقات سعی و محنت کی گرم جوشی اس حد کو پہنچا دیتے ہیں کہ جبتک ایک طرح سے اشغال کے طوفان میں مبتلا نہ ہوں انہیں چین نہیں آتا بعض جماعتوں کی اصلی ہوس یہی ہے کہ اگر ممکن ہو تو ایسی حالت اختیار کریں جہاں انہیں کچھ کرنا نہ پڑے۔ جس کو وہ جنٹلمین بننا سمجھتے ہیں۔ مگر سمجھدار لوگ یہ جانتے ہیں کہ ایسی حالت کا لطف جب وہ حاصل بھی ہو جائے حصول کنندہ کی امید کے موافق نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ جب وہ روٹی کمانے کی فکر سے سبکدوش ہو جائے تو وہ اپنی مرضی سے جماعت کی یا کلیسیا کی ان بیش قیمت خدمات میں اپنے کو مصروف کردے جو اہل فرصت ہی اچھی طرح سرانجام کرسکتے ہیں اور جن پر زمانۂ حال میں سوسائٹی کی بہبودی کا زیادہ تر دارومدار ہے ؛

جب آدمی محض اپنے مذاق یا مزاج کے موافق اپنی زندگی کے کام کو انتخاب کرتے ہیں تو اُن کے درمیان اس قسم کے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ لیکن اور امور کی طرح اس امر کی نسبت بھی ہمارے خداوند نے اپنی تعلیم اور مثال سے خدا کی مرضی کو ہم پر ظاہر کیا ہے ؛

۱

اس سوال سے خود یہی واقعہ ایک لامحدود نسبت رکھتا ہے کہ یسوع ایک حرفتکار کی جھونپڑی میں پیدا ہوا۔ اور اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ بڑھئی کا

کام کرنے میں صرف کیا۔ ہم کبھی یہ نہیں مان سکتے کہ یہ بات اتفاق سے ہوئی کیونکہ ضرور ہے کہ مسیح کی زندگی کے ذرا ذرا سے واقعات و حالات بھی خدا کی طرف سے مقرر کئے گئے ہوں۔ یہودی اُمید کرتے تھے کہ مسیح ایک بادشاہ ہوگا۔ لیکن خدا نے یہ ٹھہرایا کہ وہ ایک حرفت کار آدمی ہو۔ اور اس لئے یسوع کو بڑھئی کی حیثیت سے ناصرت کے دیہاتیوں کی جھونپڑیاں اُسارنا کسان کا چھکڑا بنانا۔ اور شاید بچوں کے کھلونوں کی بھی مرمت کرنی پڑتی ہوگی۔

اس بات سے محنت کو ایک بے زوال عزت ملتی ہے۔ یونانی اور رومی دستی محنت کو حقیر جانتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ صرف غلاموں کا کام ہے اور یہ قدیمی خیال بہ آسانی لوگوں کے دلوں میں گھس آتا ہے۔ لیکن ابنِ آدم کی مثال ہمیشہ شریفانہ محنت کی عزت کو محفوظ رکھیگی اور صناع کا دل اپنے کام کے وقت خوشی سے گائیگا جب وہ یہ یاد کریگا کہ یسوعِ ناصری بھی اپنی دکان میں بیٹھ کر بڑھئی کے اوزاروں کو استعمال کرتا تھا۔

محنت میں بہت طرح کی خوبیاں ہیں۔ اس سے ہم حیوانی دُنیا اور قدرتی اشیا پر جو زمین سے لی جاتی ہیں۔ ایک زندہ دل و دماغ کے دستخط کو ثبت کرتے ہیں جو اُس حکیم مطلق کا نقش اور تصویر ہے۔ یہ بات بنی نوع کی خوشی بڑھانے میں مدد دیتی ہے اور اس سے ہر فرد بشر اپنے تمام ہم جنس مخلوقوں کے ہمراہ اپنی ملکیت پر قابض ہونے کے مشترک کام میں شریک ہوتا ہے۔ اس سے خود فاعل پر بھی اثر پڑتا ہے۔ یہ صبر ہمدردی اور دیانت کا روزانہ مدرسہ ہے۔ جو آدمی اپنے کام سے بھاگتا ہے اپنے کو ذلیل کرتا ہے۔

ہمارے زمانے کے لوگوں نے ان سچائیوں کو بخوبی سیکھ لیا ہے کیونکہ انکو اُس کے بہت سے دانا اور ہر دلعزیز معلموں نے شرح و بسط کے ساتھ اُنکے

سامنے بیان کر دیا ہے۔ اور اس صدی کے لٹریچر میں بہ نسبت اُس تعلیم کے جو محنت کی انجیل کہلاتی ہے کوئی زیادہ صحت بخش جزو نہیں۔ اس نے بہت آدمیوں کو سکھایا ہے کہ اپنے کام کو پورے طور پر سرانجام کریں نہ فقط اس لئے کہ اُس کا دام ملتا ہے بلکہ اس لئے کہ آدمی کو خود کام میں کام ہی کی خاطر سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور خود داری کے خیال نے انسان کے دل میں اس قدر گھر کر لیا ہے کہ جس بات کو وہ خود بناوٹ یا پاکھنڈ سمجھتا ہے اُس کو کام کے نام سے نہیں پکارتا ۔

۳

اگرچہ عام سے عام کام بھی جو اچھی طرح کیا جائے عزت بخش ہے۔ تو بھی ہر قسم کا کام یکساں عزت نہیں رکھتا۔ بعض ایسے پیشے ہیں جنہیں آدمی دوسرے پیشوں کی نسبت اپنے ہمجنسوں کی بہتری میں بہت زیادہ اور ضروری امور میں مدد دے سکتا ہے اور اس لئے عزت کے پیمانے میں اُن کو سب سے اعلےٰ رتبہ حاصل ہے ۔

اسی اصول کے مطابق یسوع نے عمل کیا جب اُس نے بڑھئی کا کام چھوڑ کر منادی کرنے اور شفا بخشنے کا کام اختیار کیا۔ ان دونوں سے بڑھکر اور کوئی پیشہ زیادہ معزز نہیں۔ ایک تو سیدھا رُوح کی خدمت کرتا ہے اور دوسرا جسم کی۔ مگر اُن کو اختیار کرنے سے یسوع نے واعظ اور طبیب کے کام پر ایک تازہ عزت کی مُہر لگادی اور اُس وقت سے ان دونوں قسم کے بہت سے پیشہ وروں نے اپنے فرائض کو زیادہ گہری گرمجوشی اور حظِ دلی کے ساتھ سرانجام دیا ہے محض اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ اس کام میں وہ مسیح کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں ۔

لیکن اگرچہ اُس کا کام تبدیل ہو گیا تو بھی وہ پہلے کی نسبت کچھ کم حرفت کار نہیں تھا۔ دستی اور دماغی پیشہ وروں کے درمیان یہ امر عام طور پر زیر بحث رہا ہے کہ آیا دستی محنت زیادہ سخت ہے یا دماغی۔ صنّاع خیال کرتا ہے کہ اُسکا خوش لباس ہمسایہ جس کو موٹی سوٹی اشیا کو چھونا یا بھاری بوجھ اُٹھانا نہیں پڑتا۔ عزت سے زندگی بسر کرتا ہے۔ حالانکہ دوسرا پیشہ ور جو فکر اور ذمہ داری کے بوجھ سے لدا ہوا ہے۔ صنّاع کے مقررہ اوقات کار تنگی اور اُس کے محدود کام اور فکروں سے آزادی پر رشک کھاتا ہے۔ یہ جھگڑا تو کبھی ختم ہونے کا نہیں۔ مگر کم سے کم یسوع کے مقدمے میں یہ بات تحقیق ہے کہ فی الحقیقت جب اُس نے اپنے نئے کام کو ہاتھ میں لیا تو اُس کی زندگی کا مشکل کام شروع ہوا۔ اُس کے تین سال کا کام جو اُس نے وعظ کرنے اور شفا بخشنے میں خرچ کئے ایسا محنت طلب تھا کہ اُس کی مثال نہیں ملتی۔ جہاں کہیں وہ جاتا لوگوں کی جماعتیں اُس کے پیچھے لگی رہتیں۔ جب وہ کسی نئے علاقے میں جاتا تو لوگ تمام علاقے میں خبر بھیج کر سب روح یا جسم کے بیماروں کو اُس کے پاس لاتے تھے۔ بعض اوقات لوگ ایسی کثرت سے جمع ہو جاتے تھے کہ ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ اور بعض اوقات اُسے کھانا کھانے کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔ وہ برابر اسی طرح کام کی کثرت اور اجتماع سے گھرا رہتا تھا۔ ہم میں سے بہت ایسے ہیں جن کو اس زمانے میں اسی طرح کی زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ لیکن ہم یسوع پر نظر کر کے دیکھ سکتے ہیں کہ اُس نے کس روح میں اس بوجھ کو اُٹھایا +

۳

مسیح کی تعلیم میں اس امر کے متعلق بہت سے اقوال ہیں کہ ہم دُنیا کے ہر ایک قسم

کے کام میں اپنا وقت اور طاقت صرف کرنے کے لئے بھی جواب دہ ہیں۔ ہم سب خادم ہیں۔ اور ہم میں سے ہر ایک کو الٰہی کاروار نے اپنا کوئی نہ کوئی کام سپرد کر رکھا ہے۔ اور جب وہ واپس آئیگا تو سختی سے حساب لیگا کہ آیا وہ کام ہوا ہے یا نہیں ؂

اس امر میں نہایت پُر معنی اور سنجیدہ توڑوں کی ہیبت ناک تمثیل ہے۔ آقا ایک دُور ملک کے سفر پر جاتے ہوئے اپنے نوکروں میں سے ہر ایک کے پاس کچھ روپیہ چھوڑ جاتا ہے۔ ایک کے پاس زیادہ دوسرے کے پاس کم تا کہ اُسکی غیر حاضری میں ہر ایک اُس روپیہ کو اچھی طرح سے کام میں لائے۔ جب وہ واپس آتا ہے تو نہ صرف اُن سے اصل رقم طلب کرتا ہے بلکہ زائد نفع بھی جو اُس سے حاصل ہوا ہو جنہوں نے محنت کے ساتھ اپنے روپے کا استعمال کیا اپنے خداوند کی خوشی میں داخل ہوتے ہیں۔ لیکن وہ خادم جس نے اپنے توڑے کو کام میں نہیں لگایا۔ باہر کی تاریکی میں ڈالا جاتا ہے۔ اس تمثیل سے سچ مچ ایک ہیبت ناک سبق ملتا ہے۔ صاف صاف اسکے یہی معلوم ہوتے ہیں کہ آخری روزِ انصاف کو خدا ہم سے اُن لیاقتوں اور موقعوں کے مطابق جو اُس نے ہم کو عطا کئے۔ ہم سے کام کا حساب طلب کریگا۔ اور اگر ہم نے اُن سے کچھ کام نہیں لیا جیسا کہ ایک توڑے والے آدمی کا حال تھا تو صرف یہی بات ہم پر فتوے لگانے کے لئے کافی ہوگی۔ یہ ضرور نہیں کہ ہم نے بُری باتوں میں وقت کو ضائع کیا اور طاقت اور روپے اور دوسری قابلیتوں کو زائل کیا ہے۔ بلکہ فقط اُن کو زندگی کے کام میں صرف کرنے سے قاصر رہنا ہی ہم کو شریعت کی سب سے سنگین سزا کا سزاوار ٹھیرائیگا ؂

زندگی کی نسبت ایسا خیال رکھنا ایک نہایت سخت خیال تو ہے۔ لیکن یہی خیال تھا جس کے مطابق یسوع نے اپنی زندگی کاٹی۔ وہ جن باتوں کی منادی کرتا تھا اُن پر خود بھی عمل کرتا تھا۔ بلاشبہ اُسکو یہ آگاہی تھی کہ وہ اس بے انتہا کارخانہ

قدرت کا مالک ہے اور دوسروں پر ایسا اثر ڈال سکتا ہے۔ جس سے افراد انسانی پر اور تاریخ میں بیشمار تبدیلیاں واقع ہوں۔ لیکن اس اثر کو پھیلانے اور اُس کو دُنیا پر نقش کرنے کے لئے جو وقت اُس کو ملا بہت قلیل تھا۔ وہ اس بات کو جانتا تھا۔ اور ہمیشہ ایسے شخص کی مانند کام کرتا تھا جس کے پاس کرنے کو بہت کام ہو۔ مگر کرنے کے لئے وقت تھوڑا ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی زندگی کی ہر ایک گھڑی کے ساتھ اُس کے کام کا خاص خاص حصہ مخصوص تھا۔ کیونکہ جب کبھی اُس کو کسی ایسے کام کے کرنے کے لئے کہا جاتا۔ جو اُس کے نزدیک پیش از وقت ہوتا تو وہ کہہ دیتا تھا کہ میرا وقت ہنوز نہیں آیا اُسکے نزدیک ہر ایک کام اپنی خاص خاص گھڑی رکھتا تھا۔ اس سبب سے وہ ہر وقت خطرے کے مقابلے پر دلیر تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جب تک اُس کا کام نہ ہو چکے۔ وہ مرنے کا نہیں۔ جیسا کہ اُس نے خود کہا کہ۔ انسانی زندگی کے دن میں بارہ گھنٹے ہیں اور جب تک یہ نہ گزر جائیں۔ انسان خدائے کارساز کی ڈھال کے نیچے ہر ایک خطرے سے محفوظ ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ اُس کی رُوح پر سرگرمی کی دھار زیادہ تیز ہوتی گئی۔ اور اُسکی زندگی کا مقصد اُس کے اندر زیادہ زیادہ فروزاں ہوتا گیا۔ اور وہ کیسا تنگ تھا جبتک کہ وہ پورا نہ ہوا۔ یروشلم کو آخری سفر کرتے وقت جب وہ راہ میں آگے آگے جاتا تھا تب اُسکے شاگردوں کی نسبت لکھا ہے کہ " وہ حیران ہوئے اور پیچھے چلتے چلتے بہت ڈر گئے "۔ وہ کہا کرتا تھا کہ " ضرور ہے کہ جس نے مجھے بھیجا اُس کے کاموں کو جب تک کہ دن ہے کروں۔ رات آتی ہے اور کوئی اُس وقت کام نہیں کر سکتا "۔

۴

جب آدمی کام کر چکتا اور خوب کر چکتا ہے تو اُس سے ایک گھری باطنی خوشی

حاصل ہوتی ہے۔ نہایت ادنٰے صنّاع بھی اس خوشی کو محسوس کرتا ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ وہ چیز جس کو وہ بنا رہا تھا اُس کے ہاتھ سے کامل طور پر بن گئی شاعر یقیناً اُس کو محسوس کرتا ہے۔جب وہ اُس کام کے آخر میں جس پر اُس نے اپنے ذہن و ذکا کی ساری قوّتوں کو خرچ کر دیا تمّت لکھتا ہے۔ ولیم ولبرفورس کو کسقدر خوشی حاصل ہوئی ہوگی جب اُس نے اپنے بسترِ مرگ پر یہ سُنا ہوگا کہ اُس معاملے کو جس کے لئے اُس نے زندگی بھر محنت و جانفشانی کی فتح حاصل ہو گئی۔ اور یہ جانکر کہ اُس کے مرتے وقت برطانیہ کے مقبوضات کے کسی حصّے میں ایک بھی غلام باقی نہیں رہیگا۔اُس کی رُوح میں کس قدر تسلّی اور اطمینان پیدا ہوا ہوگا ۔

یسُوع نے بھی خوشی کے اس چشمے سے خوب دل کھول کر پیا۔ جو کام وہ کر رہا تھا اپنی تکمیل کے ہر ایک درجے میں کامل طور پر کیا گیا۔ اور یہ کام نہایت فائدہ بخش اور دیرپا تھا۔ جب اُس نے اُس کے تمام اجزا کو یکے بعد دیگرے پورا ہو کر اپنے ہاتھ سے نکلتے دیکھا۔جب اُس نے ساعتوں کو خدا کے مقرّر کئے ہوئے کام سے لدے ہوئے زمانۂ ماضی میں گزرتے دیکھا تو ضرور اپنے دل میں کہتا ہوگا کہ "میرا کھانا یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی بجا لاؤں اور اُس کا کام پورا کروں"۔ اور اپنی موت کے وقت جبکہ اُس نے اُس بڑے نقشے کا آخری پیچ کھُلتے دیکھا تو اُس وقت بھی اس دُنیا سے کوچ کرنے کے وقت یہ صدا اُس کے لبوں پر تھی کہ "پورا ہوا"۔ اُس نے مرتے دم یہ ایسی آواز نکالی جیسے کہ ایک سپاہی میدان جنگ میں اپنے ہوش کے آخری لمحے میں یہ دیکھکر کہ اُس لڑائی میں جس پر اُس نے اپنی زندگی قربان کر دی شاندار فتح حاصل ہوئی نکالتا ہے۔ لیکن مسیح کے کام کی فتح یابی اور انعام کا کبھی خاتمہ

نہیں ہوتا۔ کیونکہ اب بھی اُس کے کارناموں کے نتائج زماناً بعد زمانٍ ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ جوں جوں اُس کا کلام لوگوں کے دلوں میں جگہ پکڑتا جاتا۔ جوں جوں اُس کی تاثیر دُنیا کی صورت کو بدلتی جاتی۔ اور جوں جوں آسمان اُن لوگوں سے جن کو اُس نے خلاصی بخشی بھرتا جاتا ہے۔ ووں ووں وہ اپنی جان ہی کا دُکھ اُٹھا کے اُسے دیکھیگا اور سیر ہوگا ؏



آرام زندگی کا ایسا ہی ضروری حصہ ہے جیسا کام۔ بلکہ خود کام کی خاطر سے بھی اس کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس سے کام کرنے والا بحال ہوجاتا اور اپنی تمام قوت میں تروتازگی حاصل کرکے اپنے کام کو بوجہ احسن انجام کرنے کے قابل بن جاتا ہے۔ یسوع آرام کرنا بھی جانتا تھا اور کام کرنا بھی۔ اگرچہ اُس کی زندگی میں ہمیشہ جلدی پڑی رہتی تھی مگر جلدبازی نہ تھی۔ گو کام کا بہت دباؤ تھا لیکن گھبراہٹ نہ تھی۔ اُس کے مزاج میں یہ سب تبدیل قائم مزاجی اطمینان اور خودداری نہایت روشن و عیاں ہے ؏

اُس نے کبھی کوئی کام نہیں کیا جس کے لئے پہلے سے وہ تیار نہ تھا۔ جیسے اُس نے کبھی کوئی کام مناسب وقت سے پہلے نہیں کیا ویسے ہی کبھی مناسب وقت سے پیچھے بھی نہیں کیا۔ زندگی کی آدھی دِقت اور گھبراہٹ بے وقت کام کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ ذہن یا توکل کی مشکلات کا آج فکر کرنے سے کمزور ہوجاتا یا آج کے کام کے علاوہ گزرے کل کا کام بھی اکٹھا کرنے سے ماندہ ہوجاتا ہے۔ خدا کبھی نہیں چاہتا کہ ہم ایک دن میں جتنا وقت ملے اُس سے زیادہ کام کریں۔ اور معلوم ہوجائیگا کہ ہر ایک دن میں اُس دن کا کام کرنے کے لئے کافی موقع ہے بشرطیکہ گزشتہ دن کے کام اور آئندہ دن کے فکر کا بوجھ اُس پر لدا ہوا نہ ہو ؏

یسوع ہر ایک فرض کے واسطے تیار رہتا تھا۔ کیونکہ وہ اُس سے پہلے فرض کو پورا کر چکنے سے طاقتوری حاصل کر کے دوسرے فرض تک پہنچتا تھا۔ اُسکا بڑھئی کا کام مُنادی کے کام کے لئے تیاری تھی۔ اس سے اُس کو انسانی فطرت اور انسانی طبیعت سے واقفیت حاصل ہوئی۔ خصوصاً غربا کی خوشی غمی اور رنج و راحت سے جن کو بعد ازاں مُنادی کرنا وہ اپنا فخر سمجھتا تھا شناسائی ہوگئی۔ بہت سے واعظ اگرچہ کتابی علم خوب رکھتے ہیں تو بھی اپنے کام میں قاصر رہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ لوگوں کے حالات سے واقف نہیں ہوتے۔ مگر یسوع محتاج نہ تھا کہ کوئی انسان کے حق میں گواہی دے۔ کیونکہ وہ آپ جو کچھ کہ انسان میں تھا جانتا تھا۔ اُس نے جبتک وہ تیس برس کا نہ ہوا۔ تجربے کا یہ مدرسہ نہ چھوڑا۔ اگرچہ وہ یقیناً اُس کام کے کرنے کا جو اُسکے سامنے تھا بہت مشتاق تھا تو بھی وہ پیش از وقت اُس میں کود نہیں پڑا۔ بلکہ گمنامی کی حالت میں اُس وقت کا منتظر رہا جب تک کہ ذہن اور جسم نے پورا نشوونما حاصل نہ کر لیا اور ہر ایک بات پختہ نہ ہولی اور تب وہ اپنی طاقت کی بزرگی اور قوت میں باہر نکل آیا اور اپنے کام کو پھرتی کے ساتھ یقینی اور کامل طور پر سرانجام دیا۔

لیکن کام کے اثنا میں بھی وہ ایسے وسائل استعمال کرتا تھا جس سے اُسکی خودسری اور اطمینانِ قلب محفوظ رہے۔ جب لوگوں کی بھیڑ بہت بڑھ جاتی اور بہت زیادہ دیر تک ٹھیرتی تو وہ ویرانے میں چلا جاتا تھا۔ جب وہ یہ معلوم کرتا کہ اُس کو اپنے استقلال اور خودداری کو برقرار رکھنے کی حاجت ہے۔ تو اُس وقت نہ تو مُنادی کی خواہش نہ بیماروں اور نیم جانوں کی التجائیں اُس کو روک سکتی تھیں۔ کثرتِ کار کے ایام کے بعد لوگوں کے سامنے سے وہ غائب ہو جاتا تا کہ اپنے جسم کو نیچر کے کنار میں اور اپنی رُوح کو خدا کے آغوش میں ڈال کر تر و تازگی حاصل کرے۔ جب وہ اپنے شاگردوں کو ماندہ و پریشان دیکھتا تو کہتا۔ ”آؤ الگ ویرانے میں

چلو اور ذرا استاؤ"۔ کیونکہ مقدس سے مقدس کام میں بھی اپنے آپ کو کھو بیٹھنا ممکن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آدمی لوگوں کی درخواستوں اور حاجتوں کو پورا کرنے میں ایسا غرق ہو جائے کہ اُسے خدا کے ساتھ میل و رفاقت کرنے کی بھی فرصت نہ رہے۔ گرم جوش خادم الدین ہر ایک شخص کو خوش کرنے کی خواہش اور گرم جوشی سے افروختہ ہو کر اپنے مطالعہ سے غفلت کرتا اور اپنے ذہن کو بھوکا مرنے دیتا ہے۔ اور اُس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہوتا ہے کہ اُس کا کلام۔ باسی۔ روکھا پھیکا۔ اور نا فائدہ بخش ہو جاتا ہے۔ اور وہی لوگ جنکی التجاؤں کے جواب میں اُس نے اپنے اصلی کام میں ہرج واقع کیا تھا سب سے پہلے مُنہ پھیر کر اُس کے گلہ و شکایت پر کمر باندھتے ہیں *

دُنیا کے محنتی لوگوں کی بڑی تعداد کے واسطے آرام کا سب سے بڑا موقعہ روزِ سبت ہے۔ یسوع نے بھی اس دستور کو محفوظ رکھا۔ اور یہ قرار دیا کہ سبت انسان کے لئے بنایا گیا ہے۔ اور اس لئے کسی کو یہ حق نہیں کہ اُس کو اُس سے چھین لے۔ اُس کے زمانے میں فریسی لوگ اُس کو چھین لینے کی کوشش کرتے تھے۔ کیونکہ اُنھوں نے اُسکو پاک خوشی کے دن سے تبدیل کر کے اُس میں ایسے کانٹے لگا دئے جو ضمیر کو زخمی کر دیتے تھے۔ یہ خطرہ اب بھی گُزر نہیں گیا۔ لیکن ہمارے زمانے میں یہ حملہ دوسری طرف سے ہوتا ہے یعنی اتنا فریسیوں سے نہیں جتنا صدوقیوں سے۔ زمانۂ حال میں سبت کے خلاف جو تحریکیں ہوتی ہیں قریباً سب کی سب ایسی ہیں جن کے بانی کاہل دولتمند لوگ ہیں جو طبعی طور پر چھ دن عیش و عشرت میں صرف کرنے کے بعد خاموشی اور آرام کے ایک ایسے دن کی کچھ خواہش نہیں رکھتے۔ جبکہ اُنہیں اپنے اندر نظر کرنی اور اپنے آپ سے رو در رو ہونا پڑے۔ اگر وہ چوتھے حکم کے پہلے حصّے کو مانتے کہ "چھ دن تو اپنا کاروبار کرنا" تو وہ دوسرے حصّے کو بھی اچھی طرح سے سمجھ سکتے۔ البتّہ وہ عموماً یہ ظاہر

کرتے ہیں کہ وہ غربا کے فائدے کے لئے یہ تحریک کرتے ہیں مگر وہ غربا کا نام بے فائدہ لیتے ہیں۔ کیونکہ غربا اُن کی نسبت اس معاملے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جہاں کہیں سبت کی حرمت کو توڑا جاتا ہے وہاں غریب آدمیوں کو چھہ کی جگہ سات دن محنت کرنی پڑتی ہے۔ جہاں کہیں یوروپ کے اَور ملکوں کی طرح اتوار منانے کا رواج ہے وہاں کلوں کا شور و غوغا سنیچر کی طرح سبت کو بھی برابر سنا جاتا ہے۔ اس ملک کے یعنی انگلستان کے محنتور لوگ اگر کبھی خداوند کے روز کی پاکیزگی کے دُور کرنے کی تحریک کو تسلیم کر لینگے تو اُن کو اس بات کی سچائی معلوم ہو جائیگی کہ۔ وہ جو خدا کی عزت کرتے اُن کی عزت ہوتی لیکن وہ جو اُسکو حقیر جانتے اُن کی کم قدری ہوتی ہے۔ خود ہمارے ہندوستان میں جو خرابیاں آرام کے روز کی حرمت نہ کرنے کے سبب پیدا ہو رہی ہیں وہ بیان کی محتاج نہیں؁

مگر یہ مسئلہ کہ سبت کو کس طرح منایا جائے ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جوں جوں طریقِ معاشرت کی بیرونی حالتوں میں تبدیلی واقع ہوتی ہے ہمیشہ تازہ غور و فکر کا محتاج ہے۔ آرام کا روز اُسی وقت صحیح طور سے صرف ہوگا جبکہ اُس میں آدمی کے لئے خوشی اور خداوند کے لئے تقدیس ہو۔ لیکن یقیناً اُن تمام پھلوں کو حاصل کرنے کے لئے جن کے واسطے یہ مقرر ہوا تھا سب سے عمدہ طریق یہ ہے کہ اُس کو اُسی خداوند کی رُوح اور رفاقت میں صرف کریں۔ جس کے نام پر وہ خداوند کا دن کہلاتا ہے؁

۱۰

مسیح کا نمونہ دُکھ اُٹھانے میں

متی ۲ : ۱۳ - ۱۸
" ۴ : ۱
" ۸ : ۱۶ و ۱۷ و ۲۰
" ۹ : ۳
" ۱۱ : ۱۹
" ۱۲ : ۲۴
" ۱۳ : ۵۴ - ۵۸
" ۱۶ : ۲۱
" ۱۷ : ۲۲ و ۲۳
" ۲۰ : ۱۷ - ۱۹
" ۲۶ باب
" ۲۷ باب

مرقس ۳ : ۲۱ و ۲۲
" ۸ : ۱۷ - ۲۱
" ۹ : ۱۹
" ۱۴ : ۵۰

لوقا ۴ : ۲۸ و ۲۹
" ۶ : ۷
" ۱۱ : ۵۳ و ۵۴
" ۱۶ : ۱۴

یوحنا ۶ : ۶۶
" ۷ : ۷ و ۱۲ و ۱۹ و ۲۰ و ۳۲ و ۵۲
" ۹ : ۱۶ و ۲۲ و ۲۹
" ۱۰ : ۲۰
" ۱۲ : ۱۰ و ۱۱ و ۲۷
" ۱۵ : ۱۸
" ۱۷ : ۱۴
" ۱۸ : ۲۳

دسواں باب

مسیح کا نمونہ دکھ اٹھانے میں

۱

کام زندگی کا صرف آدھا حصہ ہے۔ اس کا دوسرا حصہ دکھ ہے۔ کرۂ حیاتِ انسانی کا ایک نصف تو کام کی دھوپ سے منور ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے پر شبِ مصیبت کی تاریکی چھا جاتی ہے۔ البتہ یہ تو نہیں کہ انسانی زندگی میں بھی یہ حالتیں یکے بعد دیگرے اسی تواتر کے ساتھ آتی ہیں۔ جیسے کہ زمین گھومتی ہوئی تاریکی سے روشنی میں اور پھر روشنی سے تاریکی میں چلی جاتی ہے۔ جس نسبت سے یہ دونوں عناصر مختلف اشخاص کے نصیب میں آئے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی اور چیز رازِ سربستہ نہیں۔ بعض تو قریباً ساری عمر کامیابی اور عیش و راحت میں خرچ کرتے ہیں اور بیماری مفارقت اور ناکامی کے نام سے بھی واقف نہیں۔ اور بعض ایسے ہیں۔ جن کو گویا دکھ و مصیبت نے اپنا ہی بنا رکھا ہے۔ زندگی بھر وہ "آشنائے رنج" رہتے ہیں۔ ماتمی لباس بمشکل ان کے جسم سے علیحدہ ہوتا ہے۔ کیونکہ موت وقت بے وقت

اگر اُن کا دروازہ کھٹکھٹاتی اور اُن کے عزیزوں کو لے جاتی ہے۔ اُن کی اپنی صحت بھی نازک حالت میں ہے۔ اور خواہ کیسی ہی اعلےٰ اور بلند مہمّات کے خیالات اُن کے دلوں میں پیدا کیوں نہ ہوں۔ جوں ہی دل کا جوش ٹھنڈا ہوتا ہے وہ جان لیتے ہیں کہ اِن اُولوالعزمیوں کو پورا کرنے کے لئے اُن کے جسم میں طاقت نہیں ؏

اگر تم خوش نصیب ہو اور کبھی ایک دن بھی تمہیں بیمار رہنے کا اتفاق نہیں ہوا اور اپنے کام میں خوش ہو۔ کیونکہ تم دیکھتے ہو کہ وہ دن بدن بڑھتا اور سرسبز ہوتا جاتا ہے۔ تو جاؤ اور ایک مُہلک مرض کے مریض کے سرہانے کھڑے ہو۔ وہاں تم معلوم کروگے کہ ایک دماغ جو تم سے زیادہ قابلیتیں رکھتا اور ایک دل جو تمہاری طرح محبّت کرنے اور زندگی کا لُطف اُٹھانے کے لائق ہے پڑا ہے۔ لیکن ایک پوشیدہ زنجیر نے اُس کے اعضا کو باندھ رکھا ہے اور اگرچہ یہ تلخ زندگی دس یا بیس سال تک قائم بھی رہی۔ تو بھی یہ صورت اپنی طاقت سے اپنے بستر پر سے کبھی نہیں اُٹھیگی۔ اب بتاؤ تمہارا فلسفہ اس قسم کے نظارے سے کیا نتیجہ نکالتا ہے؟ لیکن یہ دُکھ مصیبت اُن سب کی جو ہزارہا صورتوں میں ہر روز واقع ہو رہے ہیں صرف ایک قسم کی مثال ہے۔ فرزندانِ غم بے شمار ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ کس وقت اُس کے کام کی زندگی مصیبت کی زندگی میں بدل جائیگی؟ اور کس وقت اس نیلے گنبد سے بجلی گر کر سب کچھ تبدیل کردیگی؟ ہوسکتا ہے کہ ایک بادل جو آدمی کے ہاتھ سے بڑا نہ ہو رفتہ رفتہ ایسا بڑا ہو جائے کہ آسمان کو ایک طرف سے دوسری طرف تک گھٹا ٹوپ تاریکی کا لباس پہنا دے۔ اور اگر کوئی ایسا خوفناک وبال نہ بھی پڑے تو بھی زمانہ ہر ایک کے لئے جُدا جُدا مصیبتوں کا

حصہ اپنے ساتھ لاتا ہے ؎

گلہ باں خواہ کتنی ہی گلّے کی رکھوالی کرے
کب ہے ممکن کوئی برّہ اُس میں مُردہ نہ ملے؟
ساری دُنیا میں کوئی محفوظ گھر ایسا نہیں
جسکے کُنبے میں کسی پیارے کی خالی جا نہیں

اس لئے دُکھ مصیبت زندگی میں کوئی ایسی ویسی بات نہیں جس سے قطع نظر کرسکیں۔ اگر ہم کو ایسے شخص کی حاجت ہے جو ہمیں یہ دکھائے کہ کام کس طرح کرنا چاہیئے۔ تو ہم ایسے شخص کے بھی کچھ کم محتاج نہیں جو ہمیں سکھائے کہ دُکھ کس طرح اُٹھانا چاہیئے۔ اور یہاں بھی ابنِ آدم ہماری مدد کو پہنچتا ہے۔ اگرچہ وہ بڑا کام لینے والا ہے۔ اور ہر ایک نوجوان اور چست و چالاک آدمی کو جرأت کرنے اور زور مارنے کے لئے بُلاتا ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ مصیبت زدہ کا دوست بھی ہے۔ اُس کے گرداگرد کمزور مصیبت زدہ اور ستم رسیدہ لوگ جمع ہیں۔ جب اُس نے صلیب پر سے پُکارا کہ "پورا ہوا" تو ان الفاظ میں نہ صرف اُس زندگی کے کام کی طرف اشارہ تھا جو کامیابی کے ساتھ سرانجام کو پہنچا۔ بلکہ مصیبت کے پیالے کی طرف بھی جسکے آخری قطرے تک کو وہ نوش کرگیا ؎

۲

(۱) یسوع نے وہ سب تکلیفیں اُٹھائیں جو انسان پر عموماً پڑا کرتی ہیں۔ وہ اصطبل میں پیدا ہوا اور چرنی میں رکھا گیا۔ اور اس طرح گویا اپنی زندگی کے شروع ہوتے ہی مصیبت کی تاریک رات میں داخل ہوا۔ ہم اُس معاشرتی حالت سے جس میں اُس نے پرورش پائی کم واقف ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے

کہ مریم کے گھر میں اُس کو بہت کچھ محتاجی اور بدبختی سے واسطہ پڑا یا نہیں۔ مگر اُس کے بعد کی حالت میں ہم خود اُس کے مُنہ سے یہ الفاظ سُنتے ہیں کہ "لومڑیوں کے لئے ماندیں ہیں اور پرندوں کے لئے بسیرے۔ مگر ابنِ آدم کے لئے اتنی جگہ نہیں جہاں اپنا سر دھرے"۔ بنی آدم میں کم ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ کوئی شخص ایسی بُری اور ادنےٰ حالت کو پہنچ جائے۔ کہ حیوانوں کی ماندوں اور جانوروں کے گھونسلوں پر رشک کرنے لگے۔ یہ ایک کلیہ قاعدہ ہے کہ انسانی زندگی کا آخری وقت۔ جب وہ مکان جس میں رُوح کو جگہ ملے ٹوٹ جاتا ہے ضرور کم و بیش دُکھ و مصیبت سے بھرا ہوتا ہے۔ مگر جسمانی تکلیف جو یسوع نے آخری دم اُٹھائی نہایت ہی سخت قسم کی تھی۔ یاد کرو کہ کس طرح گتسمنی کے باغ میں اُس کے خون کا پسینہ بہ نکلا۔ کس طرح بیرحم سپاہیوں نے اُس کو ستون سے باندھ کر زور زور سے کوڑے مارے۔ اُس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا۔ اور اُس نے صلیب کی ناقابلِ بیان عقوبت اور درد برداشت کی۔ ہم دعوے سے گو نہ کہہ سکیں کہ کبھی کسی شخص نے اس قدر جسمانی دُکھ نہیں اُٹھایا جیسا اُس نے۔ تو بھی ایسا خیال کم سے کم ظنِ غالب کا رتبہ تو رکھتا ہے۔ کیونکہ اُس کے جسم کی صحیح و تندرست حالت کے سبب اغلباً اُس نے اوروں کی نسبت درد کو زیادہ محسوس کیا ہوگا۔

(۲) آنے والی مصیبت کا خیال کر کے بھی اُس کو نہایت تکلیف ہوئی۔ جب کوئی بڑا غم یا درد اچانک آپڑتا ہے تو بعض اوقات اُس سے ایک قسم کی حیرت پیدا ہو جاتی ہے جو مُسکّن دوائی کا کام دیتی ہے۔ اور پیشتر اس کے کہ آدمی اُس کو پورے طور پر محسوس کرے وہ درد گزر جاتی ہے۔ لیکن یہ علم کہ آدمی ایک ایسے مرض میں مبتلا ہے جو شاید چھ ماہ تک پیشتر اس کے کہ کام

تمام ہو نہایت سخت جان کنی تکلیف دیگا۔ دل میں ایسا خوف و دہشت پیدا کر دیتا ہے جو اصل تکلیف سے بھی جو واقع ہوتی ہے بُرا ہوتا ہے یسوع اپنی تکلیفوں کو پہلے ہی سے جانتا تھا اور اُس نے اپنے شاگردوں کو اس امر کی خبر دے دی تھی۔ اور یہ باتیں ماہ بماہ زیادہ صریح اور صاف ہوتی گئیں۔ گویا کہ وہ اُس کی قوتِ واہمہ پر دن بدن زیادہ قابو پاتی جاتی تھیں۔ یہ دہشت گتسمنی میں اپنی اعلےٰ حالت کو پہنچی۔ کیونکہ آنے والی تکلیفوں کے خوف نے اُس کے دل میں ایسی حیرت اور پریشانی پیدا کر دی کہ پسینا بڑے خون کے قطروں کی مانند اُس کے چہرے سے گرنے لگا؞

(۳) اُس نے اس خیال سے بھی دُکھ اُٹھایا کہ وہ اَوروں کے دُکھ کا باعث ہے۔ ناخود غرض طبیعت والے آدمیوں کو سب سے بڑی چوٹ جو اُنکی اپنی کمزوری یا بدبختی سے لگتی ہے۔ بعض اوقات یہ دیکھ کر لگتی ہے کہ وہ جن کو وہ خوش و خُرّم حالت میں دیکھنا چاہتے ہیں اُن کے ساتھ تعلق رکھنے کے سبب بدبختی و مصیبت میں پڑ گئے۔ یسُوع کو بچپن میں بیت لحم کے بچّوں کی کہانی سُن کر جن کو ہیرودیس نے اُس کی جستجو میں قتل کر دیا کس قدر صدمہ ہوا ہوگا۔ یا اگر اُس کی ماں نے یہ بات اُسے نہ بھی بتائی ہو تو بھی کم سے کم اُسکو یہ تو معلوم ہوگا کہ کس طرح اُسکو بچانے کیلئے اُسکی ماں کو یوسف کے ساتھ ہیرودیس کے ڈر سے مصر کو بھاگنا پڑا۔ جوں جوں اُس کی زندگی خاتمے کے قریب پہنچی یہ خیال کہ اُس کے ساتھ تعلق رکھنے کے سبب اُس کے شاگردوں کی جان پر بن آئیگی زیادہ اُس کے زیر نظر رہتا تھا۔ جب وہ گرفتار ہوا تو اُس نے بارہ کو کسی مصیبت سے بچانے کے لئے پکڑنے والوں سے التجا کی کہ "ان کو جانے دو"۔ لیکن یہ بھی اُس نے صاف طور پر دیکھ لیا تھا کہ دُنیا جس نے

اُس سے دشمنی کی اُن سے بھی دشمنی کریگی۔ جیساکہ اُس نے خود کہا "وہ گھڑی آتی ہے کہ جو کوئی تم کو قتل کرے گمان کریگا کہ میں خدا کی بندگی بجالاتا ہوں"۔ اُس نے تلوار کو اپنی ماں کے دل سے بھی پار ہوتے دیکھا۔ جبکہ مریم نے اُس کو ایسی بے عزتی کی موت مرتے دیکھا۔ جو اُس زمانے میں آجکل کی پھانسی کی موت سے بھی زیادہ بُری سمجھی جاتی تھی ۔

(۴) اُس کی مصیبت کے پیالے میں شرم کا جزو اَور سب اجزا سے زیادہ ملا ہوا تھا۔ ایک اثر پذیر دل کے لئے اس سے زیادہ کوئی چیز ناقابل برداشت نہیں۔ اُس کا برداشت کرنا جسمانی تکلیف سے کہیں مشکلتر ہے۔ لیکن اس مصیبت نے یسوع پر قریبًا ہر ایک صورت میں حملہ کیا اور اُسکی زندگی بھر اُس کے پیچھے لگی رہی ۔ اُسکی غربت و افلاس کے لئے اُس پر طعنے مارے جاتے تھے۔ شریف النسل کاہن اور تعلیم یافتہ ربی بجا رزادے پر ناک بھوں چڑھاتے تھے کہ اُس نے کبھی تعلیم نہیں پائی۔ اور دولتمند فریسی اُس کی ہنسی اُڑاتے تھے۔ اُس کو بار بار دیوانہ کہہ کر پکارا گیا۔ ظاہرًا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پلاطوس نے بھی اُس کو ایسا ہی سمجھا۔ اور جب وہ ہیرودیس کے سامنے حاضر ہوا تو اُس خوش طبع بادشاہ اور اُس کی فوج کے لوگوں نے بھی "اُس کو ناچیز جانا"۔ رومی سپاہی اُس کی تحقیقات اور صلیب کے اثنا میں برابر اُس کے ساتھ وحشیانہ چھیڑ چھاڑ کرتے رہے۔ اور اُس کے ساتھ اُسی طرح سلوک کیا جیسے لڑکے خبطی آدمی کو ستاتے ہیں۔ اُنہوں نے اُس کے مُنہ پر تھوکا۔ اُس کی آنکھوں پر پٹی باندھکر اور پھر اُس کے مُنہ پر تھپڑ مار کے کہتے تھے کہ "نبوت سے بتا کس نے تجھے مارا"۔ اُنہوں نے اُسے نقلی بادشاہ بنایا۔ کسی سپاہی کا پُرانا کوٹ لباس شاہانہ کی جگہ اُس کو پہنا دیا عصائے شاہی

کی جگہ نرکٹ اور تاج کی جگہ کانٹے اُس کے سر پر رکھے۔ اُس کے الٰہی دل کو یہ سب بےعزتی اُٹھانی پڑی۔ اُس نے یہ بھی سنا کہ اُس کے ہموطنوں نے براباس کو اُس پر ترجیح دی ہے۔ اور وہ چوروں کے درمیان صلیب پر کھینچا گیا۔ گویا کہ وہ بدکار سے بدکار تھا۔ اُس کے آخری وقت میں بھی طعن و تشنیع کی بوچھاڑ اُس پر پڑتی رہی۔ آتے جاتے اُس پر مُنہ چڑاتے اور اُس کے حق میں بُری بُری باتیں کہتے تھے۔ بلکہ چوروں نے بھی جو اُس کے ساتھ مصلوب ہوئے اُس کی تحقیر کی۔ اس طرح سے اُس شخص نے جو اپنے باطن کی لامحدود طاقت سے آگاہ تھا کمزور سے کمزور کی طرح برتاؤ کئے جانے کے لئے اپنے کو حوالے کیا اور اُس نے جو تعالیٰ اجلّ شانہٗ کی حکمت تھا اپنے کو سونپا کہ اُس کے ساتھ ایک نہایت رذیل آدمی سے بھی بدتر سلوک کیا جائے۔

(۵) لیکن یسوع کے واسطے یہ امر اور بھی زیادہ دردناک تھا کہ "خدا کا قدّوس" ہو کر سب سے بڑے گنہگار کی طرح اُس کے ساتھ سلوک ہو۔ اُس شخص کے لیے جو خدا اور نیکی کو پیار کرتا ہے اس سے بڑھکر کوئی نفرت انگیز بات نہیں کہ لوگ اُس کو ریاکار خیال کریں۔ اور اُس پر ایسے جرائم کا الزام لگائیں جو اُس کے عام اقرار کے بالکل برعکس ہوں۔ لیکن یہی بات تھی جس کا یسوع پر الزام لگایا گیا۔ لوگ اُس کی بابت خیال کرتے تھے کہ وہ بُری رُوحوں سے میل رکھتا اور دیووں کے سردار بعلزبول کی مدد سے دیووں کو نکالتا ہے۔ وہ جس کے لئے خدا کا نام لنڈھائے ہوئے عطر کی مانند تھا کفر گو اور سبت شکن کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اُس کی اچھی باتوں کے بھی اُلٹے معنے کئے جاتے تھے۔ اور کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈھنے کے لئے ایسی جگھوں میں جانے کے سبب جہاں وہ مل سکتے تھے اُس کو پیٹو اور شراب خوار محصول لینے والوں اور گنہگاروں کا

دوست کہلانا پڑتا تھا۔ اُس کی مسیحیت کے دعوے کی نسبت عموماً لوگ خیال کرتے تھے کہ وہ کوئی بدچلن اور دھوکے باز آدمی ہے۔ بلکہ دینی اور دُنیاوی حاکموں نے بھی برسرِ عدالت یہی فیصلہ دیا۔ آخرکار خود اُس کے شاگرد بھی اُسکو چھوڑ گئے۔ ایک نے اُس کو پکڑوا دیا۔ اور سب سے بڑے نے لعنت کی اور قسم کھائی کہ وہ اُسے نہیں جانتا۔ غالباً ایک بھی انسان نہیں تھا جو اُس کی موت کے وقت یہ یقین رکھتا تھا کہ وہ وہی رتبہ رکھتا ہے جس کا وہ دعویدار تھا۔

(۶) اگر یسوع کے قدوس رُوح کے واسطے یہ ایک دردناک بات تھی کہ لوگ اُسے ایسے گناہوں کا مجرم خیال کریں جو اُس نے کبھی نہیں کئے۔ تو یہ معلوم کرنا تو اور بھی زیادہ دردناک ہوگا کہ۔ اُس کو گناہ میں ڈالنے کی بھی کوشش کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس بات کی اکثر کوشش کی جاتی تھی[1]۔ شیطان نے

[1] مجھے خیال ہے کہ عموماً مسیح کی بیابان کی آزمائشوں کی بابت ایک غلط خیال پھیل گیا ہے۔ گو لوگ ایسا خیال نہ بھی کرتے ہوں تو بھی اُن کی گفتگو سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ گویا صرف یہی آزمائشیں تھیں جو مسیح کی زندگی میں واقع ہوئیں۔ اس سے بڑھکر کوئی خیال غلط نہیں ہو سکتا۔ ہمارے خداوند کی زندگی برابر ایک آزمائش کی زندگی تھی۔ اگر ہم اُن سوانح عمریوں کو جو رُوح القدس نے ہماری تعلیم کے لئے لکھوائیں ملاحظہ کریں تو قریباً ہر ایک صفحہ میں دیکھینگے کہ کس طرح خداوند یسوع پر برابر آزمائشیں وارد ہوتی رہیں۔ کبھی اُس کے مزاج کا امتحان ہوتا تھا کبھی اُسکی خصلت کا کبھی اُس کے اصول کا۔ وہ عصبی سوزشوں۔ کم طاقتی۔ جسمانی کمزوری۔ یا بدنی تکان کے سبب آزمائشیں اُٹھاتا تھا۔ بیجا مخالفت ہمیشہ اُس کو اُکساتی رہتی تھی کہ ناجائز غصے اور غضب کا روادار ہو۔ یا انکار اور فراموشی سے اگر ممکن ہو تو اُس کو اُداسی یا مایوسی میں ڈالنے کی تحریک ہوتی تھی۔ اُسکے دشمنوں کی سازشیں۔ عوام الناس کی تلون مزاجی۔ بلکہ اُس کے شاگردوں کی حماقت۔ ہمیشہ اُس کے دل کو ستاتی رہتی تھی اور اکثر یہ باتیں ناقابل برداشت حد تک پہنچ جاتی ہونگی۔ تمام بار بار آنے والی

اُس کو بیابان میں آزمایا۔ اور اگرچہ اُس کی اِس آزمائش کا مفصل ذکر اناجیل میں درج ہے وہ بلاشبہ اکثر اُس پر حملہ کرتا رہتا تھا۔ شریر لوگ اُس کو آزماتے تھے۔ وہ ہر طرح کا حیلہ برتتے تھے۔ کہ کسی طرح وہ آپے سے باہر ہو جائے اور منہ سے بیجا بات بول اُٹھے " وہ بے طرح چمٹنے اور چھیڑنے لگے کہ وہ بہت باتیں کرے اور گھات لگا کے تلاش میں تھے کہ اُس کے منہ سے کوئی بات پکڑ پائیں "۔ بلکہ دوست بھی جو اُس کی زندگی کے مقصد کو نہیں سمجھتے تھے اُس کو اُس راستے سے پھرانے میں جو رضائے الٰہی نے اُس کے لئے ٹھہرایا تھا کوشش کرتے تھے یہاں تک کہ ایک دفعہ اُسے اُن میں سے ایک کو کہنا پڑا گویا کہ وہ آزمائش مجسم تھا کہ " اے شیطان میرے سامنے سے دُور ہو " اس قول سے جو اُسکے قائل کے مزاج کے خلاف معلوم ہوتا ہے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آزمائش کی نوک اُسے کیسی چبھتی ہوئی معلوم ہوتی ہوگی۔ اور رضائے الٰہی سے بال بھر بھی تجاوز کرنے کے اندیشے پر کس قدر دہشت اُس کے دل میں جاگ اُٹھتی ہوگی ؂

(۷) جب کہ گناہ کے قریب ہونے سے اُس کی مقدس روح میں ایسی نفرت پیدا ہوتی تھی اور اُسے چھونا گویا آگ کو چھونے کی مانند تھا تو بھی اُسکو اُس سے بہت ہی قریب رہنا پڑا اور یہ بات اُس کی سب سے بڑی تکلیف کا باعث تھی۔ گناہ اپنی نفرت انگیز شکل سیکڑوں طور سے اُس کے سامنے لاتا تھا۔ وہ جو اُس کے دیکھنے کی برداشت نہیں کر سکتا تھا اُسے اپنی آنکھوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲) آزمائشیں جن سے اکثر آدمی ایسا قصور کر بیٹھتا ہے جن کے لئے بعد کو پچھتانا پڑے۔ یا ایسے گناہوں میں پڑ جاتا ہے جس سے افسوس کے ساتھ توبہ کرنی پڑے۔ خداوند یسوع مسیح کی زندگی میں ہمیشہ موجود رہتی تھیں۔ (جی۔ برنارڈ)

کے سامنے اُس کی بُری سے بُری حالتوں میں دیکھنا پڑا۔ بلکہ گناہ خود دُنیا میں اُس کی موجودگی سے اَور بھی نمایاں و ظاہر ہو گیا۔ کیونکہ نیکی کی موجودگی اُس بدی کو جو شریر دلوں کی تہ میں پڑی ہو نکال لاتی ہے۔ اُس شخص کی قدسیّت نے جس سے اُنہیں سابقہ پڑا فریسیوں اور صدوقیوں کی خباثت اور پلاطوس اور یہوداہ کے جرائم کو اَور بھی سخت کر دیا اور جب وہ صلیب پر لٹک رہا تھا اور اُسکی آنکھ اُن کے اوپر اُٹھے ہوئے چہروں کو دیکھتی تھی تو اُس کی نظر انسانی فطرت کی تمام بُری خواہشوں کے کیسے بڑے سمندر پر پڑتی ہوگی!

یہ ایسی حالت تھی گویا کہ انسانی نسل کے تمام گناہ اُس پر چڑھے آتے تھے۔ اور یسوع نے محسوس کیا کہ گویا یہ سب اُس کے اپنے ہیں۔ بدکاروں کے ایک بڑے کنبے میں جہاں باپ اور ماں شرابی۔ بیٹے نامی بدمعاش۔ بیٹیاں قحبائیں ہوں۔ مگر اُن کے درمیان ایک لڑکی عفیف۔ دانشور اس گناہ خانے میں رہتی ہو جیسے سوسن کانٹوں میں۔ وہ کنبے کے تمام گناہ اپنے سمجھتی ہے۔ کیونکہ دوسرے تو اُن کا کچھ خیال نہیں کرتے۔ اپنے گناہ سے اُنہیں کچھ شرم نہیں۔ شہر بھر میں اُن کی باتیں ہوتی ہیں۔ لیکن اُنہیں کچھ پروا نہیں۔ صرف اُسی لڑکی کے دل میں اُن کے جرائم اور بےعزتی برچھیوں کے گٹھے کی طرح چبھتی اور اُس کو پامال کرتی ہے۔ کنبے میں سے یہ ایک بیگناہ لڑکی باقیوں کا جُرم اُٹھاتی ہے بلکہ خود اُس کے ساتھ جو بیرحمی ہوتی ہے وہ اُس کو بھی چھپاتی ہے۔ گویا کہ یہ تمام شرمندگی خود اُس کی اپنی ہی ہے۔ خانوادۂ انسانی میں مسیح کی یہی حالت تھی۔ اُس نے اپنی مرضی سے اس کو قبول کیا۔ وہ ہماری ہڈی میں سے ہڈی اور گوشت میں سے گوشت بنا۔ اُس نے اپنے آپکو بنی انسان کے ساتھ ایک کر دیا۔ وہ گویا تمام کا اثر پذیر مرکز تھا۔ اُس نے اُس تمام گناہ

کی شرمندگی اور جرم کو جو اُس نے دیکھا اپنے دل میں جمع کر لیا۔ کرنیوالوں نے تو اُس کو محسوس نہ کیا لیکن اُس نے محسوس کیا۔ اس گناہ نے اُسے کچل ڈالا۔ اُس کے دل کو توڑا اور وہ دوسروں کے گناہ کا بوجھ اُٹھائے ہوئے جسے اُس نے اپنا بنا لیا تھا مر گیا ۔

اس طور سے ہم گتسمنی کی جانکنی اور لہو کے پسینے کے راز اور گلگتا کی ہیبت ناک صدا کو کہ " اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑا۔" اپنے خیالات میں جگہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن تو بھی یہ ایک بھید ہے۔ کون شخص ہے جو اُس صورت کے جو باغ گتسمنی میں زیتون کے درختوں کے نیچے پڑی ہے نزدیک جائے یا اُس آواز کو جو صلیب سے سُنائی دیتی ہے سُنے۔ اور یہ معلوم نہ کرے کہ یہاں ایک ایسا غم ہے جس کی تہ کو ہم نہیں پہنچ سکتے۔ ہم جہاں تک ہو سکے قریب جاتے ہیں مگر کوئی چیز پکار کر کہتی ہے " بس یہیں تک۔ آگے نہیں۔" صرف ہم اتنا جانتے ہیں کہ یہ گناہ تھا جو اُسے پامال کر رہا تھا۔ " کیونکہ اُس نے اُس کو جو گناہ سے واقف نہ تھا ہمارے بدلے گناہ ٹھیرایا۔ تاکہ ہم اُس میں شامل ہو کے الٰہی راستبازی ٹھیریں۔" (۲ کرنتھیوں ۵ : ۲۱)۔

۳

مسیح کے دُکھوں سے جو نتیجے نکلے اُن کے بیان سے انجیل بھری پڑی ہے۔ لیکن یہاں ہم صرف چند ایک بیان کر سکتے ہیں ۔

(۱) عبرانیوں کے خط کے باب ۲ آیت ۲ میں لکھا ہے " ہماری نجات کا پیشوا اذیتوں سے کامل کیا گیا۔" پھر باب ۵ کی آٹھویں آیت میں لکھا ہے " اُن دُکھوں سے جو اُس نے اُٹھائے فرمانبرداری سیکھی۔"

اِن باتوں میں بڑے راز ہیں۔ کیا وہ ناکامل تھا کہ اُس کو کامل بنایا جائے؟ یا کیا وہ نافرمان تھا کہ اُسے فرمانبرداری سیکھنے کی ضرورت پڑی؟ یقیناً اِن آیتوں کا کبھی یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ اُس کی خصلت کی تکمیل میں کسی طرح سے کسی ذرا بھر بات کی بھی کمی تھی۔ نہیں بلکہ صرف یہ مراد ہے کہ چونکہ وہ انسان تھا اور انسانوں ہی کی طرح اُس کی زندگی کے حالات و واقعات کا نشوونما ہوا۔ اس لئے اُسے گویا تابعداری اور کمال کے ایک زینے پر چڑھنا تھا۔ اور اگرچہ وہ ہر ایک زینے پر ٹھیک مناسب وقت میں چڑھا اور ہر ایک قدم پر کامل نکلا تاہم اُس کو ہر نئے قدم کے لئے نئی سعی کی ضرورت تھی اور جب وہ اُسے طے کر چکتا تھا تو کمال کے اعلےٰ درجے اور اطاعت کے زیادہ وسیع حلقے میں پہنچ جاتا تھا۔[۱] ہم اس سعی و جدوجہد کی ترقی زیادہ صفائی کے ساتھ گتسمنی میں دیکھتے ہیں۔ جہاں کہ دُکھ کی پہلی حالت میں وہ کہتا ہے "اے باپ اگر تُو چاہے تو یہ پیالہ مجھ سے دُور کر دے" (لوقا ۲۲ : ۴۲)۔ لیکن آخر میں وہ بڑے اطمینان کے ساتھ یہ کہہ سکا "اے میرے باپ اگر میرے پیئے کے بغیر یہ پیالہ مجھ سے نہیں گزر سکتا تو تیری مرضی ہو" (متی ۲۶ : ۴۲)۔

[۱] اُس کی الٰہی طبیعت اُس کے لئے رُوح کی جگہ نہ تھی جیسا کہ بعض کا یقین ہے کہ وہ کام جو وہ کرتا تھا بلاواسطہ اُس کی اس طبیعت سے سرزد ہوتے تھے۔ لیکن چونکہ وہ کامل انسان تھا اُسکا نفس ناطقہ جیسا کہ ہم میں ویسا ہی اُس میں بھی اُس کے تمام اخلاقی افعال کا بلاتوسل اصل اور بنیاد تھا۔ اس لئے اپنی رُوح کے ان ملکات اور قوائے کی ترقی و استعمال میں اُس کو اور آدمیوں کے طور پر ترقی کرنی پڑتی تھی۔ کیونکہ وہ گناہ کے سوا اور سب باتوں میں ہماری مانند بنا تھا۔ ان قوائے کی زیادتی وسعت اور استعمال کے لئے توفیق میں بھی ترقی کرنے کی ضرورت تھی جو اُسے ہمیشہ رُوح قدس کے وسیلے حاصل ہوتی رہتی تھی۔ (اوون)

یہی کاملیت تھی جو اُس نے دُکھ کے ذریعے حاصل کی۔ یہ کاملیت اِس بات میں ہے کہ خدا کی مرضی کا کامل ادراک کرے اور اُس سے اتّفاقِ مطلق حاصل کرے۔ ہماری کاملیت بھی اسی امر میں ہے اور دُکھ اور تکلیف اُس کے حصول کے بڑے وسائل ہیں۔ ہم میں سے بہت ایسے ہیں جو خدا کی مرضی کی کچھ بہت پروا نہ کرتے۔ اگر پہلے اُن کو معلوم نہ ہو جاتا کہ وہ ہماری مرضی کے بالکل برعکس ہے۔ ہم اُس پر تعجّب سے نگاہ کرتے اور اُس سے سرکشی کرتے تھے لیکن جب ہم نے مسیح کی طرح یہ کہنا سیکھا کہ "میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی ہو"۔ (لوقا ۲۲ : ۴۲)۔ تو ہم نے دریافت کر لیا کہ حقیقی زندگی کا یہی راز ہے۔ اور تب وہ اطمینان جو سمجھ سے باہر ہے ہماری جان کو حاصل ہوا۔ کم سے کم سب نے دوسرے اشخاص کی زندگی میں اس حالت کو ضرور ملاحظہ کیا ہوگا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ ہم میں سے بعض کے حافظے میں سب سے قیمتی یاد کسی مصیبت زدہ لڑکے یا لڑکی کی ہوگی جن کی صورت رضائے الٰہی کی اطاعت سے حسین و خوشنما نظر آتی تھی۔ شائد اُن کے دلوں میں کبھی جدّوجہد یا کشمکش ہوئی ہو۔ لیکن اب وہ سب ختم ہو چکی تھی۔ کیونکہ اب انہوں نے رضائے الٰہی کو قبول کر لیا تھا نہ صرف اطاعت کے ساتھ بلکہ پاک خوشی سے جس نے اُن کی تمام ہستی کو جلالی کر دیا۔ اور جب ہم نے اُس پاک اور صابر صورت کو تکیہ پر سر رکھے دیکھا ہوگا تو ہم نے دل میں محسوس کیا ہوگا کہ یہاں ایک شخص ہے جس نے اپنے کو خدا کے حوالے کر دینے سے کامل فتح حاصل کر لی ہے۔ اور اُس وقت اقرار کیا ہوگا کہ ہماری زندگی اپنے تمام اشغال کی بےچینی اور زور و شور کے باوجود خدا یا انسان کے نزدیک بہت کم قیمت رکھتی ہے بہ نسبت اُس شخص کی زندگی کے جو بےحس و حرکت بستر مرگ پہ

لیٹا ہوا ہے۔ انگلستان کا مشہور شاعر ملٹن اپنی نابینائی پر افسوس کرتے ہوئے آخرکار اپنے دل کو اس خیال سے تسلی دیتا ہے کہ گو وہ اب خدا کی بہت خدمت کرنے کے قابل نہیں رہا۔ تاہم خدا کے نزدیک

"وہ بھی خدمت میں لگے ہیں جو کھڑے ہیں منتظر۔"

(۲) مقدس پولوس رسول اپنی تحریرات کے ایک نہایت ہی پُرراز فقرے میں اس سبق کا ذکر کرتا ہے جو اُس نے مصیبت سے حاصل کیا۔ وہ (۲ کرنتھیوں ۱: ۳ و ۴) لکھتا ہے کہ "مبارک ہے وہ خدا جو ہمارے خداوند یسوع مسیح کا باپ اور رحمتوں کا بانی اور ساری تسلی کا خدا ہے۔ وہی ہماری ہر ایک مصیبت میں ہم کو تسلی دیتا ہے تاکہ ہم اُسی تسلی کے سبب جو ہمیں خدا سے ملتی ہے اُن کو بھی جو کسی طرح کی مصیبت میں ہیں تسلی دے سکیں۔" وہ خوش تھا کہ اُس کو تکلیف پہنچی کیونکہ اس سے اُس نے سیکھ لیا کہ مصیبت زدہ لوگوں کے ساتھ کس طرح برتاؤ کرنا چاہئے۔ یہ خیال اُس عالی حوصلہ شخص کے کیسا شایاں ہے اور کیسا سچا ہے! مصیبت اُٹھانے سے اَوروں کو تسلی دینے کی قدرت ملتی ہے۔ فی الحقیقت اس فن کو سیکھنے کا کوئی اَور طریق نہیں۔ جو آدمی مصیبت میں غرق ہو۔ اُس کے لئے دل درست آدمی کے الفاظ جو کبھی مصیبت کی آگ میں نہیں پڑا اور اُن لوگوں کی ملائم گرفت اور ہمدردانہ آوازوں میں جو خود تکلیف اُٹھا چکے ہیں آسمان زمین کا فرق ہے۔ اس لئے اُن لوگوں کو جو مفارقت یا دُکھ کی بھٹی میں ہیں چاہئے کہ اس امر سے اس خیال کو اپنے دل میں جگہ دیں کہ شائد یہ رنج و تکلیف مجھ کو اس غرض سے ملی ہو کہ میں اس کے ذریعے سے تسلی دینے والے کے پاک عہدے کے لئے تیار ہوؤں۔ یسوع نے بھی یہ فن اسی طرح حاصل

کیا۔ اور ہر زمانے میں امتحان و آزمائش کے گرفتار اعتماد کے ساتھ اُسکے پاس آتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ خود اس قسم کے تجربے کے تمام تلخیوں کو دیکھ بھال چکا ہے "کیونکہ ہمارا ایسا سردار کاہن نہیں جو ہماری سستیوں میں ہمدرد نہ ہوسکے۔ بلکہ ایسا جو ساری باتوں میں ہماری مانند آزمایا گیا پر اُس سے گناہ نہ ہوا" (عبرانیوں ۴: ۱۵) ۔

(۳) مسیح کے دُکھوں کے نتائج اُس کی نجات کے کام کے ساتھ بھی بہت گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اُس نے خود اس امر کو پہلے سے دیکھ لیا اور اکثر اُن کا تذکرہ کیا کرتا تھا۔ چنانچہ اُس نے (یوحنا ۱۹: ۲۴) فرمایا کہ "گیہوں کا دانہ اگر زمین میں گر کے مر نہ جائے تو اکیلا رہتا ہے۔ پر اگر وہ مرے تو بہت سا پھل لاتا ہے" اور (یوحنا ۱۲: ۳۲) "میں جو ہوں اگر زمین سے اوپر اُٹھایا جاؤں تو سب کو اپنے پاس کھینچونگا" (یوحنا ۳: ۱۴) "جس طرح موسیٰ نے سانپ کو بیابان میں بلندی پر رکھا۔ اُسی طرح سے ضرور ہے کہ ابن آدم بھی اُٹھایا جائے تاکہ جو کوئی اُس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے" ۔

جب وہ مرا تو معلوم ہوتا تھا کہ اُس کے کام کا بھی اُس کے ساتھ خاتمہ ہو گیا۔ اُس کے پیرووں میں سے ایک شخص بھی اُس سے لگا نہیں رہا۔ لیکن جب یہ گرہن دور ہو گیا اور وہ قبر سے نکل آیا تو اُس کے شاگردوں نے دریافت کر لیا کہ اب جو کچھ وہ اُس کی نسبت گمان کرتے تھے وہ اُس سے سیکڑوں گنا بڑھکر ہے۔ اور یہ نیا جلال جس میں وہ اب چمکتا تھا دُکھ اُٹھانے والے مسیح کا جلال تھا ۔

ہر زمانے میں اُس کے دُکھ لوگوں کے دلوں کو اُس کی طرف کھینچتے

رہے ہیں۔ کیونکہ ان سے اُن پر اُس کی ناپیدا کنار محبت۔ اُس کی کمال ناخود غرضی۔ اور مرتے دم تک سچائی اور اصولوں سے وفاداری ثابت ہوتی ہے ٭

لیکن اُس کے دکھ خدا کے نزدیک بھی قدرت والے ہیں "وہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے۔ فقط ہمارے گناہوں کا نہیں بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی (یوحنا ۲ : ۲) چونکہ وہ مرا ہمارا مرنا ضرور نہیں۔ خدا نے گناہوں کی معافی اُس کے ہاتھ میں کی ہے تاکہ اُن سب کو جو اُسے قبول کرتے ہیں مفت عطا کرے۔ چونکہ اُس نے اپنے کو پست کیا اس لئے "خدا ہی نے اُسے بہت سرفراز کیا" (فلپیوں ۲ : ۹) وہ اب بادشاہ اور منجی ہو کر القادر کے دہنے ہاتھ بیٹھا ہے اور عالم غیب اور موت کی کنجیاں اُس کے پاس ہیں ٭

۱۱

مسیح کا نمونہ حبِّ انسانی میں

متی ۴ : ۲۳ و ۲۴
〃 ۸ : ۱۶ و ۱۷
〃 ۹ : ۳۵ و ۳۶
〃 ۱۰ : ۱۸
〃 ۱۱ : ۴ و ۵
〃 ۱۴ : ۱۳ و ۱۴ و ۳۶
〃 ۱۵ : ۳۰ - ۳۲
〃 ۱۹ : ۲۱
〃 ۲۱ : ۱۴
〃 ۲۵ : ۳۴ - ۴۰
〃 ۲۶ : ۸ - ۱۱

مرقس ۶ : ۵۴ - ۵۶
〃 ۱۰ : ۲۱

لوقا ۱۰ : ۱۲ - ۱۷

یوحنا ۱۳ : ۲۹

گیارھواں باب

مسیح کا نمونہ محبتِ انسانی میں

۱

مسیح کی نسبت محبت یا ہمدردِ انسان کا نام استعمال کرنا شاید بہت ہلکا معلوم ہو۔ کیونکہ یہ لفظ زیادہ تر ایسے اشخاص کی نسبت مروج ہے جو انسان کی جسمانی یا دُنیاوی ضروریات اور بہتری کے لئے فکر کرتے ہیں۔ مگر جب ہم اس نام کے لفظی معنوں پر غور کرتے ہیں تو ایسا نہیں معلوم ہوتا کیونکہ انسانی محبت اور ہمدردی میں وہ تمام اشیا شامل ہیں جو انسان سے متعلق ہیں خواہ وہ روحانی ہوں خواہ جسمانی۔ انہیں وسیع معنوں میں یہ لفظ خدا کی نسبت بھی استعمال کیا گیا ہے چنانچہ طیطس کے نام کے خط (۳: ۴-۶) میں یوں لکھا ہے جس کا لفظی ترجمہ اس طور پر ہو سکتا ہے کہ "پر جب ہمارے بچانے والے خدا کی مہربانی اور محبتِ انسانی ظاہر ہوئی اُس نے ہم کو راستبازی کے کاموں سے نہیں جو ہم نے کئے بلکہ اپنی رحمت کے مطابق نئے جنم کے غسل اور رُوح القدس کے سرِنو بنانے کے سبب بچایا۔ جسے اُس نے ہمارے بچانے والے یسوع مسیح کی معرفت ہم پر بہتایت سے ڈالا" اس سے یہ ظاہر ہے کہ محبتِ انسانی سے مراد ہے۔

خدا کی مہربانی جو وہ انسانوں کے جسم پر کرتا ہے بلکہ اُس کا فضل جو انکی روحوں پر ہے۔ کیونکہ وہ محبت اُن نئی زندگی کے غسل اور روح القدس کے ذریعے نیا کئے جانے میں ظاہر ہوئی ہے۔

مسیح کی حبِ انسانی بھی ابتدائً اسی صورت میں ظاہر ہوئی۔ اور اُس کے تمام کام اور تکالیف کا مقصد بھی یہی تھا کہ آدمیوں کی رُوحوں کو نجات بخشے باقی اُن کی جسمانی حاجتوں کا پورا کرنا اور بیماریوں سے شفا دینا دوسرے درجے پر تھا۔ اور نہ یہ بات ہی سمجھ میں آسکتی ہے کہ کیوں اُس کام کو جو رُوح کے لئے کیا جاتا ہے اُس کام کی طرح جو انسانی جسم کے لئے ہے حبِّ انسانی نہ شمار کیا جائے۔ مسیحیوں کے خیال کے مطابق تو یہ سب سے بڑی مہربانی کا نشان ہے۔ اور کوئی شخص اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ اکثر اُس کے ساتھ دُور دست اور دیرپا دُنیاوی فوائد بھی وابستہ ہوتے ہیں۔ جہاں کہیں مشنوں کے ذریعے سے انجیل کی منادی ہوئی ہے وہاں انجیل کی کامیابی میں انسانوں کی روحوں کی نجات کے ساتھ عموماً یہ بات بھی ضرور شامل ہوتی ہے کہ بیرحمی۔ افلاس اور جہالت کے تودوں کے تودے بھی صاف اور رفع دفع ہو جاتے ہیں۔

لیکن اگر دُنیاوی حالت کی ترقی اور بہبودی ہی کو حبِ انسانی کے معزز نام سے موسوم کیا جائے اور اُس کو روحانی مقاصد سے بالکل جُدا کر دیا جائے تو البتہ اُس صورت میں محبِ انسان کا نام یسوع کو نہیں دیا جانا چاہیئے۔ اُس نے انسان کی جسمانی ضروریات کا بھی بہت کچھ لحاظ کیا مگر ہمیشہ رُوح کی اعلےٰ ضروریات سے دوسرے درجے پر تھا۔ اُس کی محبت انسان کے ساتھ اُسکی مجموعی حیثیت کے لحاظ سے تھی یعنی جسم اور رُوح دونوں کے ساتھ۔ اُس کی حبِ الٰہی اور حبِ انسانی دو جدا جدا جذبے نہیں بلکہ ایک ہی تھے۔ وہ انسان سے محبت کرتا

تھا۔ اس لئے کہ اُس میں اُس کو خدا نظر آتا تھا۔ یعنی خدا کی صنعت۔ خدا کی صورت خدا کی محبّت کا نمونہ۔ اور یہی بات ہمیشہ طاقتور حبّ انسانی کی محرّک قوّت ہونی چاہیئے کہ وہ خدا کو انسان میں دیکھے۔ یا مسیحیوں کی زبان میں یوں کہو کہ مسیح کو انسان میں دیکھے۔ خود مسیح کے یہ الفاظ ہیں کہ "جب کہ تم نے ان چھوٹوں میں سے ایک کے ساتھ کیا تو خود میرے ساتھ کیا۔" جب میں کسی انسان کے جسم کو چھوتا ہوں تو میں اُس چیز کو چھوتا ہوں جو رُوح قدس کی ہیکل ہونے کے لئے مخلوق کی گئی تھی۔ عاجز سے عاجز۔ بلکہ گناہگار سے گناہگار انسان میں بھی ہم کو ایک ایسا شخص نظر آتا ہے جس کو خدا محبّت کرتا ہے۔ جس کے لئے مسیح نے اپنی جان دی۔ اور جو مسیح کے جلال کا وارث بن سکتا ہے۔ یہی یقین و اعتقاد کے گہرے چشمے ہیں جن سے مضبوط حبّ انسانی سیرابی و پرورش پاتی ہے۔

۲

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عملی حبّ انسانی ہمیشہ اُن اشخاص کا جو دینداری اور خدا شناسی کے دعویدار ہیں خاصہ رہی ہے۔ خود مسیح نے بھی نیک سامری کی تمثیل میں اِس امر کا اشارتاً ذکر کیا ہے۔ کاہن اور لاوی بیچارے زخمی اور مصیبت زدہ مسافر کے پاس سے گزر گئے۔ اور انسانی محبّت اور ہمدردی کا دُکھ صرف ایک عامی اور دُنیادار آدمی میں پایا گیا۔ تاریخ اس تمثیل کے ثبوت میں بیشمار مثالیں پیش کرتی ہے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک غیر تربیت یافتہ آدمی ایک بدی کو پہچان لیتا اور اُس کو افشا کر دیتا ہے۔ اور ایک بے دین کا ہاتھ کسی تکلیف اور دُکھ کے دفعیئے کے لئے مدد کو اُٹھ جاتا ہے۔ جبکہ وہ لوگ جو اپنے عہدے کے لحاظ سے اس قسم کی خدمات پر مقرّر ہیں خاموش اور بے پروا بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر بعض وقت ایسا خیال گزرنے لگتا

ہے کہ گویا خدا کے ساتھ نہایت عمیق ہمدردی پیدا ہونے سے انسانی ہمدردی برباد ہو جاتی ہے۔ مگر یسوع کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ اس نے مذہب اور اخلاق میں اتحاد و اتفاق کر دیا۔ وہ کبھی اس بات کو روا نہیں رکھتا تھا کہ کوئی شخص خدا کے لئے غیر تمند ہونے کے بہانے سے انسان کی طرف سے غفلت و بے پروائی کرے۔ بلکہ ہمیشہ یہ تعلیم دیتا تھا کہ صرف وہی شخص خدا کو سچ مچ پیار کرتا ہے جو اپنے بھائی سے بھی محبت رکھتا ہے۔

زمانہ حال میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان چیزوں کو جنہیں اس نے اکٹھا جمع کیا ایک دوسری جانب سے جدا جدا کیا جاتا ہے۔ ہمارے زمانے کی نادریات میں سے ایک یہ بات ہے کہ لوگوں میں ایک ملحدانہ حب انسانی کا رواج دیکھا جاتا ہے۔ ایسے لوگ ہیں جو نہ خدا پر نہ الٰہی انسان پر۔ نہ روحانی اور ابدی عالم پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر تو بھی دوسروں کے لئے اپنی جان قربان کرنے کو جامع اخلاق سمجھتے ہیں۔ وہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ یہ یسوع ہی تھا جس نے اُن کے اس اعلٰے خیال کو عالم میں رواج دیا۔ اور اُسی کی سند پر یہ خیال بنی انسان کے اعتقادات میں جاگزین ہوا۔ مگر وہ یہ دعوے کرتے ہیں کہ اب وہ اُس کی مدد کا محتاج نہیں۔ اس لئے وہ ہم کو یہ ہدایت کرتے ہیں کہ ہم انسان کو پیار کریں۔ مسیح کی خاطر سے نہیں بلکہ خود انسان ہی کی خاطر سے اُن کا خیال ہے کہ خود انسان ہی ہیں۔ خدا سے الگ۔ ایسی باتیں ہیں جن سے اُس کی بہتری کے لئے متواتر زندگی بھر کی سعی و کوشش کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اور اُس کی زندگی کی کوتاہی ہیں جو اُنکے نزدیک موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے وہ ایک دردناک تحریک پاتے ہیں کہ اُس کی بہتری کے لئے فی الفور کوشش کی جائے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ابھی اسکا موقع

ہے اور یہ موقع پھر کبھی ہاتھ نہیں آئیگا ؎

جہاں تک کسی شخص کے دل میں ان تحریکوں کے ذریعے سے خودانکاری کی زندگی اختیار کرنے اور افلاس وجرائم کے عقدوں کو حل کرنے کی ترغیب پیدا ہو۔ مسیحی بلاتامل اُن کو ایدک اللہ تعالیٰ (خدا تمہاری مدد کرے) کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایک بڑی وسیع دُنیا ہے اور اس میں ہر ایک شخص کے اعمال و تجربے کے لئے کافی جگہ ہے۔ یہ ایک ایسی خوفناک اور مصیبت بھری دُنیا ہے کہ کسی شخص کو جو۔ خواہ کسی مقصد سے ہی کیوں نہ ہو۔ اُس کی امداد کے لئے ہاتھ بڑھانے پر مائل ہو روکنے کی کچھ حاجت نہیں۔ بلکہ ہم کو اُنکے درمیان بعض ایسے شخص بھی نظر آتے ہیں جو فی الحقیقت مسیح کے ساتھ ہیں گو کہ وہ اپنے مُنہ سے اپنے کو اُس کا مخالف ظاہر کرتے ہیں۔ مگر جہاں کہیں یہ مخالفت بنیادی اور واضح طور پر ہے۔ وہاں نہ تو از روئے عقل کے نہ مقدمے کے واقعات پر لحاظ کرکے اس قسم کی تحریک سے کسی بڑی بہتری کی اُمّید ہوسکتی ہے ؎

اس میں کچھ شک نہیں کہ انسان کے دل میں فطرتاً بنی نوع کے لئے محبت پائی جاتی ہے۔ جو اگر موافق ہوا سے بھڑکائی جائے تو کبھی کبھی عجیب عجیب کرشمے دکھلاتی ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کی مہربانی ومحبت جو کسی مذہب کے مقر نہیں بعض اوقات خود مسیحیوں کو بھی شرم دلاتی ہے۔ مگر برخلاف اسکے وہ قوت جس پر حبِّ انسانی رکھنے والے دل کو غالب آنا ہے صفحۂ قدرت میں سب سے طاقتور قوّتوں میں سے ہے۔ یہ خودغرضی کی قوت ہے۔ یعنی وہ مضبوط اور عالمگیر طبعی خواہش جس سے انسان فقط اپنی ہی خوشی اور فائدہ ڈھونڈتا ہے بلا لحاظ اس امر کے کہ اس سے دوسروں کا کیا حال ہوگا۔ وہ خواہش جس سے طاقتور لوگ کمزوروں پر اختیار جتاتے اور کثیر التّعداد قلیل التّعداد پر جبر وظلم

کرتے ہیں۔ یہ قوّت ہر ایک انسان کے سینے میں پائی جاتی ہے۔ وہ جماعات اور افراد پر یکساں محیط ہے۔ یہ دستورات اور قوانین میں منضبط ہو رہی ہے۔ یہی ہر ایک زمانے میں نئی نئی قسم کی بُرائیاں ایجاد کرتی ہے۔ اور شائد بہت لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ یہی قوّت تمام دُنیا پر حکمراں ہے۔ یہی قوّت ہے جس پر حبِ انسانی کو غلبہ پانا ہے۔ اور یہ بآسانی مُطیع ہونے والی چیز نہیں ہے۔ اس پر غلبہ پانے کے لئے ایک ایسی تبدیلی کی ضرورت ہے جو صرف خدا ہی اپنی فطرت کو جو محبّت ہے۔ ہم میں ڈالنے سے پیدا کرسکتا ہے۔

مسیح کی تعلیم میں انسان خدا کے ساتھ تعلق رکھنے اور اپنی غیر فانی زندگی کے باعث ایسا عالی رتبہ ہو گیا ہے کہ ہر ایک شخص جو فی الحقیقت اس عقیدے پر ایمان رکھتا ہے اگر اپنے بھائی کے ساتھ بدسلوکی کرے تو خود اپنے تئیں مجرم سمجھنے لگتا ہے۔ لیکن انسان سے وہ تمام عظمت اور سرّیت جس سے مسیحیت اُسے ملبّس کرتی ہے اُتار لو جیسا کہ ناستک لوگ کرتے ہیں۔ اور اس یقین کو ترک کردو کہ وہ خدا سے نکلا ہے۔ اور کہ وہ اپنے سے اعلیٰ ہستیوں سے رشتہ رکھتا ہے جو اُس کی خبرداری کرتی ہیں۔ اور کہ اُس کی رُوح لامحدود لیاقت و قابلیت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ ایک نامتناہی ترقی و نشو و نما اُس کے سامنے ہے۔ ہاں اس یقین کو ترک کردو تو معلوم ہو جائیگا کہ اُس ادب و عزّت کو جسکے سبب سے اُس کی خبر گیری اور امداد ہم پر فرض ٹھیرتی ہے۔ انسان کے حق میں کس قدر عرصے تک قائم رکھنا ممکن ہے۔ آدمی کی عمر کی کوتاہی۔ ناستک لوگوں کی موجودہ تعلیم کے مطابق۔ اُس کی فوری امداد کے لئے ایک قسم کا حق عطا کرتی ہے۔ مگر کون جانتا ہے کہ ایک ایسی جماعت میں جو لا مذہبی پر کاربند ہے یہی دلیل ایک مختلف اثر پیدا نہ کردے یعنی ایک خودغرض آدمی اس سے یہ نتیجہ

نہ نکال لے کہ جو تکالیف ایسی جلدی ختم ہونے والی ہیں اُن کی پروا اور فکر کرنا لاحاصل ہے؟

اِس ملحدانہ حبّ انسانی کا آغاز ملک فرانس کے مشہور انقلاب سلطنت کے ماقبل زمانہ میں ہوا۔ اُس زمانہ کے دور اندیش لوگ امن و صلح اور برادرانہ محبت کے زمانے کی پیشین گوئی کر رہے تھے۔ جبکہ خود غرضی کے جذبات معدوم ہو جائینگے اور آگے کو بیرحمی اور ظلم دُنیا کو نہیں ستائینگے۔ مگر جب اُن کی تعلیم اپنا کام پُورا کر چُکی تو اُس کے پھل اس انقلاب سلطنت میں ظاہر ہوئے۔ جس کی ناقابل بیان بیرحمیوں نے بنی انسان کو اپنی فطرت کی تاریک گہرائیوں میں نظر مارنے کا ایسا موقع دیا جس کو وہ کبھی فراموش نہیں کرینگے۔ اس امر کو یاد کرنا دردناک ہے کہ خود رُوسو بھی۔ جو اس نئے مذہب کا نہایت فصیح البیان اور بعض امور میں نہایت شریف النّفس رسول تھا۔ حالانکہ لوگوں کے سامنے تو عالمگیر برادری کی منادی کرتا تھا۔ اُس نے خود اپنی اولاد کو جوں جوں وہ پیدا ہوتی گئی یتیموں کے ہسپتال میں بھیج دیا تاکہ اُس کو اُن کی پرورش کا خرچ و تکلیف نہ اُٹھانی پڑے۔ اس انقلاب نے بہت کچھ بربادی کی جس کا وقت آچکا تھا۔ مگر وہ ایک نہایت عظیم ثبوت اس امر کا تھا کہ وہ محبت جو اس کام کی انجام دہی کے لئے ضروری ہے ایک بالائی قدرت کے ذریعے سے ملنی چاہئے۔

ہم فی الحال سوسائٹی کی ایسی حالت میں رہتے ہیں جس میں اُن لوگوں میں بھی جنہوں نے مسیح کا نام لینا چھوڑ دیا ہے مسیحی خیال کی چنگاری سی ابھی باقی ہے۔ جس کے سبب سے کبھی کبھی نہایت خوبصورت شعلے ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر جو لوگ فطرتِ انسانی سے واقف ہیں وہ ضرور اس امر کا استفسار کرینگے کہ ناستک خیالات کے پیرو وہ روشنی اور حرارت کہاں سے لائینگے

جس کے زور سے وہ مسیحی مذہب کے اٹھا دئے جانے پر تاریک اور خود غرضانہ
جذبات کے پُرزور حملوں کو روک سکینگے؟ اُن لوگوں میں بھی جو سمجھتے ہیں کہ ہم
اس سے بالکل خلاصی پا چکے ہیں مسیحی مذہب کا بقیہ ابھی تک باقی ہے مگر
یہ دیکھنا ابھی باقی ہے کہ اصلی منبع سے جدا کئے جانے پر حبِ انسانی کا یہ
جوش کب تک رہیگا؟ ایک برف کی چادر کا پانی خشک ہو جانے کے بعد بھی
جس پر وہ منجمد ہوئی تھی تالاب کے کناروں سے چپٹے رہ کر اپنی جگہ پر قائم رہنا
ممکن ہے۔ مگر وہ دیر تک وہاں نہیں رہ سکتی اور نہ بہت بوجھ کی برداشت کر سکتی
ہے۔ وہ واقعات جن کا حبِ انسانی کو سامنا کرنا پڑتا ہے نہایت ہی پُرشور
ہیں۔ اور اپنے کو تکالیف سے بچانے اور دُنیا کا حظ اٹھانے کی آزمائشیں
زور آور اور دوامی ہیں۔ ابھی بہت عرصہ نہیں گزرا کہ لندن کے غربا کے آہ و نالہ
کی صدا اس قدر بلند ہوئی کہ وہاں کے دولتمندوں کو بھی مجبوراً اس پر کان دھرنا
پڑا۔ اس سے اُن کے دلوں میں یہاں تک تحریک پیدا ہوئی کہ بہت سے
خوبصورت مرد و زن نے اپنے عیش و عشرت کو چھوڑ کر غربا کی امداد کے لئے انکی
تنگ و تاریک اور غلیظ جھونپڑیوں میں جانا شروع کر دیا۔ مگر یہ بات بہت عرصہ
تک نہ رہی۔ اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد غربا کی خبرگیری کا کام زیادہ تر مسیح کے
عاجز پیرؤں کے ہاتھ میں جو پہلے ہی سے اس میں مشغول تھے چھوڑا گیا۔ اگر بخوبی
تحقیقات و جستجو کی جائے تو میرے خیال میں یہ بات ثابت ہو جائیگی کہ ہمارے
درمیان بہت تھوڑے قابلِ ذکر ہمدردیٔ انسانی کے انتظامات و کارخانجات
ہیں جو ٹوٹنے سے بچ رہینگے۔ اگر وہ لوگ جو نہ صرف انسان کی بلکہ اپنے
منجی کی خاطر اُن کی امداد کرتے ہیں مدد دینا بند کر دیں ۔

۳

وہ صورتیں جن میں مسیح کی حُبِّ انسانی ظاہر ہوتی تھی خاص کردہ ہیں۔ اُن میں سے ایک غریبوں کو خیرات دینا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ اُس کی دائمی عادت تھی۔ یہاں تک کہ جب پکڑوائے جانے کی رات کو اُس نے یہوداہ سے جس کے پاس تھیلی تھی یہ کہا کہ "جو تجھے کرنا ہے سو جلدی کر" تو باقی شاگردوں نے خیال کیا کہ اس پیغام سے یہ مراد ہے کہ وہ کسی شخص کی جو مصیبت میں ہے جا کر مدد کرے۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ تھیلی کس طرح بھری جاتی تھی۔ شاید یسوع نے اپنی آئندہ زندگی کا خیال کر کے بڑھئی کا کام کرنے کے زمانے میں جو کچھ جمع کیا تھا۔ اُس میں ڈال دیا ہو اور بارہ شاگردوں نے بھی شاید ایسا ہی کیا ہو اور پاک عورتیں بھی جو اُس کے ساتھ رہتی تھیں اُس کی مدد کرتی ہونگی۔ مگر ایسا خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ وہ ہمیشہ بہت بھری رہتی تھی۔ بلکہ ہم کو اس کے خلاف شہادت ملتی ہے۔ جب یسوع خیرات دیتا تھا تو یہ ایک غریب غریبوں کو دیتا تھا۔ مگر اُس نے یہ عادت آخر تک برابر جاری رکھی ٭

بہت سے نیک آدمی ہیں جن کو اس قسم کی انسانی ہمدردی ایسی خوفناک معلوم ہوتی ہے کہ اُنہوں نے بالکل اس کے خلاف اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ مگر یسوع کا نمونہ اس کی تائید کرتا ہے۔ تاہم اس میں کچھ شک نہیں کہ اس میں بہت کچھ احتیاط اور خبرداری کی ضرورت ہے۔ ایک ایسے گدا کو جس نے گداگری کا پیشہ اختیار کر لیا ہو دینا بجائے فائدے کے نقصان کرنا ہے۔ اور ایسے شخص کی منت سماجت پر کان دھرنا خوبی کی بجائے ایک عیب شمار کیا جانا چاہئے[1]۔ مگر ایسے غریب لوگ بھی ہیں جو امداد کے مستحق ہیں۔ ایسے لوگ

[1] ڈورنر صاحب لکھتے ہیں "افلاس میں تو کچھ قدسیت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ غریب لوگ کلیسیا کی قربانگاہ کے طور پر ہیں۔ جہاں نذریں چڑھائی جاتی ہیں۔ مگر گداگری میں کچھ بھی قدسیت نہیں ٭

اُن اشخاص کو جو اُن کے درمیان کام کرتے ہیں معلوم ہیں۔ اور اگر دولت مند لوگ اِن اشخاص کو اپنی خیرات تقسیم کرنے کا بھی ذریعہ بنالیں تو فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ مگر ایسے لوگوں کو خود بخود ڈھونڈ لینا بھی کچھ مشکل نہیں بشرطیکہ ہم خود غُربا کے مسکنوں میں جانے کی تکلیف گوارا کرسکیں۔ بہت لوگوں کے لئے تو غُربا کے مسکن دنیا کے ایک نامعلوم حصے کی مانند ہیں۔ اگرچہ وہ اُن کے دروازوں کے سامنے ہی ہیں۔ مگر اُن کا دریافت کرلینا کچھ مشکل نہیں۔ ایک دفعہ محبت والے دل کے ساتھ اُن میں داخل ہو۔ اور پھر ترقی بالکل آسان ہے تم کو اُن میں ایسے راستباز اشخاص ملینگے جو بیماری یا عارضی بیکاری کے سبب محتاج ہوگئے ہیں اور جن کو تم مدد دیکر اُن کی مصیبت سے آزاد کرسکتے ہو۔ اُن میں ایسے عمر رسیدہ لوگ بھی ملینگے جنھوں نے زندگی کی لڑائی مردانہ وار لڑی ہے۔ مگر اب زیادہ لڑائی کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور یقیناً ایسے لوگوں میں سے چند ایک کی اپنی فیاضی سے پرورش کروگے تو یقیناً تمہارے لئے عزت کی بات ہوگی۔ غریب سے غریب لوگوں کے درمیان ایسے لوگ ہیں جو خدا کے نزدیک اقتدار رکھتے ہیں۔ جو شائد زندگی کی آئندہ منزل میں ہمارے مربّی بننے کے لائق سمجھے جائینگے ✦

مسیح کی حبِّ انسانی کی دوسری صورت بیماری سے شفا دینا تھی یہ دیکھکر کہ وہ معجزے سے چنگا کرتا تھا۔ ہم طبعاً یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ یہ کام بآسانی کرسکتا تھا۔ مگر شائد اس میں ہمارے خیال کی نسبت اُس کو زیادہ جہد وسعی کرنی پڑتی تھی۔ ایک موقع پر جب ایک عورت اُسے چھوکر چنگی ہوگئی مگر نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کو جانے تو بھی اُس کو معلوم ہوگیا۔ کیونکہ یہ لکھا ہے کہ "اُس نے جانا کہ قوت اُس میں سے نکلی"۔ اور بھی باتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ

اِن معالجوں پر اُس کی جسمانی ہمدردی اور جذبِ دل کا خرچ ہوتا تھا اور اِس امر سے مقدّس متی کے اِس قول کا زور ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ "اُس نے خود ہماری کمزوریاں لے لیں اور ہماری بیماریاں اُٹھالیں"۔ مگر خواہ کچھ ہی ہو معالجے کا کام اُس کے نہایت دلپسند اور مرغوب طبع تھا۔ وہ کبھی ایسا خوش نہیں ہوتا تھا جیسا اُس بھیڑ میں جہاں ہر قسم کی جسمانی یا روحانی امراض کے گرفتار جمع ہوتے تھے اور جن کے درمیان وہ محبت و مہربانی کے ساتھ پھرتے ہوئے کسی کو چھُوکر شفا بخشتا۔ کسی کو کلام کی قدرت سے مضبوط کرتا اور سب کو مہربانی اور تسلّی کی نظر سے خوش و خرّم کرتا تھا۔ اس خوشی کی شعاعیں دور دور تک پہنچتی تھیں۔ جبکہ ایک باپ اپنے گھر کو واپس آتا تھا۔ گھر کے لوگوں پر بوجھ ہونے کے لئے نہیں۔ بلکہ اُن کے لئے روٹی کمانے کو۔ اور جب ایک بیٹا اپنے ماں باپ کے گھر آتا تھا۔ تردد و تشویش کا باعث ہونے کو نہیں بلکہ کُنبے کا فخر ہونے کو۔ اور جب ایک ماں اپنے بال بچّوں کے درمیان آتی اور اپنا کام دوبارہ اختیار کرتی تھی جس سے بیماری کی وجہ سے علیحدہ ہوگئی تھی۔ ہاں ایسی حالتوں میں اُس خوشی کا دائرہ جو اُس نے اپنے شفا بخش ہاتھ سے پہنچائی کس قدر وسیع ہوجاتا ہوگا۔ سب سے عمدہ امداد جو غریب اور محتاج کو دی جاسکتی ہے وہ ہے جو اُنہیں اپنی مدد آپ کرنے کے قابل بنائے۔ اور اِسی قسم کی مدد تھی جو یسوعؔ اپنے معجزوں کے ذریعے سے دیتا تھا۔ البتّہ ہم کو معجزہ کرنے کی طاقت تو حاصل نہیں ہے مگر اُس کی جگہ ہم کو اَور قوتیں حاصل ہیں جن سے ہم ویسا ہی کام لے سکتے ہیں۔ اور جو ایسے ایسے عجیب کام کرنے کی قابلیت رکھتی ہیں جو اُن کاموں سے جو اُس کے زمانے میں محض طبعی ذریعوں سے کئے جانے ممکن تھے۔ اس قدر بڑھکر ہیں جیسے اُس کے معجزے ہمارے کاموں سے ؛

مثلاً ہمارے پاس علم وفن کی قوّت ہے۔ شائد حبِّ انسانی کی کوئی صورت اسقدر زیادہ مسیح کے خیال کی مانند نہیں جس قدر وہ جس سے غریب اور جاہل شخص کے لئے بھی اوّل درجہ کا طبّی علاج مہیّا ہو سکتا ہے۔ ہمارے غریب خانے اور ہسپتال مسیح کے شفا بخش کاموں کو جاری رکھتے ہیں۔ مڈیکل مشنری غیر ممالک میں جا کر وہ کام کرتے ہیں جو بالکل اُس کام کے مطابق معلوم ہوتا ہے جس کے ساتھ اُس نے اپنے شاگردوں کو منادی کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ کلیسیا نے اب تعلیم یافتہ بیماردار عورتوں کو مشن کے کام میں استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور ملک کے ہر ایک حصّے میں ایسے طبیب موجود ہیں جو غریب سے غریب شخص کے واسطے بھی جہاں تک اُن کے فن کے اختیار میں ہے سعی و کوشش کرتے ہیں۔ اُس کام کے لئے وہ اُن سے کچھ بھی معاوضہ نہیں لیتے۔ مگر تو بھی وہ زیادہ اندرونی خوشی سے اس محنت کو گوارا کرتے ہیں بہ نسبت اُس کے جو اُن کو ایسے بیماروں کے معالجہ سے جو اُنہیں روپیہ دیتے حاصل ہوتی۔ اور یہ کام وہ صرف اس وجہ سے کرتے ہیں کہ اُن کو یقین ہے کہ غریبوں کا علاج کرتے ہیں وہ مسیح کی جس کے وہ اعضا ہیں خدمت کرتے ہیں ؂

پھر سیاستِ ملک کی طاقت ہے۔ اس پر ابتدائی زمانے کے مسیحیوں کو کچھ اختیار نہ تھا۔ کیونکہ حکومت میں اُن کو کچھ دخل نہ تھا۔ مگر یہ طاقت اب ہم سب کے ہاتھ میں ہے یہانتک کہ اب ہمارے ملک میں پبلک اوپینین کا زور اس قدر بڑھتا جاتا ہے کہ۔ گورنمنٹ ہر معاملے میں حتّی الامکان عوام کی رائے کو معلوم کرنے اور اُس پر کاربند ہونے کی کوشش کرتی ہے۔ ولبر فورس[1] اور شفٹسبری

[1] حبِّ انسانی سب زمانوں میں بنی انسان پر فرض ہے۔ لیکن اگر ہم حبِّ انسانی کے خاص طریقوں پر جو مسیح نے اپنے پیروؤں کو بتلائے غور کریں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ وہ اُس زمانے کی خاص ضروریات

کے کام سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدی اور دکھ کے دفعیہ کے لئے اس طاقت کو کس طرح کام میں لاسکتے ہیں۔ اس کے ذریعے سے ہم چشمے کے منبع پر جاکر بہت سی بڑی بڑی بدیوں کو اُن کے نکاس پر ہی روک سکتے ہیں۔ مسیحی لوگ ابھی سیکھنے لگے ہیں کہ اس کا استعمال کس طرح کرنا چاہیئے۔ بعض تو ابھی تک اسکو چھونے سے بھی ڈرتے ہیں گویا کہ وہ کوئی ناپاک چیز ہے۔ مگر اب وہ یہ جانکر اُس کی قدر کرینگے کہ نیکی کرنے کے لئے یہ ایک نہایت طاقتور اوزار ہے جو تقدیر نے اُنکے ہاتھ میں دیا ہے۔ ہم ہمیشہ ایسی حبّ انسانی پر قانع نہیں رہ سکتے جو اُن مظلوموں کی جو ظلم کی چرخی پر سے شکستہ و خستہ ہو کر گرتے ہیں خبر گیری کرتی ہے بلکہ ہمیں خود اُس چرخی کو بند کردینا چاہیئے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۴) کے لحاظ سے مقرر کئے گئے تھے۔ اُسی محبت کی رُوح جس نے اُن کو تجویز کیا تھا۔ اُنہیں مسائل پر اس زمانے میں غور و فکر کرکے اُنہیں بالکل ناکافی پائیگی۔ کوئی شخص جو اپنے ہم جنسوں کو پیار کرتا ہے اسی امر پر قناعت نہیں کریگا کہ مصیبت زدہ آدمیوں کی نوکر کی طرح خدمت کرے جب کہ بہت سی صورتوں میں یہ ممکن ہے کہ اُن مصیبتوں کا پہلے ہی سے خیال کرکے اُن کو ضرر رسانی سے پہلے رفع دفع کیا جاوے۔ مرض کی روک علاج سے بہتر ہے۔ اور اب یہ امر سب پر روشن ہے کہ انسانی مصائب کا بہت سا حصہ تمدنی انتظامات کی اصلاح و درستی سے روکا جاسکتا ہے۔ انسان کے بھی خواہوں کو اگر اُن کی محبت سچی ہے۔ چاہیئے کہ اس مقصد کو زیادہ عظیم۔ زیادہ وسیع۔ اور مستقل طور پر فائدہ مند۔ اور اس وجہ سے اور باتوں کی نسبت زیادہ تر مسیحیوں کی کوشش کے لائق سمجھ کر اپنے مدنظر رکھیں۔ البتہ اس کے ساتھ اُنہیں اُس سے ادنےٰ کام کو یعنی اُن لوگوں کی مدد و تسلی کرنے کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ جو خواہ غلطی سے خواہ سوسائٹی کے ناقص دستورات کے سبب خواہ ایسے اسباب کی وجہ سے جو روکے جا نہیں سکتے مصیبت میں پڑ گئے ہیں۔ مگر جب وہ یہ سب کچھ کر چکینگے۔ جس کی عہد جدید میں ہدایت ہے تو وہ دیکھینگے کہ اُنکے کام کا ابھی آدھا بھی پورا نہیں ہوا

یہ قوتیں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا صرف اُن قوتوں میں سے بطور مشتے نمونہ از خروار کے ہیں جن سے مسیحی حبّ انسانی اپنے کو مسلح کر رہی ہے۔ اور رفتہ رفتہ مسیح کا یہ کلام پایۂ ثبوت کو پہنچ رہا ہے کہ۔ "میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے جو کام میں کرتا ہوں وہ بھی کریگا۔ اور اس سے بھی بڑے بڑے کام کریگا۔ اور اس سے بھی بڑے بڑے کام کریگا۔ کیونکہ میں اپنے باپ کے پاس جاتا ہوں"۔

۴

اس سے بڑھ کر کوئی امر زیادہ تحقیق نہیں کہ ہمارے خداوند نے اپنے کام کا یہ حصہ بھی اپنے پیرؤوں کے لئے بطور نمونے کے چھوڑا ہے۔ مشترکہ تھیلی میں سے خیرات تقسیم کرنے سے اُس نے بارہ شاگردوں کو بھی اس کام میں اپنے ساتھ شریک کر لیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۵) جب ایک بیمار آدمی کی حالت کو دریافت کر کے اُس کے علاج و آسائش کا سب کچھ انتظام ہو چکے تو بھی زمانۂ حال کا ہمدرد انسان یہیں بس نہیں کریگا بلکہ اس کے علاوہ وہ اُسکی بیماری کی وجوہات کو بھی دریافت کریگا کہ کونسا بڑا مُہلک اثر اُس کی زندگی کے درپے ہے۔ کونسے قوانین قدرت کو اُس نے اپنی خوراک یا عادات میں توڑا ہے جس سے یہ مصیبت اُس پر پڑی۔ اور تب وہ اس امر کی جستجو کریگا کہ آیا اَور لوگ بھی انہیں اسباب سے معرضِ خطر میں ہیں اور پھر اس امر کی فکر کریگا کہ اُن کو کس طرح اس سے خبردار کرنا چاہئے۔ جب ایک فاقہ کش محتاج کی حاجت روائی ہو چکے تو زمانۂ حال کا کریم النفس شخص اس امر کی تحقیقات کریگا کہ آیا تمدنی انتظام کے کسی نقص کے سبب وہ قدرت کے فیض میں سے اپنا حصہ لینے سے محروم رکھا گیا ہے۔ یا یہ کہ مضبوط شخص کمزوروں پر کسی طرح جبر کر کے اُن کی حق تلفی کر رہے ہیں یا خود اُسی شخص میں ناشائستگی یا ناتربیت پذیری کا کوئی نقص ہے جس سے وہ کفایت شعاری کے وصف و عادت سے بے پروائی کر رہا ہے۔ (از اکسی ہومو) *

بلکہ وہ تھیلی بھی اُن میں سے ایک کے سپرد کر رکھی تھی۔ ایک شخص کو اُس کے پیروؤں میں شریک ہونا چاہتا تھا اُس نے فرمایا کہ "جا اور جو کچھ تیرا ہے بیچ اور غریبوں کو تقسیم کر تو تُو آسمان پر خزانہ پائیگا۔ اور آ اور میرے پیچھے ہو لے"۔ اور صورتوں میں بھی اُس نے شاگرد بننے کے لئے یہی شرط پیش کی ہوگی۔ اُس نے معالجے کے کام میں بھی بارھوں کو اپنے ساتھ شریک کیا۔ اور جب اُس نے اُن کو باہر بھیجا تو فرمایا کہ "بیماروں کو چنگا کرو۔ کوڑھیوں کو صاف کرو۔ مُردوں کو جلاؤ۔ دیوؤں کو نکالو۔ تم نے مفت پایا مفت دو"۔

مگر اِن سب سے زیادہ دلنشین ثبوت آخری عدالت کے اُس ہولناک بیان میں ملتا ہے جہاں کہ بادشاہ اپنے دائیں ہاتھ والوں سے فرماتا ہے "اے میرے باپ کے مبارک لوگو۔ اُس بادشاہت کو جو دنیا کی بنیاد ڈالتے ہی تمہارے لئے تیار کی گئی میراث میں لو۔ کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا۔ میں پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں اُتارا۔ ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا۔ بیمار تھا تم نے میری عیادت کی۔ قید میں تھا تم میرے پاس آئے"۔ مگر بائیں طرف والوں سے کہتا ہے کہ "اے ملعونو میرے سامنے سے اُس ہمیشہ کی آگ میں جاؤ۔ جو شیطان اور اُسکے فرشتوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ کیونکہ میں بھوکا تھا پر تم نے مجھے کھانے کو نہ دیا۔ پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا۔ پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں نہ اُتارا۔ ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا۔ بیمار اور قید میں تھا تم نے میری خبر نہ لی"۔

کیا ایسے بہت سے مسیحی ہیں جو اس امر کو متحقق کرتے ہیں کہ یہی پیمانہ ہے جس کے مطابق آخری عدالت میں اُن کی مسیحیت کا امتحان ہوگا؟ کیا مسیحی ممالک کے لوگوں کے عادات ہمارے خداوند کی اس نہایت صاف وصریح تعلیم

سے مطابقت رکھتے ہیں؟ درحقیقت چند ایسے اشخاص ہیں جو اس راستے میں اُس کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اگرچہ یہ خود انکاری کا راستہ ہے وہ اس کو پھولوں سے بچھا پاتے ہیں۔ کیونکہ بدبختوں کے گھروں کے راستے پر وہ مسیح کے قدموں کے نشان پاتے۔ اور نحیف اور دردکش لوگوں کے بدن کو ہاتھ لگانے میں اُن کی انگلیاں اُس کے ہاتھوں اور پہلو کو چھوتی ہیں۔ اس طور سے جب وہ اپنی زندگی کو کھوتے ہیں تو اُسے پاتے ہیں۔ مگر کیا عام طور پر ہر ایک مسیحی کا یہی طور و عادت ہے؟ کیا اُس کے پاؤں اندھے اور اپاہج اور بے یار و مددگار اشخاص کے گھروں کی راہ سے واقف ہیں؟ ایک دن آتا ہے جب ہم میں سے بہت یہ چاہینگے کہ کاش ہر ایک پیسہ جو اُنہوں نے غریب کو دیا اشرفی ہوتا! اُس دن وہ لوگ جو مسکین اور بیمار کی مدد کے لئے ہم سے روپیہ مانگتے ہیں اور جن کے اصرار و استدعا کی ہم اکثر شکایت کیا کرتے ہیں ہمارے سب سے عمدہ مربّی شمار کئے جائینگے۔ ہاں اُس روز ہمارے لئے وہ ایک گھڑی جو ہم نے غربا کی جھونپڑی میں کاٹی سو گھڑیوں کی نسبت جو دولتمند کے دسترخوان پر گزاریں زیادہ قیمتی ہوگی۔ کیونکہ اُس دن وہ عدالت کے تخت پر بیٹھکر فرمائیگا کہ "جب تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے ایک کے ساتھ کیا تو میرے ساتھ کیا"۔

۱۲

مسیح کا نمونہ رُوحوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے

متی ۱ : ۲۱
" ۴ : ۱۸ - ۲۲
" ۹ : ۱۰ - ۱۳

لوقا ۴ : ۳۴
" ۷ : ۳۶ - ۵۰
" ۱۵ باب
" ۱۹ : ۱ - ۱۰ و ۱۴ و ۲۴
" ۲۲ : ۳۹ - ۴۳

یوحنا ۲ : ۲۳
" ۳ باب
" ۴ باب
" ۷ : ۳۱ و ۳۷
" ۹ : ۳۵ - ۳۸
" ۱۰ : ۱۱
" ۱۲ : ۲۱ و ۲۲

بارھواں باب

مسیح کا نمونہ رُوحوں کو اپنی طرف کھینچنے میں

۱

میں نے سُنا ہے کہ جنوبی افریقہ میں ایک ہیرے کی کان اس طور سے دریافت ہوئی کہ کوئی مسافر ایک روز سفر کرتے ہوئے ایک وادی میں جا پہنچا۔ اور ایک آدمی کے گھر کی طرف گیا۔ گھر کے دروازے پر ایک لڑکا پتھروں سے کھیل رہا تھا۔ ایک پتھر اس سیاح کے پاؤں پاس بھی آپڑا جسے اُس نے اُٹھا لیا۔ اور وہ کھیل کے طور پر اُس لڑکے کی طرف پھینکنے کو تھا کہ ناگہاں اُس میں کچھ چیز چمکتی نظر آئی جسے دیکھکر اُس کا دل دھڑکنے لگ گیا۔ کیونکہ یہ ہیرا تھا۔ بچہ اُسے ایک عام پتھر سمجھ کر کھیل رہا تھا۔ کسان کا پاؤں کئی بار اُس پر پڑا ہوگا۔ اور وہ گاڑی کے پہیے کے نیچے آکر کچلا گیا ہوگا۔ یہاں تک کہ اس آدمی نے اُسے دیکھا اور اُس کی قدر پہچانی ٭

جب میں انسانی رُوح کی نسبت غور کرتا ہوں تو یہ کہانی اکثر مجھے یاد آیا کرتی ہے۔ کیا رُوح کے ساتھ بھی ایسی ہی بے پروائی سے برتاؤ نہیں ہوتا تھا جبکہ یسوع نے دنیا میں آکر اُس کو اس ہیرے کی طرح دریافت کیا؟ ایک کسبی کی رُوح

بدکاری کی کیچ اور غلاظت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ مگر پھر کیا؟ کیا ایک فریسی اُس کو نکالنے کے لئے کبھی اپنی اُنگلی کو ناپاک کرنا پسند کرتا؟ ہرگز نہیں۔ ایک بچے کی رُوح! اس کی نسبت تو فقیہ اپنی محفلوں میں بحث کیا کرتے تھے کہ آیا بچے میں بھی فی الواقع رُوح ہے؟

بلکہ اس زمانے میں بھی بہت سے اشخاص کے نزدیک کوئی چیز رُوحِ انسانی کی نسبت زیادہ کم وقعت نہیں سمجھی جاتی۔ ٹھیک اُسی طرح جیسے ہیرے کا حال تھا اس کو بھی اِدھر اُدھر پھینکا جاتا۔ اُس سے بے پروائی کی جاتی اور پاؤں کے نیچے روندا جاتا ہے۔ ایک نئی رُوح ابدیت میں سے تر و تازہ نکل کر ایک زمینی گھر میں داخل ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی عموماً کُنبے کے لوگ برابر گناہ پر گناہ کئے جاتے ہیں گویا کہ کوئی رُوح وہاں نہیں آئی۔ اور نہ اُن کے دل میں اس خیال سے کسی قسم کی پشیمانی یا اضطراب ہوتا ہے کہ مبادا وہ رُوح اُنکے بُرے نمونے سے بگڑ جائے رفتہ رفتہ بڑی ہو کر یہ رُوح باہر دُنیا میں جاتی اور تمدنی زندگی کے قسم قسم کے اثرات سے متأثر ہوتی ہے۔ مگر یہاں بھی لوگوں کے دل میں اُس کی قدر و قیمت کا کچھ خیال نہیں۔ یہاں بھی اُس کو گمراہ کرنے سے کسی کو کچھ خوف نہیں۔ اور نہ اُس کی عالی اصل اور عظیم انجام کا خیال کر کے کسی کے دل میں اُس کی نسبت تعظیم کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اگر اُس کا مناسب طور سے نشو و نما نہیں ہوتا یا وہ کھوئی جاتی یا بلا تیاری ہلاکت کے گڑھے کی طرف دوڑتی ہے تو اکثروں کو تو اُس کی کچھ بھی پروا نہیں۔ اُس کی آئندہ قسمت سے اُن لوگوں کو کچھ واسطہ نہیں بلکہ اُن کو یاد بھی نہیں کہ ایسی کوئی چیز دُنیا میں موجود ہے۔

خود ہمارے روزمرہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم میں سے اکثروں کے نزدیک رُوح ایسی ہی نادر یافت شدہ شے ہے جیسے وہ ہیرا اُس بچے کے

نزدیک تھا۔ جبکہ مزدور ایک کارخانے سے شام کو نکلتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اِس کارخانے میں کتنے ہاتھ کام کرتے ہیں۔ ہاتھ! نہ رُوح۔ گویا کہ آدمی صرف کام کی قوت ہی کا پتلا ہے اور اُس میں اس سے بالا اور کوئی چیز نہیں۔ جب ہم گلی میں لوگوں کی بڑی بھیڑ دیکھتے ہیں تو ہمیں کیا نظر آتا ہے؟ کیا صرف بہت سی شکلیں جو اپنی صورت اور لباس وغیرہ کے لحاظ سے مرغوب یا غیر مرغوب معلوم ہوتی ہیں۔ یا مجسّم ارواح جو خدا کے پاس سے آئیں اور خدا کی طرف جا رہی ہیں؟

اگر اب ہم کو اِس مذکورۂ بالا طور سے رُوح انسانی پر نظر کرنے کی قوت حاصل ہے تو یہ بات ہم نے مسیح ہی سے سیکھی ہے۔ اُسی نے رُوح کو کیچڑ میں سے اور پاؤں کے نیچے سے اُٹھایا اور کہا کہ۔ دیکھو یہ ہیرا! "آدمی کو اس سے کیا فائدہ کہ وہ ساری دُنیا کو حاصل کرے مگر اپنی جان کو کھو دے"؟

زمانۂ گزشتہ میں بنی آدم بڑی بڑی روحوں کا تو بہت خیال کرتے تھے۔ یعنی ایسے اشخاص کا جو قوت یا حکمت کے زور سے تمام لوگوں میں امتیاز حاصل کر لیتے تھے۔ مثلاً سقراط یا جولیس قیصر وغیرہ۔ مگر یسوع نے ہی پہلی دفعہ یہ تعلیم دی کہ ہم کو عام سے عام رُوح کا خواہ وہ بچے کی ہو یا عورت کی یا محصول لینے والے اور گنہگار کی روح کا بھی ویسا ہی خیال کرنا چاہئے۔ یہی تعلیم اُسکی لاثانی اور غیر فانی ایجاد ہے۔ آدم کے ہر ایک فرزند میں اُس نے اس گوہر کو دریافت کر لیا۔ ایک قلاش کے چیتھڑے اِس رُوح کو اُس کی آنکھوں سے پنہاں نہ کر سکے اور نہ حبشی آدمی کا سیاہ چمڑا یا بدکار کے جرائم اُس کو اُسکی نظروں سے چھپا سکے۔ یہ تو سچ ہے کہ رُوح جہالت اور شرارت کی کیچ میں غرق ہو کر کھوئی گئی تھی۔ مگر اس وجہ سے وہ اُس کی نظروں میں اَور بھی مرغوب ہو گئی۔ بلکہ اس امر سے اُس کو

اور بھی زیادہ تحریک ہوئی کہ اُسے نکال کر اور صاف کرکے اُس جگہ پر رکھے جہاں وہ درخشاں ہو۔ ایک طبیب کے نزدیک کس قسم کے اشخاص زیادہ دلچسپ ہیں؟ تندرست نہیں بلکہ وہ جو بیمار ہیں۔ اور اُس کے تمام مریضوں میں اُس مریض کا اُسے زیادہ تر خیال رہتا ہے جو زیادہ تر اُس کی مدد کا محتاج ہے۔ اُس کی فکر دن رات اُس سے جدا نہیں ہوتی۔ وہ قریباً ہر وقت اُسی کی حالت پر سوچا کرتا ہے۔ وہ دن میں تین تین بار جاکر اُسے دیکھتا ہے۔ اور اگر وہ اُس مرض کے علاج میں کامیاب ہوتا ہے تو اسے اپنے فن کی ایک بڑی فتح سمجھتا ہے۔ یسوع نے بھی یہی تعلیم دی۔ اور اس سے اُسکے دلی خیال اور رویّے کا بخوبی اظہار ہوتا ہے؎

مگر رُوح کے اس مقیاس میں بھی ایک راز ہے۔ کیا یہ درحقیقت صحیح ہے کہ ایک رُوح۔ بلکہ چور کی رُوح بھی جو آج قید خانے میں پڑا ہے یا بھانڈنی کی بھی جو رات تماشا گھر میں لوگوں کو ہنسا رہی تھی۔ کیلیفورنیا کے سونے اور گولکنڈہ کے ہیرے سے زیادہ قیمتی ہے؟ عوام کے نزدیک اگر وہ اپنے دلی خیال کا صاف اظہار کریں یہ دعوےٰ کچھ معنی نہیں رکھتا۔ مگر یہ دعوےٰ اُس شخص نے کیا تھا جو جبکہ وہ اس عالم سفلی میں زمان اور مکان کی قید میں تھا اُسی وقت عالم علوی اور ابدیت میں بھی سکونت پذیر تھا۔ اور اس لئے وہ زمانۂ مستقبل کے انجام تک نظر کرکے دیکھ سکتا تھا کہ رُوح کیا کچھ بن سکتی ہے۔ کس اعلےٰ اور شاندار حالت تک ترقی کر سکتی اور کس ذلت اور بربادی کی گہرائی تک تنزّل کر سکتی ہے؎

یہ رُوح کا عجیب و غریب مقیاس اُس کے روحوں کے بچانے کے کام کی مخفی کلید ہے۔ اور یہی ذہن اور دل کا روشن کرنے والا اعتقاد ہے جو ہر زمانے میں مخلص ارواح شخص کا خاصہ ہے۔ کوئی ایسا شخص اس عہدے کے کسی کام پر متعین ہونے کے لائق نہیں جو رُوح کو مال و دولت یا جسمانی

قوّت یا کامیابی یا کسی زمینی چیز سے بڑھکر نہیں سمجھتا - اور جس کے نزدیک ایک رُوح کا بچانا تمام اعلیٰ درجے کی شہرت و ناموری سے کہیں بڑھکر تحفہ نہیں ہے[1]

۲

لیکن ایک اور مدّعا بھی ہے جو شائد زیادہ لابدی ہے - وہ الٰہی بلاہٹ کا یقین ہے - مخلص ارواح کو اس بات سے دلی آگاہی ہونی چاہئے کہ وہ خدا کا کام کرتا ہے اور یہ خدا کا پیغام ہے جو وہ لوگوں تک پہنچا رہا ہے +

بنی انسان کی خدمت میں سرگرم ہونے کی خواہش ایک شریف جذبہ ہے

[1] ایک طاقت ہے جس پر وعظ و نصیحت کی تمام کامیابی کا مدار ہے - اُسکی تاثیر ہر جگہ لابدی ہے اور اُسکی موجودگی کے بغیر ہم ہرگز نہیں خیال کر سکتے کہ کوئی شخص حقیقی اور کامل معنوں میں خادم انجیل بن سکتا ہے - یہ طاقت اُسے واعظ بننے پر مجبور کرتی اور ہر ایک وعظ جو وہ سُناتا ہے کم و بیش اُسی طاقت سے صورت پذیر ہوتا ہے - یہ طاقت انسانی رُوح کی قدر ہیں ہے جو واعظ اپنی رُوح میں محسوس کرتا ہے اور یہی اُس کے تمام کام کا ذریعہ اور تحریک ہے - خادم الدّین کے اور تمام مقاصد اس ایک عظیم بنیادی مقصد کے گرداگرد کھڑے معلوم ہوتے ہیں جیسے ایک جرنیل کے گرد اُسکے ماتحت افسران ہوتے ہیں - وہ اُس کے محتاج ہیں اور اُس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں - مگر وہ اُنکے ساتھ ایسا وابستہ نہیں جیسے وہ اُسکے ساتھ ہیں - اگر اُن میں سے کوئی فرار ہو جائے تو ہو جائے - وہ اُس کی مدد کے بغیر لڑائی لڑ سکتا ہے - کام میں دلچسپی - قدرت کے استعمال میں خوشی - خدا کی سچّائی کی محبت - مطالعہ کی اُلفت - اپنی زندگی کو دوسرے اشخاص کی زندگیوں سے وابستہ دیکھنے کا حظ - انتظام کا خیال - باقاعدہ حرکت کی چاہ - آدمیوں کی زندگی اور چال کی شناخت اور سب سے بڑھکر غلط خیالات کی جگہ صحیح خیالات کو جگہ پکڑتے دیکھنے کی خوشی و فرحت - یہ سب باتیں اس اعلےٰ جرنیل کے ماتحت افسران ہیں لیکن اصل مدّعا جس کے یہ سب خدمتگزار ہیں - ان سب سے کیسا رفیع و بالا ہے + (از بشپ فلپ برکس)

اور اُس سے ایک ناخود غرض شخص کے ابتدائی جد و جہد پر ایک نہایت خوبصورت شعاع پرتو افگن ہوتی ہے۔ مگر اُس جذبے کی طاقت دُنیاوی کاروبار کے لئے بمشکل کافی ہے۔ بعض اوقات ایسی مایوسی کی گھڑیاں زندگی میں پیش آتی ہیں کہ آدمی مشکل سے ہماری خدمت و جانفشانی کے سزاوار معلوم ہوتے ہیں۔ وہ ایسے کمینے اور ناشکر گزار ہیں۔ ہماری ساری سعی و کوشش سے اُن میں کچھ بھی تبدیلی نظر نہیں آتی۔ اس خیال سے دل میں ایسی سخت تحریک پیدا ہوتی ہے کہ ایسے بے صلہ کام کو ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔ وہ لوگ جن کے لئے ہم اپنے تئیں قربان کر رہے ہیں ہماری کوششوں کے نتائج سے بہرہ ور تو ہوتے ہیں مگر یا تو ہمارا کچھ بھی لحاظ نہیں کرتے یا پھر کر ہمیں پھاڑے ڈالتے ہیں گویا کہ ہم اُن کے دشمن ہیں۔ تو پھر ہم کیوں اصرار کے ساتھ اپنے تحفوں کو ایسے اشخاص کے سامنے پیش کریں جو اُن کی خواہش نہیں رکھتے؟ اس سے بھی بڑھکر رنج انگیز یہ خیال ہے کہ ہمارے پاس دینے کو بھی بہت کچھ نہیں۔ شاید ہم نے اپنی بلاہٹ کو غلط سمجھا۔ یہ دُنیا تو سرے ہی بگڑی پڑی ہے۔ کیا ہم ہی اسے سلجھانے کو پیدا ہوئے ہیں؟

ایسی حالتوں میں محض انسانی محبت کی نسبت ایک زیادہ قوی مقصد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہماری تھکی ہاری گرمجوشی خدا کے حکم سے پاؤں پر کھڑی کئے جانے کی محتاج ہوتی ہے۔ یہ اُس کا کام ہے۔ یہ روحیں اُسی کی ہیں۔ اُسی نے انہیں ہمارے سپرد کیا ہے اور اپنے تخت عدالت پر وہ ہم سے ان کا حساب طلب کریگا۔

تمام انبیا و رُسل نے جو خدا کی طرف سے انسان کے درمیان کام کرتے رہے اسی قوت سے تحریک پائی ہے۔ اور اسی کے ذریعے سے اُنہوں نے کمزوری میں طاقت پائی۔ اور اسی قوت نے اُنہیں دُنیا کی مخالفت کے مقابلے میں برقرار

رکھا۔ اُن میں سے اکثروں پر تو وہ عظیم گھڑی وارد ہوئی جس میں انہوں نے اس بُلاہٹ کو صاف طور پر معلوم کر لیا اور اپنی زندگی کے کام کو پہچان لیا۔ یہ بلاہٹ موسےٰ کو بیابان میں ہوئی اور باوجود اُس کی نارضامندی کے اُس کو قومی خدمت پر مجبور کیا۔ اور اُس کی بعد کی زندگی کی گوناگوں اور بے مثل آزمائشوں اور تکلیفات میں اُس کی ہمدم رہی۔ یہ یسعیاہ پر ایک رویا میں جلوہ گر ہوئی اور اُس کی بعد کی زندگی پر اپنا پُر زور اثر ڈالا۔ اسی نے مقدس پولوس کی زندگی کی ایک گھڑی بھر میں کایا پلٹ دی۔ یرمیاہ نے اس الٰہی پیغام کو ایسا محسوس کیا جیسے تلوار ہڈیوں میں کاٹتی ہے اور وہ آگ کی طرح اُس کے اندر سُلگتا تھا جب تک کہ وہ لوگوں کے سامنے اُس کو نہ سُنا دیتا تھا۔ یہی بات مسیح کی زندگی میں ایک سب سے بڑا مدعا تھی۔ اِسی نے اُس میں ایک بے روک زور پیدا کر دیا۔ اسی سے اُس نے مخالفت کے مقابلے کی طاقت پائی۔ اسی نے اُس کو مایوسی کی تاریک گھڑی سے خلاصی دی۔ وہ بار بار اس امر کے اظہار کرنے سے کبھی نہیں تھکتا تھا کہ کام جو وہ کرتا ہے اُس کے اپنے نہیں بلکہ خدا کے ہیں۔ اور نیز یہ کہ کلام بھی جو اُسکی زبان سے نکلتا ہے اُسی کا ہے۔ اُس کی تسلّی اس بات میں تھی کہ ہر ایک قدم جو وہ رکھتا ہے اُس سے الٰہی مرضی پوری ہوتی ہے ۔

مگر اُس پر کوئی ایسی گھڑی نہیں آئی جب اُس کی زندگی ایک اخلاقی فیصلے کی کشمکش سے دو نیم ہوگئی ہو اور دوسروں کے لئے زندگی بسر کرنے کا کام اُسکے سر پر رکھا گیا ہو۔ یہ کام تو خود اُس کی ہستی کے تار و پود میں بُنا ہوا تھا۔ انسان کی محبت اُس کے دل میں ایسی ہی جبلّی تھی جیسے وہ خدا کی فطرت میں ہے۔ انسان کی نجات اُس کی رُوح کی اصلی آرزو اور ولولہ تھا۔ اور اگرچہ اُس کا دعوےٰ تھا کہ اُس کے کام اور کلام خدا کی طرف سے اُسے دئے گئے ہیں مگر اُس کی

[illegible] بڑی خواہش الٰہی محبت کے مقاصد سے ایسی متحد ہو رہی تھی کہ وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ "میں اور باپ ایک ہیں"۔

۳

مگر کھوئی ہوئی روحوں کا بچانا ایک ایسا کام ہے جس کے لئے بڑی عقلمندی اور ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ وہ "جو نیکی سے جیوں کو موہ لیتا ہے دانا ہے"۔ جس کا لفظی ترجمہ ہے کہ "وہ جو روحوں کو جیت لیتا ہے"۔ غرضکہ روحوں کو موہ لینے یا جیت لینے کے لئے ضرور ہے کہ انسان اُس طریق سے بخوبی واقف ہو ورنہ اُس میں کامیابی ناممکن ہے۔

خداوند یسوع نے اس کام کے اظہار کے لئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں اُن سے بھی ہم اس کام کی ماہیت کو کسی قدر سیکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ جب اُس نے شاگردوں کو بلایا کہ اُس کے ساتھ کام میں شریک ہوں تو اُس نے فرمایا کہ "میرے پیچھے چلے آؤ میں تمہیں آدمیوں کے مچھوے بناؤنگا"۔ ہر ایک ماہی گیر جو اپنی بنسی لیکر دریا کے کنارے جاتا ہے ضرور ہے کہ موسم اور پانی کے حالات سے بخوبی واقفیت رکھتا ہو۔ اور سب جانتے ہیں کہ مچھلی پکڑنے کے لئے کس قدر جانچ پرکھ۔ باریک بینی اور پھرتی کی ضرورت ہے۔ غالباً اُس وقت مسیح کو جال سے مچھلی پکڑنے کا خیال تھا۔ مگر اُس میں بھی کس قدر تجربے۔ چالاکی۔ ہوشیاری اور ثابت قدمی کی حاجت پڑتی ہے۔

یہ تمام اوصاف روحوں کے بچانے یا یوں کہو کہ جیتنے کے لئے ضروری ہیں۔ یسوع اِس فن کا کامل نمونہ تھا اور اس فن کے حاصل کرنے کے لئے سب سے عمدہ دستورالعمل یہ ہے کہ ہم غور سے اُس کے طریق عمل پر نظر کریں۔

۱۔ وہ اپنے معجزات کو روحوں تک پہنچنے کے لئے بطور ذریعے کے استعمال

کرتا تھا۔ تمام مہربانی اور رحمت کے کام جن کا گزشتہ باب میں ذکر ہوا ہے محض اُن اعلیٰ اور زیادہ روحانی منشاؤں کے پورا کرنے کے لئے جو ہمیشہ اُس کے ذہن میں تھے بطور تمہید یا مقدّمہ کے تھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اُن سے اُس کا صرف یہی مدعا تھا۔ کیونکہ اُس کے معجزات بہت سے معنی رکھتے ہیں۔ مگر یہ بھی اُن میں سے ایک تھا۔ کیونکہ اکثر یہ کام رُوحانی امور کے لئے دروازہ کھول دیتے ہیں جو اُن کے بغیر شاید نہ کھل سکتا۔ مثلاً انجیل یوحنّا (۹ باب) میں ہم ایک شخص کا ذکر پڑھتے ہیں جس کو اُس نے اندھے پن سے شفا بخشی مگر اپنے کو اُس پر ظاہر نہ کیا۔ اُس آدمی کے دل میں اُس کی شکرگزاری کا خیال پیدا ہو گیا اور وہ ہر جگہ اپنے اس غیر معلوم دوست کی تعریف اور حمایت کرتا پھرا۔ یہاں تک کہ یسوع نے اُس سے مل کر اپنے کو اُس پر ظاہر کیا اور اُس وقت وہ فی الفور کہہ اُٹھا کہ "خداوند میں ایمان لایا" اور اُس کی پرستش کی۔ اس واقعے سے صاف ظاہر ہے کہ اُسکی جسمانی نابینائی کا علاج روحانی نابینائی کے علاج کے ذریعے ہوا۔ اور بھی بیشمار صورتوں میں ایسا ہی ہوا ہوگا۔ اور اگر ہم اس بات کو یاد رکھیں کہ معجزات شفا یافتہ لوگوں کے رشتےداروں کے لئے بھی ایسے ہی قیمتی تھے جیسے خود اُن کے لئے۔ تو ہم خیال کر سکتے ہیں کہ کس قدر لوگ اس ذریعے سے اُس کے الٰہی پیغام سننے کی طرف مائل کئے گئے ہونگے۔

ہمدردی و بہی خواہیِ انسان بھی ہمارے لئے اس اعلیٰ کام کے واسطے بطور وسیلے کے کام آسکتی ہے۔ مہربانی دل کی کنجی ہے۔ اور اس کھلے دروازہ میں سے نجات اندر داخل کی جاسکتی ہے۔ البتّہ اس میں دو طرح کے خطروں کو جگہ ہے ایک تو یہ کہ شائد مرید کرنے کی گرمجوشی میں اُلفت و محبّت میں سے حقیقی انسانی مہربانی کا جوہر زائل ہو جائے۔ اور دوسری یہ کہ دُنیاوی فوائد

کے حاصل کرنے والا شائد اُس کے معاوضے کے طور پر اپنے محسن کو خوش کرنے کے لئے ریاکاری سے صرف ظاہری طور پر دینداری کی صورت اختیار کر لے۔ لیکن اگر ہم ان خطرات سے ہوشیار رہیں تو یہ اصول ایک نہایت اعلیٰ سند رکھتا ہے اور زمانۂ حال میں مسیحی کام میں اس کا مختلف طور سے بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے۔ روحوں کے بچانے کی گرمجوشی اکثر جسم کی خبر لینے کی خواہش بھی دل میں پیدا کر دیتی ہے۔ اور اس سے ایسے افعال پیدا ہوتے ہیں جو منجی انسان کے مشام کو ایسے ہی معطر کرتے ہیں جیسے مریم کا عطر جو اُس نے اُس کو ملا ✤

۲۔ منادی ایک سب سے بڑا ذریعہ تھا جسکے وسیلے سے مسیح کھوئے ہوؤں کی تلاش کرتا تھا۔ چونکہ اس مضمون کے متعلق ہم نے ایک علیٰحدہ باب میں مفصل بحث کی ہے اس لئے اُس پر یہاں بہت کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہم کو اس وقت صرف اِس بات کی طرف توجہ کرنی چاہئے کہ اُس کی منادی کیسی دلکش تھی اور لوگوں کو کھینچنے کے لئے کیسی مناسبت رکھتی تھی۔ وہ سچائی کو ہر طرح کی تمثیل اور مثال کے دلفریب لباس میں ملبّس کر دیتا تھا۔ اگرچہ وہ جانتا تھا کہ وہ سچائی کا اصلی لباس نہیں سچائی سیدھی سادی چیز ہے اور وہ جو اُسے جانتے ہیں اُس کی اصلی صورت ہی میں اُس کو پیار کرتے ہیں۔ مگر یسوع کو ایسے اشخاص سے واسطہ پڑتا تھا جن کے لئے وہ بجائے خود دلکش نہیں تھی اور اس لئے وہ اُسے ایسے طریق سے پیش کرتا تھا جس سے وہ اُس کے متحمل ہو سکتے تھے۔ کیونکہ اُسے یقین تھا کہ اگر ایک دفعہ وہ اُن کے دل میں بیٹھ جائیگی اور وہ اُس کی قدر کو جان لینگے تو خواہ وہ کسی لباس میں کیوں نہ ہو ضرور اُسے پیار کرینگے ✤

اِس وقت بھی منادی لوگوں کو خدا تک پہنچانے کے لئے ایک ایسا زبردست

وسیلہ ہے کہ اکثر منادی کی خواہش رُوحوں کے بچانے کی خواہش کے ساتھ ہی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ ایک تعجب کی بات ہے کہ اُن لوگوں میں جو منادی کا کام کرتے ہیں بہت تھوڑے ایسے ہیں جو مسیح کی طرح اپنے پیغام کو خوبصورت اور دلفریب لباس میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔

۳۔ البتہ اُن لوگوں میں سے جو کھوئے ہوؤں کو بچانے کے آرزومند ہیں صرف تھوڑے ہی منّاد بن سکتے ہیں۔ مگر یسوع اپنی منادی کے ساتھ ایک اور طریق کو بھی برتتا تھا جس کی سب نقل کر سکتے ہیں یعنی گفتگو کا طریق۔ ہمارے پاس اس طریق کی مثال نقودیموس کی گفتگو میں اور نیز مسیح کے سامریہ کی عورت کے ساتھ بات چیت کرنے میں پائی جاتی ہے اور یہ دونوں واقعے بعد کے زمانوں کے لئے رُوحوں کے بچانے کے بارے میں بطور نمونہ کے ہیں۔ اگر ان دونوں صورتوں کا باہم مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کیسی کامل دانش و ہوشیاری کے ساتھ اُس نے اپنے ہم سخنوں کی حالت کے مطابق اُن سے بات چیت کی۔ اور کس طرح طبعی طور پر وہ بات کے سلسلے کو امرِ مقصود کی طرف لے گیا۔ اور ٹھیک اُنکے ضمیر پر تیر کی طرح جا لگایا ۔

یہ ایک نہایت مشکل فن ہے۔ کیونکہ مذہبی گفتگو ضرور ہے کہ طبعی ہو۔ ضرور ہے کہ وہ دل سے جو مذہب سے پُر ہو بطور فوارے کے پھوٹ نکلے۔ اور اگر ایسی نہیں تو بالکل بے اثر اور بے فائدہ ہوگی۔ مگر یہ نہایت بیش قیمت چیز ہے۔ اور اس لئے جس قدر کوشش اُس کے حاصل کرنے میں صرف کی جائے تھوڑی ہے۔ میرے خیال میں ہم کو زیادہ تر ایسے اشخاص کی حاجت ہے جو مذہب کے متعلق بات چیت کر سکیں بہ نسبت اُن کے جو اُس کی منادی کر سکیں۔ وعظ کے سننے والے اکثر اُسے ایک دوسرے کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور ہر ایک یہ کوشش کرتا ہے کہ اُس کے پیغام کو اپنے سے ہٹا کر دوسرے پر لگا دے۔ مگر گفتگو سیدھی نشان پر جا کر لگتی ہے۔

اگر متکلم ایک دلنشین اور مستقیم خصلت بھی رکھتا ہو تو ضرور جہاں کہیں وہ جائے اُس کی گفتگو کے ساتھ برکت بھی ہمرکاب ہوتی ہے۔ اُن گھروں میں جہاں وہ ٹھیرا ہو اُس کو اس طرح سے یاد کرتے ہیں کہ گویا اُن کے سامنے اُس نے مذہب کو پہلی دفعہ ایک حقیقی چیز کے طور پر ظاہر کر دیا۔ اور اگرچہ اُس کا نام زمین پر سننے میں کم آئے تو بھی خدا کے سامنے اُس کا نشانِ قدم نور کے خط سے منوّر معلوم ہوتا ہے۔ مگر یسوع ہمیشہ اس بات کا محتاج نہیں تھا کہ پہلے کسی شخص کو گفتگو کے لئے خطاب کرے بہت سی صورتوں میں وہ لوگ جن سے وہ رُوح کی بابت گفتگو کرتا تھا آپ ہی پہلے بات کو چھیڑتے تھے۔ جو لوگ مذہبی معاملات کی بابت فکرمند تھے خود اُسکی تلاش کرتے تھے۔ کیونکہ خود اپنے دل میں محسوس کرتے تھے کہ یقیناً یہ شخص اُس راہ سے واقف ہے جس کی تلاش میں وہ حیران و سرگردان ہیں۔ یسوع کا کسی علاقے میں سے گزرنا ایسا تھا جیسا کہ ایک فرش پر جہاں لوہے کے ریزے منتشر ہوں مقناطیس پھر جائے۔ وہ اُن روحوں کو جو الٰہی زندگی سے اُنس و موافقت رکھتی تھیں اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔ ہر ایک مسیحی جماعت میں بعض ایسے لوگ ہیں جو کم و بیش اس خدمت کو انجام کر سکتے ہیں۔ اُن کے اردگرد کے لوگ جانتے ہیں کہ یہ اشخاص زندگی کے راز پر حاوی ہیں اور وہ جو رُوح کے گہرے تجربات اور کشمکش میں گزر رہے ہوتے ہیں اعتماد کرتے ہیں کہ وہ اُن کی مشکلات کو سمجھ لینگے۔ اور جن کے ضمیر پر کچھ بوجھ ہوتا ہے وہ اُن کی ہمدردی کی اُمید سے بلاتکلف اُن کے پاس آتے ہیں۔ یقیناً یہ مخلّص ارواح شخص کا ایک بیش قیمت حق ہے۔ اُس کو کبھی ایسے موثّر اور کامیاب طور سے کھوئے ہوؤں کی تلاش کرنے کا موقع نہیں ملتا جیسا اُس وقت جب کہ کھوئے ہوئے خود اُس کی تلاش کرتے ہوئے اُس کے پاس آئیں۔

۴

چونکہ اس کتاب میں ہم تقلید مسیح کے مضمون پر بحث کرتے ہیں اس لیئے ہم کو قدرتی طور پر اُس کی زندگی اور کام کے اُن پہلوؤں پر جن کی تقلید ہمارے لیئے زیادہ تر ممکن ہے زیادہ تر غور و تأمل کرنا چاہیئے۔ مگر گاہ بہ گاہ ہمیں اس امر کو یاد رکھنے کی حاجت ہے کہ ہم صرف فاصلے پر اور لڑکھڑاتے پاؤں کے ساتھ اُس کے نقش قدم پر چل سکتے ہیں۔ بلکہ بہت سی جگھوں میں تو وہ ہم سے اس قدر دور ہے کہ وہاں تک ہماری رسائی نہیں ہو سکتی ؛

امر زیر بحث میں بھی ایسا ہی ہے۔ بعض باتوں میں مثلاً وہ جن کا اوپر ذکر ہوا ہم روحوں کے بچانے میں اُس کی نقل کر سکتے ہیں۔ مگر وہ اس جستجو میں ایسے مقام تک گیا جہاں ہم نہیں جا سکتے۔ وہ نہ صرف کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے بلکہ بچانے بھی آیا۔ اُس نے اس امر میں اپنے کو ایک گڈریئے سے مشابہ ٹھیرایا جو کھوئی ہوئی بھیڑ کی تلاش میں جاتا اور خوشی کرتے ہوئے اُسے اپنے کندھے پر اُٹھا کر گھر کو لاتا ہے۔ اور یہاں تک ہم بھی اپنے کو اُس کے مشابہ قرار دے سکتے ہیں۔ مگر وہ اس مشابہت کو اَور بھی دور تک لے گیا "اچھا گڈریا بھیڑوں کے لئے اپنی جان دیتا ہے" وہ گنا ہگاروں کے پیچھے پیچھے اُن کے بسیروں تک گیا۔ اور ہم بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ مگر وہ اس سے بھی پرے پہنچا۔ یعنی نیچے دوزخ کے دروازوں تک جہاں اُس نے قدرت والے کے ہاتھ سے شکار کو چھین لیا۔ وہ ایک بالائے قدرت مقام میں داخل ہوا جہاں اُس نے ہمارے لئے فتح حاصل کی۔ ہمارے لئے صلح کروائی۔ ہمارے لئے بقا کے دروازوں کو کھول دیا۔ ان کاموں کا ہم صرف دھندلا سا علم حاصل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ اُس مقام میں

واقع ہوئے جو ہم نے نہیں دیکھا۔ صرف ہم اِتنا جانتے ہیں کہ وہ ہمارے خیالات کی نسبت زیادہ عظیم زیادہ سنجیدہ اور دردناک تھے۔ اُن کا بیرونی نشان اور علامت جو ہم دیکھ سکتے ہیں گلگتھا ہے۔ یعنی اُس کا جسم جو ہمارے لئے توڑا گیا۔ اُس کا خون جو ہمارے لئے بہایا گیا۔ اور روحوں کے بچانے والی محبّت کی یہی سب سے اعلےٰ علامت ہے ✤

اس مقام پر بجائے تقلید و نقل کا خیال دل میں لانے کے ہم اُس کے حضور ادب سے سر جھکاتے اور اُس کی پرستش کرتے ہیں۔ مگر اِس میں بہت سے سبق ہیں جو اُن سب کو جو اس فن میں کامل ہونا چاہتے ہیں سیکھنے ضرور ہیں۔ کوئی شخص انسان کے ساتھ قدرت نہیں رکھ سکتا جو پہلے انسان کے لئے خدا کے ساتھ قدرت نہیں رکھتا۔ ظاہراً تو فتح یابی اُس وقت معلوم ہوتی ہے جبکہ ہم لوگوں کو ترغیب دیکر راہ راست پر لانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ مگر یہ کامیابی اس سے پہلے سفارش و دُعا کے مقام میں حاصل کی جاتی ہے۔ یسوؔع کے لئے یہ مقام جانکنی اور موت کا مقام تھا۔ اور روحوں کا بچانا کبھی سوائے دُکھ اور قربانی کے نہیں ہوتا۔ مقدس پولوس نے فرمایا کہ "میں مسیح کی کمتیاں اُس کے بدن یعنی کلیسیا کے لئے اپنے جسم میں بھرے دیتا ہوں"۔ اور اُن سب کو بھی جو دُنیا کی نجات میں مسیح کی خوشی میں شریک ہونا چاہتے ہیں پہلے اُس کی مصیبتوں میں شریک ہونا ضرور ہے ✤



اگر رُوحوں کے بچانے کا فن سخت جانکاہ اور محنت طلب ہے تو اُس کا انعام بھی اُس کے موافق بہت بڑا ہے۔ میں ایک بڑے کامل مصوّر کو جانتا ہوں جو جب کبھی کسی تصویر کے کھینچنے میں اُس حد تک پہنچتا جہاں اس امر کا

فیصلہ ہوتا ہے کہ آیا مصوّر نے صرف ظاہری خط و خال ہی کا ٹھیک ٹھیک اُتارا ہے یا کہ اُس شخص کی رُوح اور خصلت کی تصویر بھی لی ہے تو اُس کی حالت نہایت مضطرب اور بیقرار ہو جاتی۔ وہ روتا چلاتا۔ ہاتھ ملتا۔ اور بیتاب ہو کر زمین پر لوٹنے لگ جاتا۔ مگر جب یہ حالت دور ہو جاتی اور اصلی صورت کا صحیح عکس صفحۂ تصویر پر صاف مجسم نظر آتا تو وہ اُسی قدر خوشی اور انبساط کے مارے بیقرار ہو جاتا۔ درحقیقت حسن و خوبی کی ایک صورت کو گویا نیستی سے نکل کر رفتہ رفتہ صفحۂ تصویر پر منقش ہو کر ایک مستقل جسم اختیار کرتے دیکھنا ضرور ایک عجیب قسم کا ولولہ اور تحریک دل میں پیدا کرتا ہے۔ مگر اس کو اُس نظارے سے کیا نسبت ہو سکتی ہے کہ ہم ایک رُوح کو موت سے نکل کر زندگی میں داخل ہوتی دیکھیں۔ کہ کس طرح وہ اپنے بازوؤں کو آہستہ آہستہ طبعی جسمانی زندگی کے سخت اور بدصورت خول سے نکالتی اور عالم بقا کے نور و ضیا میں پھڑپھڑا کر اُڑنے لگتی ہے ٭

اس قسم کے نظارے سے جو اثر یسوع کے دل پر ہوتا تھا اُس کا کچھ کچھ اندازہ ہم لوقا کے پندرھویں باب کی عجیب تمثیلوں سے کر سکتے ہیں۔ کہ کس طرح گڈریا اپنے دوستوں کو جمع کرتا اور کہتا ہے کہ "میرے ساتھ خوشی کرو کیونکہ میں نے اپنی کھوئی ہوئی بھیڑ پائی" اور کس طرح فضول خرچ بیٹے کا باپ چلا اُٹھتا ہے کہ "آؤ ہم کھائیں اور پئیں اور خوشی کریں"۔ اُس نے خود ہم کو بتلایا ہے کہ اس خوشی سے کیا مراد ہے "میں تمھیں کہتا ہوں کہ خدا کے فرشتوں کے آگے ایک گنہگار کے لئے جو توبہ کرتا ہے خوشی ہوتی ہے"۔ اور وہ خوشی جو فرشتوں کی صورت سے ظاہر ہوتی ہے فقط فرشتوں کے خداوند کی خوشی کا عکس ہے جس کی صورت کو وہ دیکھتے رہتے ہیں ٭

اُس کی زمینی زندگی میں ہم کم سے کم ایک موقع پر نہایت صاف طور سے

اُس کے دل کی اس خواہش و تحریک کو ملاحظہ کرتے ہیں[۱]۔ جب وہ بدکار سامری عورت کو خدا اور پاکیزگی کی طرف پھیر لا چکا تو اُس کے شاگرد شہر سے اُس کے لئے کھانا لے کر واپس آئے اور اُس سے کہنے لگے "اے ربّی کچھ کھائیے" مگر وہ کچھ کھا نہ سکا۔ کیونکہ وہ خوشی و خرّمی سے محو ہو رہا تھا۔ اور اُس نے جواب دیا کہ "میرے پاس کھانے کے لئے خوراک ہے جسے تم نہیں جانتے" پھر شہر کی طرف نظر کر کے جہاں وہ عورت اَور روحوں کو اُسکے پاس لانے کے لئے گئی تھی وہ اُسی خوشی کے لہجے میں کہنے لگا کہ "کیا تم نہیں کہتے کہ ابھی چار مہینے باقی ہیں تب فصل آئیگی۔ دیکھو میں تم سے کہتا ہوں۔ اپنی آنکھیں اُٹھاؤ اور کھیتوں کو دیکھو کہ وہ کاٹنے کے لئے پک چکے ہیں"۔ وہ بھی اسی گہرے جوش کی ایک دوسری صورت تھی جب وہ اُس شہر پر نظر کر کے جس کو بچانے کی اُس نے بے فائدہ کوشش کی اور جس میں اس قدر بیشمار روحیں ہلاک ہو رہی تھیں اُس پر رویا ✤

ان پاک جذبات میں تمام لوگ جن کا کام روحوں کا بچانا ہے اپنے اپنے درجے کے مطابق حصّہ لیتے ہیں۔ اور اس دُنیا میں اس سے بلند تر کوئی جذبات نہیں ہیں۔ یہ اُس اعلیٰ امارت کے نشان اور سندات ہیں جس کی اصل و تقرر آسمان ہی سے ہے کیونکہ ادنے سے ادنے مسیحی خادم جس کو درحقیقت انسان کے گناہ سے دُکھ ہوتا اور اُس کی نجات سے خوشی ہوتی ہے اپنے درجے پر اُسی جذبہ و تحریک کو محسوس کرتا ہے جو دُنیا کے منجی کی اُس کے دُکھوں میں ہمدم رہی اور جو ازل سے خود خدا کے دل میں جوش زن ہے ✤

---

[۱] میں نے پونٹو نارتھ مرحوم کو جو نہایت مشہور و معروف واعظ انجیل تھے یہ کہتے سُنا ہے کہ اگرچہ یسوع اپنی فطرت کے ایک پہلو کے لحاظ سے مرد غمناک تھا مگر دوسرے پہلو کے لحاظ سے تمام دُنیا میں مشکل سے کوئی شخص اُس کی برابر خوش و خرم ہوگا ✤

۱۳

مسیح کا نمونہ وعظ کرنے میں

متی ۴: ۱۶ و ۲۳-۲۵

〃 ۵ تا ۷ باب

〃 ۹: ۴ و ۱۳ و ۳۵-۳۸

〃 ۱۰: ۷ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۷

〃 ۱۳ باب

〃 ۱۶: ۱۴

مرقس ۱: ۳۸ و ۳۹

〃 ۲ باب

〃 ۴: ۳۳

〃 ۶: ۱-۶

لوقا ۴: ۱۶-۳۲

〃 ۵: ۱۷

〃 ۷: ۱۶

〃 ۸: ۱-۸

〃 ۱۱: ۲۷ و ۲۸

یوحنا ۳: ۳۴

〃 ۷: ۱۴-۱۶ و ۲۶ و ۴۰ و ۴۵ و ۴۶

〃 ۸: ۱ و ۲

تیرھواں باب

مسیح کا نمونہ وعظ کرنے میں

۱

اگر ہمیں عمر بھر میں ایک یا دو دفعہ خوش قسمتی سے کسی اوّل درجے کے فصیح مقرّر کی تقریر سُننے کا اتّفاق ہوا ہو۔ تو ہم ہمیشہ اُس کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ یا اگر ہم کو کسی ایسے واعظ سے مِلنے کا اتّفاق ہوا۔ جس نے پہلی دفعہ ہم پر مذہب کو حقیقی چیز ثابت کر دیا۔ تو اُس کی تصویر ہمارے حافظے کے طاق میں بڑی عزّت کے ساتھ دھری رہتی ہے۔ تو بھلا اُس کی باتوں کا سُننا جس کی مانند کبھی کسی شخص نے کلام نہیں کیا۔ کیا کچھ نہ ہوگا؟ اُس کے ہونٹوں سے پہلی دفعہ پہاڑی وعظ یا مُسرف بیٹے کی تمثیل تر و تازہ نکلتی ہوئی سُننا کیا کچھ ہوگا؟

تیس سال تک یسوع خاموش رہا۔ اس عرصے کے درمیان خیال اور یقین کے پانی اُس کے ذہن میں جمع ہوتے رہے۔ اور جب بند رَو کھلا تو وہ بڑے زور شور سے ڈھیر کے ڈھیر نکل پڑے۔ اُس نے ناصرت اور کفرناحوم میں جو اُس کی جائے رہائش تھے۔ سبت کے روز عبادت خانوں میں منادی

شروع کی۔ لیکن بہت جلد اُس کا کام گرد و نواح کے گاؤں اور قصبوں میں بھی پھیل گیا۔ مگر اُس کی سرگرمی کے لئے سبت اور عبادتخانے اور نماز کے معمولی وقت ہی کافی نہیں تھے۔ رفتہ رفتہ وہ ہر روز منادی کرنے لگا۔ اور نہ صرف عبادتخانوں ہی میں بلکہ گلی کوچوں میں اور کوہستانی مقامات یا ساحل بحر پر بھی +

اُس کے سُننے والوں کے دلوں میں بھی اُسی کی ایسی سرگرمی پیدا ہو جاتی تھی۔ جونہی اُس نے منادی شروع کی قریبًا اُسی وقت اُس کی شہرت کل ملک سوریہ میں پھیل گئی اور لوگ ہر طرف سے اُس کی باتیں سُننے کو آنے لگے۔ اُس وقت کے بعد ہم برابر یہ سُنتے ہیں۔ کہ بڑی بھیڑ اُس کے پیچھے لگی رہتی تھی۔ جو بعض اوقات ایسی زیادہ ہو جاتی تھی کہ لوگ ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ جب وہ محنت مشقّت سے تھک کر علیحدہ تنہا جگہ میں جانا چاہتا تو وہ اُسے روک رکھتے اور آخرکار اگر وہ چلا بھی جاتا تو جب واپس آتا۔ اُنہیں چشم براہ پاتا تھا +

ہر قسم کے لوگ اُس کے پاس آتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو واعظ عوام پر اثر کر سکتا ہے۔ تعلیم یافتہ لوگ اُس کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ اور جو تعلیم یافتہ اشخاص کو خوش کر سکتا ہے۔ عوام کے نزدیک بے قدر ہوتا ہے۔ لیکن یسُوع کے پاؤں پاس فریسی اور شریعت کے سکھلانے والے بھی بیٹھے دیکھے جاتے تھے۔ جو گلیل اور یہودیہ کے ہر ایک شہر اور یروشلم سے آتے تھے۔ اور دوسری جانب عوام النّاس خوشی سے اُس کی باتیں سُنتے تھے۔ بلکہ وہ جماعت بھی جو حقیر و بے عزت سمجھی جاتی تھی۔ جو عمومًا عبادتخانوں اور وعظ و نصیحت کی کچھ پروا نہیں کرتی تھی اُس وقت ان عام مذہبی مجمعوں میں جانے پر اکسائی گئی۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ "تب سب محصول لینے والے اور گنہگار اُس کے نزدیک آتے تھے کہ اُس کی سُنیں"۔ بھلا اس گہری اور عام دلچسپی کا بھید کیا تھا؟ قدما تصویروں میں ایک

فصیح البیان شخص کی شبیہ اس طرح کھینچتے تھے کہ گویا وہ طلائی زنجیروں سے جو اُس کے مُنہ سے نکلتی ہیں لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ پر وہ کشش کی کونسی زنجیریں تھیں۔ جن سے یسُوع تمام آدمیوں کو اپنی طرف کھینچتا تھا +

۲

جب مذہبی زندگی اور وعظ کا پیمانہ کسی ملک یا علاقے میں ادنیٰ درجے کا ہوتا ہے۔ تو ایک مردِ خدا کی آمد جو قدرت کے ساتھ کلام سُناتا ہے۔ اِس اختلاف کے سبب زیادہ عجیب معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ پُشت پر تاریکی ہونے سے روشنی زیادہ تیز نظر آتی ہے +

اِسی قسم کی ایک تاریکی جس کو ہم آدھی رات کی تاریکی سے تشبیہ دے سکتے ہیں اُس وقت گلیل پر چھا رہی تھی۔ جبکہ یسُوع نے منادی کا کام شروع کیا۔ مقدّس متی نے جو اُسی علاقے کا رہنے والا تھا۔ نبی کے اس کلام سے اس فرق کو ظاہر کیا ہے۔ "اُن لوگوں نے جو اندھیرے میں بیٹھے تھے بڑی روشنی دیکھی اور اُن پر جو موت کے ملک اور سائے میں بیٹھے تھے نور چمکا۔" اسی طرح جن لوگوں نے اس نئے واعظ کا کلام سُنا اُس کے اور معمولی معلّموں کے درمیان اس قدر اختلاف دیکھکر دنگ ہو گئے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "لوگ اُس کی تعلیم سُن کر دنگ ہو گئے کیونکہ وہ فقیہوں کی طرح نہیں بلکہ اختیار والوں کی طرح تعلیم دیتا تھا +

فقیہ اُن کے معمولی معلّم تھے جو ہفتہ وار عبادتخانوں میں اُن کو پند و نصیحت کیا کرتے تھے۔ بلا شبہ اُن کے درمیان بہت کچھ باہم فرق ہوگا۔ وہ سب کے سب ایک سے بُرے نہیں ہونگے۔ مگر بحیثیت مجموعی غالباً وہ نہایت ہی خشک اور غیر روحانی لوگ تھے۔ یہودی کتابوں کے اُس مجموعے میں جو تالمود کہلاتی ہیں اور جو ہم تک پہنچیں۔ ہم اُن کی تعلیم کے نمونے دیکھتے ہیں۔ اور جنھوں نے اُن کو

مطالعہ کیا ہے۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ انسانی ذہن کی نہایت خشک پیداوار ہیں۔ اُنہیں پڑھنا بیشمار ردی چیزوں سے بھری ہوئی اندھیری کوٹھریوں میں جانے کی مانند ہے جہاں گرد و غبار کے مارے دم گھٹنے لگتا ہے +

لوگوں نے یسوع کی باتوں پر نظر کرکے اپنے معلموں کے بڑے عیب کو ٹھیک ٹھیک معلوم کر لیا۔ کیونکہ اُنہوں نے کہا کہ وہ فقیہوں کی مانند نہیں۔ بلکہ اختیار کے ساتھ تعلیم دیتا ہے۔ یعنی فقیہ بغیر اختیار کے تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ اُن تالمودی تحریروں کا یہی بڑا خاصہ ہے۔ اُس میں کوئی معلم ایسے طور پر تعلیم نہیں دیتا۔ جس سے معلوم ہو۔ کہ وہ کبھی خود خدا کی رفاقت میں رہا ہے۔ یا اُس نے اپنی آنکھوں سے روحانی دُنیا کو دیکھا ہے۔ اُن میں سے ہر ایک کسی سابقہ معلم کو نقل کرتا اور اُسی سے سند لیتا ہے۔ اُن سب کا مدار ایک دوسرے پر ہے۔ یہ بڑی بُری قسم کی تعلیم ہے۔ گو کہ وہ اکثر رواج پکڑ جاتی ہے۔ بعض اوقات وہ بڑے غرور اور شیخی کے ساتھ اپنے کو آرتھوڈکسی یعنی عقائد مستند کے نام سے پکارتی ہے۔ کیا تم نے لوگوں کو خدا کا اس طور سے ذکر کرتے ہوئے نہیں سُنا۔ گویا کہ وہ صدہا سال ہوئے بائبل کے لکھنے والوں کے زمانے میں موجود تھا۔ مگر زمانۂ حال کی زندگی اور تواریخ میں کار و حرکت نہیں کرتا؟ کیا تم نے خدا میں خوش ہونے۔ معافی کی خوشی۔ رُوح کی معموری اور رُوحانی زندگی کے دیگر اعلےٰ تجربوں کا اس طور پر ذکر ہوتے نہیں سُنا۔ گویا کہ فی الحقیقت بائبل کے مقدسین نے ان تجربوں کو حاصل کیا۔ مگر حال کے زمانوں میں اُن کی اُمید کرنا فضول ہے؟ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ بائبل کو بطور قید خانہ کے بنا کر اُس میں خدا کو بند کر دیں۔ یا بطور ایک نمائشگاہ کے قرار دیدیں جس میں روحانی زندگی بطور قدیمی زمانے کے عجائبات کے رکھی ہوئی ہو۔ مگر جو لوگ یسوع کی باتیں سُننے آتے تھے محسوس کرتے تھے۔ کہ وہ

عالمِ رُوحانی کے ساتھ قریبی تعلّق رکھتا ہے۔ اور اُن کو اُن باتوں کی خبر دیتا ہے جو اُس نے خود دیکھی اور محسوس کی ہیں۔ وہ محض ایک شارح نہیں ہے جو اُس پیغام کو جو عالمِ بالا سے عرصے کے مرے ہوئے آدمیوں کو مِلا دُہراتا ہے۔ وہ ایک ایسے آدمی کی مانند بولتا ہے۔ جو باری تعالےٰ کے حضور سے ابھی آیا ہے بلکہ یوں کہو کہ اب بھی وہیں ہے۔ اور جس چیز کا بیان کرتا ہے اُس کو دیکھ رہا ہے۔ وہ فقیہ نہیں بلکہ ایک نبی تھا جو کہہ سکتا تھا کہ "خداوند یُوں فرماتا ہے"۔

اس طرح اُس کی شہرت وہاں سے بیرِ سبع تک پھیل گئی۔ لوگ چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کہتے تھے کہ ایک بڑا نبی ہمارے درمیان برپا ہوا۔ گڈریا بیابان میں اپنی بھیڑیں اور کسان اپنے انگورستان اور مچھوا ساحل پر اپنے جال چھوڑ کر سب اُس کے وعظ سُننے جاتے تھے۔ کیونکہ بنی انسان جانتے ہیں کہ وہ دوسرے جہان کے پیغام کے حاجتمند ہیں۔ اور جب وہ حقیقی پیغام کو سُنتے ہیں وجدانی طور پر اُسے پہچان لیتے ہیں۔

۳

وعظ بعض اوقات واعظ کی ذات سے بہت تاثیر حاصل کرتا ہے۔ وہ لوگ جو فقط وعظ کو پڑھتے ہیں اُن لوگوں کی زبانی جنہوں نے اُسے واعظ کی زبان سے سُنا یہ سُنتے ہیں کہ اس سے اُس کے حقیقی زور کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ اس کو سب لوگ جانتے ہیں کہ بعض نہایت مشہور واعظوں کی تقریریں جو اُن کی وفات کے بعد چھپائی گئیں۔ دُنیا کی نظر میں ایسی باقدر ثابت نہیں ہوئیں۔ اور بعد کی نسلیں حیرت سے یہ سوال کرتی ہیں کہ اُن کی تاثیر کس بات میں تھی؟ یہ تاثیر اُس آدمی میں تھی اُس کی ذات کی خصوصیت میں۔ اُس کی صورت کے رعب میں۔ اُس کی گرمجوشی یا اُس کی اخلاقی قوت میں۔

مگر یسوع کی نسبت نہیں کہا جا سکتا کہ اُس کا مطبوعہ کلام بھی ویسا ہی نا تسلّی بخش ہے۔ برخلاف اسکے خواہ وہ کسی طرح بولا جاتا اُس کا وزن اور قدرت ضرور لوگوں کے دلوں کو کھینچ لیتی ہے۔ مگر اس صورت میں بھی جیسا کہ اُس کے سُننے والوں کی باتوں سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے واعظ اور وعظ دونوں پُرتاثیر تھے۔ البتّہ ہم نہیں جانتے کہ یسوع کی صورت کیسی تھی؟ آیا اُس کی صورت دلکش تھی؟ آیا اُس کی آواز شیریں تھی؟ اس بارے میں جو روایات ہم تک پہنچی ہیں وہ قابلِ اعتبار نہیں لیکن ہم کسی قدر اُس تاثیر سے واقف ہیں جو اُس کے سُننے والوں پر ہوتی تھی ۔

اگرچہ بہت سی پُشتوں تک جن واعظوں کو اُس کے ہموطن سُنتے رہے تھے وہ خشک اور بے مزہ فقیہ تھے۔ تاہم یہودی قوم کی روایتیں جن پر اُن کو نہایت فخر تھا۔ ایسے خداشناس مقرّروں سے پُر تھیں۔ جن کی آوازوں نے گزشتہ زمانوں میں ملک کو گونجا دیا تھا۔ اور جن کے اوصاف قوم کے لوح دل پر نقش تھے۔ پس جونہی یسوع نے منادی کرنی شروع کی تو لوگوں نے فوراً جان لیا کہ انبیا کا فرقہ ازسرنو بحال ہو گیا ہے۔ اور اُنھوں نے کہا کہ وہ نبیوں میں سے ایک کی مانند بولتا ہے ۔

مگر یہیں بس نہیں۔ بلکہ وہ یہ بھی یقین کرنے لگے کہ قدیم نبیوں میں سے ایک مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ اور یسوع کے جسم میں پھر اپنے کام کو اختیار کیا ہے۔ اس خیال کے بارے میں اُن کے درمیان دو قدیم نبیوں کی بابت اختلاف رائے تھا۔ اور ان دو کا نام چُننے سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اُنھوں نے کون کون سی صفات خاص طور سے اُس میں دریافت کی تھیں۔ یہ دو نبی یرمیاہ اور الیاس تھے۔ بعض کہتے تھے کہ وہ یرمیاہ ہے اور بعض کہ وہ الیاس ہے ۔

اب یہ دونوں بڑے نبی تھے۔ شائد عوام کے نزدیک بہت ہی بڑے سمجھے جاتے تھے۔ پس اُنھوں نے سب سے بڑوں کے ساتھ اُس کو تشبیہ دی۔ مگر ان دونوں

کے مزاج ایک دوسرے سے بالکل متضاد تھے۔ جس سے یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان دونوں کے اوصاف ایک ہی ذات میں جمع کئے جائیں۔

یرمیاہ حزیں مزاج اور حلیم طبع آدمی تھا۔ ایسا نرم دل کہ وہ چاہتا تھا کہ کاش میری آنکھیں آنسوؤں کا سوتا ہوتیں تو اپنے لوگوں کی مصیبتوں پر روتا۔ کچھ تعجب نہیں کہ جنہوں نے مسیح کی منادی سُنی اُنہوں نے اُس کے ساتھ اُس کی مشابہت دریافت کر لی۔ کیونکہ پہلی ہی نظر میں یہ ظاہر ہو گیا ہوگا کہ یسوع بڑا نرم دل ہے۔ اُسکے پہاڑی وعظ کے پہلے ہی فقروں میں اُس نے غریبوں اور ماتم کرنے والوں اور مظلوموں کی حالت پر ترس کھایا۔ اُس کے سامعین میں سے نہایت ذلیل شخص نے بھی معلوم کر لیا ہوگا کہ وہ اُس میں دلچسپی رکھتا اور اُس کے فائدے کے لئے ہر طرح کی تکلیف اُٹھانے کو تیار ہے۔ اگرچہ اُس کا خطاب سب جماعتوں کی طرف تھا۔ لیکن اُس کا فخر اس بات میں تھا کہ وہ غریبوں کے سامنے انجیل کی منادی کرتا ہے۔ جبکہ فقیہ دولتمندوں کی چاپلوسی کرتے اور معزز سامعین کی تلاش کرتے تھے۔ ایک عام آدمی بھی جانتا تھا کہ یسوع اپنے سامعین میں سے اُس کی رُوح کو ایسا ہی قیمتی سمجھتا ہے جیسے ایک دولتمند کی رُوح کو۔ لوگوں کے گروہ دیکھکر اُس کو بڑا ترس آتا تھا اور یرمیاہ کی مانند اُس کے دل میں اپنے وطن اور ہموطنوں کی ایسی سخت محبت جاگیر تھی۔ کہ محصول لینے والا اور کسبی بھی اُس کو عزیز تھے۔ اس لئے کہ وہ ابراہیم کی نسل تھے۔

اِلیاس کا مزاج ہر ایک بات میں یرمیاہ کے برعکس تھا۔ وہ سنگین آدمی تھا۔ بادشاہوں اور حاکموں کو اُن کے مُنہ پر ملامت کرتا اور اکیلا ساری دُنیا کے مقابلے پر کھڑا تھا۔ یہ ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ شخص جس سے یرمیاہ کے خصائل ظاہر ہوں۔ اِلیاس کے خصائل بھی رکھ سکتا ہے۔ مگر لوگوں نے یسوع کو اِلیاس بھی خیال کیا۔ اور اُن کا یہ خیال غلط نہ تھا۔ یہ خیال کرنا سخت غلطی ہے۔ کہ یسوع سراسر نرمی

اور ملائمت ہی تھا۔ اُس کے بہت سے اقوال ہیں ایسی سختی تھی جو اُن الفاظ سے جو الیاس نے اخیاب کو ملامت کرتے ہوئے کہے کچھ کم نہ تھے۔ دلیرانہ شرارت کی نفرین کرنا اُس کی قدرت کا ایک سب سے بڑا عنصر تھا۔ اِس دُنیا میں ایسا سخت اور دندان شکن حملہ کبھی نہیں سُنا گیا جیسا اُس نے فریسیوں کے برخلاف کیا ۔

حقیقت یہ ہے کہ دونوں صفات یعنی اُس کی ملائمت اور اُس کی سختی ایک ہی جڑ رکھتی تھیں۔ جیسے کہ وہ ایک نہایت غریب کسان کو انسان سمجھ کر اُس کی تعظیم کرتا تھا۔ اُسی طرح ایک نہایت دولتمند امیر کو بھی انسان سے بڑھکر نہ سمجھتا تھا۔ جیسے کہ لعزر کے پھٹے کپڑے اُس کی رُوح کے رُتبے کو اُس سے نہ چھپا سکے۔ ویسے ہی دولتمند کی لال پوشاک اُس کی کمینگی پر پردہ نہ ڈال سکی۔ وہ جانتا تھا کہ انسان کیا کچھ ہے؟ اُس کی بلندی اور پستی۔ جلال اور ذلت۔ صفات اور عیوب اُسکے سامنے کھلے تھے۔ اور جو آدمی اُس کے روبرو ہوتا فوراً معلوم کر لیتا تھا۔ کہ یہاں ایک شخص ہے جسکی انسانیت گو عام انسانوں کی انسانیت سے کہیں بلند ہے۔ تاہم نیچے جھک کر اُس سے بغلگیر ہوتی۔ اور ذرا ذرا بات میں اُس سے ہمدردی رکھتی ہے ۔

۴

شائد ہی کوئی واعظ ہوگا جس نے عوام کے دل پر گہری تاثیر پیدا کی ہو۔ سوائے اُس شخص کے جس نے پہلے اس بات پر خوب غور نہ کیا ہو۔ کہ جو کچھ وہ کہنا چاہتا ہے اُس کو کن الفاظ میں ادا کرنا چاہئے۔ یا زیادہ صحیح طور پر ہم یوں کہہ سکتے ہیں۔ کہ خدا کا سچا قاصد جو لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہو۔ طبعاً اپنے پیغام کو دلکش اور دل نشین الفاظ کے لباس میں ملبّس کرتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اکثر نوجوان جب منادی کا کام شروع کرتے ہیں اس امر سے بے پروائی کرتے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اگر اُن کے پاس کوئی اچھی بات کہنے کے لئے ہے۔ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کہ اُسے

کس طرح بیان کرتے ہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوگی جیسے کوئی صاحبِ خانہ اپنے دل میں یہ خیال کرے کہ اگر اُس کے پاس کوئی اچھی چیز مہمانوں کے کھانے کے لئے ہے۔ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کہ وہ کس طرح پکائی جائے ٭

یسوع کی تعلیم کی کشش بڑی حد تک اُس کی لُبھانے والی صورت پر موقوف تھی اور اب بھی ہے۔ میرے خیال میں عوام النّاس عموماً کسی بحث یا لمبی تقریر کے سلسلے کو اس قدر یاد نہیں رکھتے جیسے اُن بعض گرم فقرات کو جو کہیں کہیں برجستہ نکیلے اور شفّاف الفاظ میں ظاہر کئے گئے ہوں۔ یسوع کے زیادہ تر اقوال کی یہی صورت ہے۔ وہ سادہ اور خوشنما ہیں اور بآسانی یاد رہ سکتے ہیں۔ لیکن اُن میں سے ہر ایک معانی سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اور جس قدر زیادہ اُن پر غور کریں اُسی قدر گہرے مطالب اُن میں نظر آتے ہیں۔ وہ ایک صاف و شفّاف چشمے کی مانند ہیں جس میں دیکھنے سے بالکل تھوڑا پانی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب تم اپنی چھڑی سے اُن پتھروں کو جو اُس کی تہ میں صاف نظر آرہے ہیں چھونا چاہتے ہو۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی گہرائی تمہارے گمان کی نسبت بہت زیادہ ہے ٭

لیکن یسوع کی گفتار میں ایک اور صفت بھی تھی جس کے سبب سے وہ ہر دل عزیز ہیں۔ وہ بڑی کثرت سے تمثیلوں سے آراستہ ہیں جو انسانی کلام کی نہایت ہی دلکش صفت ہے۔ ایک ہی خدا عالمِ خیال اور عالمِ مادہ دونوں کا خالق ہے اور اُس نے اُن کو ایسے طور پر بنایا ہے۔ کہ قدرتی اشیا اگر ایک خاص طور پر پیش کی جائیں تو روحانی سچّائیوں کو آئینے کی طرح منعکس کرتی ہیں۔ اور ہماری بناوٹ بھی اس قسم کی ہے۔ کہ ہم کبھی سچّائی کا ایسا مزہ نہیں اُٹھاتے۔ جیسا اُس وقت جبکہ وہ اس طور سے پیش کی جائے۔ نیچر کے پاس اس قسم کے ہزارہا آئینے روحانی سچّائیوں کو دکھلانے کے لئے موجود ہیں۔ جو اب تک استعمال میں نہیں آئے۔ بلکہ ایسے نادر ان کلام

کے ہاتھ کے منتظر ہیں۔ جو ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں۔

مسیح سچائی کی تشریح کرنے کے لئے اس طریق کو اس قدر کثرت سے استعمال کرتا تھا کہ اُس ملک کی عام اشیا جس میں وہ رہتا تھا۔ اُس عہد کے تمام مؤرخوں کی نسبت اُس کے کلام میں زیادہ کامل طور پر نظر آتی ہیں۔ اس طور سے یسوع کے زمانے میں گلیل کے یہودیوں کا طریقِ زندگی اُس تاریکی میں سے جو دیگر اشیا پر چھاری ہے۔ بالکل نمایاں ہوگیا ہے۔ اور جیسا جادو کی لالٹین کے پردے پر چیزوں کی تصویریں نظر آتی ہیں۔ اُسی طرح اُس کے کلام میں اُس ملک کے نظاروں۔ لوگوں کے طریقِ رہائش اور شہری لوگوں کے حالات کی تصاویر دیکھتے ہیں۔ گھر میں پیالہ اور طباق۔ چراغ وشمعدان نظر آتے ہیں۔ نوکروں کو چکی میں اناج پیستے اور اُس میں خمیر ملاتے۔ یہاں تک کہ سب خمیر ہو جاتا ملاحظہ کرتے ہیں۔ ہم کُنبے کی ماں کو پُرانے لباس پر کپڑے کا پیوند لگاتے اور باپ کو مشکوں میں مے نچوڑتے دیکھتے ہیں۔ دروازے پر مرغی اپنے بچّوں کو پروں تلے جمع کرتی۔ اور گلیوں میں لڑکے بیاہ شادی اور غمی کا کھیل کھیلتے نظر آتے ہیں۔ باہر کھیتوں میں سوسن اپنی شاندار خوبصورتی سے سلیمان کو رشک دلاتی ہے۔ کوّے بیج بونے والے کے پیچھے پیچھے بیج اُٹھاتے اور پرند ٹہنیوں کے درمیان گھونسلے بناتے دکھائی دیتے ہیں۔ کبوتر اور گورے۔ کُتّے اور سُؤر۔ انجیر اور خاردار جھاڑیاں بھی وہاں نظر آتی ہیں اُوپر آنکھ اُٹھا کر ہم بادل کو دکھنی ہوا کے ساتھ اُڑتے۔ شام کے لال آسمان کو عمدہ اور صاف صبح کی اُمّید دلاتے اور بجلی کو آسمان کے گوشے سے دوسرے گوشے تک کوندتے دیکھتے ہیں۔ ہمیں انگورستان مع بُرج اور کولھو کے نظر آتے ہیں کھیت بہار کی نرم پتّی سے آراستہ یا کاٹنے والے ربیع کی فصل کاٹتے دکھائی دیتے ہیں بھیڑ سامنے چراگاہ میں چرتی پھرتی ہے۔ گڈریا اُن کے آگے آگے جاتا یا کھوئی ہوئی

کو پہاڑوں یا وادیوں میں ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ کیا ہماری گلیوں میں ایسی صورتیں ہیں جن سے ہم زیادہ واقف و مانوس ہیں بہ نسبت اُس فریسی اور محصول لینے والے کے جو ہیکل میں دُعا مانگنے گئے۔ یا بہ نسبت یریحو کی سڑک والے کاہن اور لاوی اور نیک سامری کے۔ یا بہ نسبت عمدہ لباس والے دولتمند کے جو ہر روز جلسے کرتا اور لعزر کے جو اُسکے دروازے پر پڑا رہتا اور جسکے گھاؤ کتے چاٹتے تھے۔ یہ تصویریں اگرچہ روزمرہ لوگوں کے سامنے تھیں تو بھی اُن کے لئے کچھ کم حیرت انگیز نہ تھیں۔ کیونکہ ہماری ساخت اس قسم کی ہے کہ ہم اشیا کو جن کے پاس سے ہم سیکڑوں دفعہ بے پروائی سے گزرے ہونگے۔ جب صفحۂ تصویر پر دیکھتے ہیں تو پیار کرنا شروع کرتے ہیں *

یہ اُس خالص محبت اور لحاظ کی وجہ سے تھا جو وہ اپنے سامعین کے ساتھ رکھتا تھا کہ وہ اس طور سے اُن کے دلوں کو قابو میں لانے کے لئے ایسے دلپسند الفاظ ڈھونڈ ڈھونڈ کر استعمال کرتا تھا۔ لیکن اِس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی تھی جو خاص اُسی کی ذات سے متعلق تھی۔ اُس وقت جبکہ واعظ کا ذہن کسی سچائی پر بڑی قوت اور خوشی کے ساتھ غور کرتا ہے۔ تو اُس سے ایسی ہی روشن تمثیلات کی پھلجھڑیاں جھڑنے لگتی ہیں۔ جب قوتِ ذہنی سرگرمی کے ساتھ کسی مضمون میں لگتی ہے تو اُس وقت عام اور بے مزہ باتیں نکلتی ہیں لیکن جوں جوں حرارت بڑھتی اور کُل دماغ پر حاوی ہوتی ہے۔ تو صاف۔ پُرزور اور دل نشین خیالات ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن جب آگ کل جسم میں بھڑک اُٹھتی تو اُس وقت ایسی شاندار تصویریں اور تمثیلیں نکلتی ہیں۔ جو سُننے والوں کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے جگہ پکڑ لیتی ہیں *



وعظ کی ظاہری صورت کا خیال رکھنا خواہ کیسا ہی اہم کیوں نہ ہو مگر نہایت ہی گراں قدر چیز اُس کا نفس مضمون ہے۔ صورت صرف سکّے کا نقش ہے۔ اصل چیز دھات ہے۔ وہ کیا ہے؟ سونا یا چاندی یا صرف تانبا؟ آیا وہ کھری ہے یا کھوٹی؟ دھات کی نسبت یہی سوال ضروری ہے ؀

وعظ کا مضمون ایسا ناقص کبھی نہیں تھا جیسا یہودی فقیہوں میں۔ یہ بات تالمود سے بخوبی ظاہر ہے۔ جن مضامین پر وہ بحث کرتے ہیں۔ بالکل بیہودہ ہیں اور اس لائق نہیں کہ اُن پر کچھ بھی توجہ کی جائے۔ فقیہوں کا مذہب فقط رسومات کا ایک سلسلہ تھا اور اُن کا وعظ بھی بالکل انہیں باتوں پر محدود ہوتا تھا۔ تعویذوں کی چوڑائی۔ روزوں کی لمبائی۔ دہ یکی دینے کے لائق اشیا اور اور ایک سو ایک باتیں جن سے جسمانی طہارت کامل ہو سکتی۔ یہ اور ہزاروں ایسی ہی باتیں اُن کی تھکا دینے والی تقریروں میں بیان کی جاتی تھیں۔ اس کے بعد بھی کلیسیا کی تاریخ میں ایسے زمانے آتے رہے ہیں۔ جبکہ وعظ ایسی ہی پست حالت پر پہنچ گیا۔ خود ملکِ انگلستان میں زمانۂ اصلاح سے پہلے راہبوں کے وعظ مسیح کے زمانے کے فقیہوں کی نسبت زیادہ بدتر اور بیہودہ ہوتے۔ اسی طرح گزشتہ صدی میں ملکِ جرمنی میں بھی وعظ نہایت ذلیل حالت کو پہنچ گیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسا بھی ہونا ہی چاہئے۔ جب واعظوں کے دل سرد ہو جاتے ہیں تو وہ انجانے اصولی باتوں سے ہٹ کر فروعی باتوں پر جا لگتے ہیں اور آخرکار اِن سے بھی پرے چلے جاتے ہیں ؀

ہم اُن مضامین کو جو مسیح کی منادی کا مضمون تھے اس جگہ بیان نہیں

کر سکتے۔ یہی کہنا کافی ہوگا کہ اُس کا نفسِ مطلب ہمیشہ وہ ہوتا تھا جو انسانی ذہن کے لئے نہایت سنجیدہ اور ضروری ہے۔ وہ خدا کا ایسے طور پر ذکر کرتا تھا جس سے اُس کے سامعین یہ محسوس کرتے تھے۔ کہ گویا خدا اُن کی نظروں میں نور ہے اور اُس میں بالکل تاریکی نہیں۔ جب اُس نے ایسی تمثیلات جیسے کھوئی ہوئی بھیڑ اور مُسرف بیٹے کی تمثیل بیان کی۔ تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا آسمان کے دروازے کُھل گئے ہیں اور اُس رحیم خدا کے دل کی حرکت کو دیکھ سکتے ہیں۔ وہ آدمی کا ایسے طور پر ذکر کرتا تھا۔ جس سے ہر ایک سُننے والا محسوس کرتا تھا کہ اس وقت تک یا تو وہ اپنے آپ سے یا بنی انسان سے ناواقف تھا۔ وہ ہر ایک آدمی کو آگاہ کر دیتا تھا۔ کہ خود اُس کے سینے میں ایک چیز ہے جو تمام عالموں کی نسبت زیادہ قیمتی ہے۔ اور اُس کی زندگی کی گزرتی ہوئی گھڑیاں جو ظاہراً ایسی کم قدر معلوم ہوتی ہیں۔ ایسے نتائج سے مملو ہیں۔ جو آسمان تک بلند اور دوزخ تک گہرے ہیں۔ جب اُس نے اَبدیّت کا ذکر کیا تو زندگی اور بقا کو جن کی نسبت اُس وقت سے پہلے لوگ دُھندلا سا علم رکھتے تھے پورے طور پر ظاہر کر دیا۔ اور پس پردہ عالم کا ایسے صاف اور عام فہم الفاظ میں ذکر کیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اُس ملک سے ناواقف نہیں ؞

یہ دیکھ کر کیا یہ عجیب معلوم ہوگا کہ جماعتیں اُس کے پیچھے لگی رہتی تھیں اور اُس کی باتوں سے کبھی بھی سیر نہیں ہوتی تھیں؟ انسان اگرچہ اس دُنیا کی چیزوں میں غرق ہو رہا ہے تو بھی وہ اپنے دل کی تہ میں جانتا ہے کہ اُس کا تعلق ایک دوسرے جہان سے ہے۔ گو اس جہان کا علم دلچسپ ہے تو بھی دوسرے جہان کے متعلق سوالات رُوح انسان کے لئے ہمیشہ زیادہ دلفریب ہیں۔ میں کہاں سے ہوں؟ میں کیا ہوں؟ میں کہاں جاتا ہوں؟ اگر ہمارے

واعظ اِن سوالات کا جواب نہیں دے سکتے۔ تو بہتر ہے کہ ہم اپنے گرجے بند کردیں۔ وہ آواز جو گلیل کے دامن کوہ سے نکلی اور جو اِن اسرار کا ایسے صاف طور سے ذکر کرتی تھی۔ فی الحقیقت اُس وقت تک کبھی نہیں سُنینگے۔ جب تک کہ اُس عظیم تخت پرسے اُسے نہ سُنیں۔ مگر وہ دل اور رُوح جو اِن آوازوں میں ظاہر ہوئے کبھی نہیں مرتے وہ جیسے اُس وقت ویسے اب بھی زندہ اور درخشاں ہیں جب کبھی کوئی واعظ اَبدی سچّائی کی سُر کو ٹھیک طور پر الاپتا ہے تو خود مسیح ہی اُس میں بولتا ہے۔ جب کبھی کسی واعظ کا کلام سُن کر تم محسوس کرتے ہو۔ کہ اِس جہان کے پرے جس کو ہم دیکھتے اور چھوتے ہیں ایک حقیقی عالم موجود ہے۔ جب کبھی وہ تمہارے ذہن کو پکڑلیتا اور تمہارے دل پر تاثیر کرتا اور تمہاری اُمنگوں کو جگاتا اور تمہارے ضمیر کو جلاتا ہے۔ تو یہ مسیح ہی ہے جو تمہیں پکڑنے کی۔ اپنی محبّت کے ساتھ تم تک پہنچنے کی۔ اور تمہیں بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ "اس لئے ہم مسیح کے ایلچی ہیں۔ گویا کہ خدا ہمارے وسیلے منّت کرتا ہے۔ سو ہم مسیح کے بدلے التماس کرتے ہیں کہ تم خدا سے میل کرو"۔

۱۴

مسیح کا نمونہ تعلیم دینے میں

متی ۴: ۱۸ و ۱۹
〃 ۹: ۹ و ۱۳-۱۷
〃 ۱۰ باب
〃 ۱۲: ۱-۳ و ۴۹
〃 ۱۳: ۱۰ و ۱۱ و ۱۶-۳۶
〃 ۱۵: ۱۵ و ۱۶ و ۲۳ و ۲۴
و ۳۲ و ۳۶
〃 ۱۶: ۵-۲۸
〃 ۱۷ باب
〃 ۱۸: ۱-۳ و ۲۱ و ۲۲
〃 ۱۹: ۱۳-۳۰
〃 ۲۰: ۱۷-۱۹ و ۲۰-۲۸
〃 ۲۶: ۲۱ و ۲۲ و ۲۶-۳۶ و ۵۶
〃 ۲۸: ۷ و ۱۰ و ۱۶-۲۰

مرقس ۳: ۱۴
〃 ۴: ۳۴
〃 ۶: ۳۰-۳۲
〃 ۹: ۳۵-۴۱
〃 ۱۶: ۷

لوقا ۹: ۵۴-۵۶
〃 ۱۰: ۱-۱۷
〃 ۱۱: ۱
〃 ۲۴: ۳۶-۵۱

یوحنا ۲: ۱۱ و ۲۲
〃 ۴: ۲
〃 ۱۳-۱۷ باب

چودھواں باب

مسیح کا نمونہ تعلیم دینے میں

۱

معلّم کا کام واعظ کی نسبت زیادہ تر محدود ہے۔ واعظ ایک جماعت سے خطاب کرتا ہے۔ مگر معلّم اپنی توجّہ کو صرف چند منتخب اشخاص پر لگا دیتا ہے۔ جن جماعتوں کے سامنے یسوع نے منادی کی اُن کی گنتی ہزارہا ہزار کی تھی۔ مگر جن اشخاص کے ساتھ اُس نے معلّم کا برتاؤ کیا۔ وہ صرف بارہ تھے۔ لیکن نتائج کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ غالباً جو کام اُس نے اس حیثیت سے کیا۔ اُس کی قیمت اُس کی منادی کے تمام کام کی نسبت کسی طرح کم نہ تھی ۔

مسیح سے پہلے بہت سے مشہور و معروف معلّم ہو چکے تھے۔ یونانی فلسفے میں سقراط۔ افلاطون۔ ارسطو اور دیگر مشہور و معروف استاد ایک طرح سے اپنے شاگردوں کے ساتھ وہی تعلّق رکھتے تھے جو یسوع کو اپنے شاگردوں کے ساتھ حاصل تھا۔ یہودیوں کے درمیان بھی یہ رشتہ نامعلوم نہ تھا۔ انبیا کے

مدارس ہیں جن کا عہد عتیق میں ذکر ہے۔ "مردِ خدا" "انبیا زادوں" کے معلّم تھے۔ یوحنّا بپتسما کے پاس علاوہ جماعتوں کے جن کو وہ منادی کرتا تھا ایسے شاگرد تھے جو اُس کے ساتھ رہتے تھے*

یونانی زبان کسی اُستاد کے شاگردوں کو ان الفاظ سے تعبیر کرتی ہے کہ "وہ جو اُس کے آس پاس ہیں"۔ مثلاً سقراط کے شاگردوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے تھے کہ "وہ جو سقراط کے آس پاس ہیں"۔ اسی طرح اناجیل میں لکھا ہے کہ یسوع نے بارہ کو چُنا "تاکہ وہ اُس کے ساتھ رہیں"۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے اُن اشخاص کی تعداد جو خاص معنوں میں اُس کے شاگرد تھے محدود ہو گئی ہوگی۔ کیونکہ تھوڑے ایسے تھے جو اپنا گھر اور کاروبار چھوڑ کر اُس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ وہ ہمیشہ سیر و سیاحت میں رہتا تھا۔ اور اس لئے اُس کے ہمراہیوں کے لئے ایک جگہ جم کر کاروبار میں مشغول ہونا بالکل ناممکن تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ صرف عارضی طور پر یا وقتاً فوقتاً اُس کی ہمراہی میں رہتے تھے۔ کیونکہ ہم ایک موقع پر ایک سو بیس شاگردوں کا اور دوسرے موقع پر صرف ستّر کا ذکر پڑھتے ہیں۔ مگر وہ جن کو اُس نے منتخب کیا کہ سب کچھ چھوڑ کر ہمیشہ اُس کے ساتھ رہیں صرف بارہ ہی رہے*

اس طور پر شاگردوں کی تعداد کو محدود کرنے کے لئے ایک اَور وجہ بھی تھی۔ اُستاد کے لئے ضرور ہے کہ وہ اپنے شاگردوں میں سے ہر ایک کو فرداً فرداً جانے اور اُن کے حالات سے بخوبی واقفیت حاصل کرے۔ جیسے کہ ماں اپنے ہر ایک بچے کی طبیعت اور مزاج کا جُدا جُدا اندازہ کرتی ہے تاکہ اُن کی پرورش اچھی طرح سے کر سکے۔ واعظ ایک جماعت سے خطاب کرتے ہوئے اپنی کمان کو اٹکل پچو کھینچتا ہے اور نہیں جانتا کہ اُس کا تیر کس نشان پر لگیگا۔ بلکہ

وہ وعظ میں کسی خاص شخص کا ذکر کرنے سے بھی پرہیز کرتا ہے۔ مگر معلّم ہر ایک سوال اور خیال میں خاص افراد کو خطاب کرتا ہے۔ اور اس لئے حاضرین میں سے ہر ایک کی ذہنی حالت کو جاننا اُس کے لئے لابدی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک انجیل نویس نے بارہ شاگردوں کے نام ایسی ورستی سے بیان کئے ہیں اور اُن کے باہمی تعلّقات کو بھی جتا دیا ہے۔ شائد ان بارھوں کی طبیعت اور حالات باہم اس قدر مختلف اور متفرق تھے جس قدر ایسی تعداد کی جماعت میں ہونے ممکن ہیں۔ مگر تو بھی اُن کی تعداد اتنی زیادہ نہ تھی کہ اُن کے ساتھ فرداً فرداً برتاؤ کرنا ناممکن ہو۔ اس امر کی کامل شہادت موجود ہے کہ اُن کا اُستاد اُنکے حالات کو بخوبی مطالعہ کرتا تھا۔ یہانتک کہ وہ اُن میں سے ہر ایک کی خصلت کے تمام پہلوؤں سے بخوبی واقف ہوگیا۔ اور ہر ایک کے ساتھ ٹھیک اُس کی حالت کے مطابق سلوک کرتا تھا۔ اُس کا یوحنّا کے ساتھ محبّت سے پیش آنا اُس شاگرد کے مزاج کے ٹھیک مناسب تھا۔ اور اسی طرح توما کی طبیعت تحمّل اور بردباری کے طریق سے مناسبت رکھتی تھی۔ مگر جس ڈھنگ سے اُس نے پطرس کے ساتھ برتاؤ کیا۔ وہ اُس کے اس فن میں کامل مہارت رکھنے کا سب سے اعلےٰ اور شاندار ثبوت ہے۔ کیسے پورے طور پر وہ اُس سے واقف تھا؟ وہ اُس کے مزاج کے پُرجوش اور متلوّن جذبوں پر ایسا قابو رکھتا تھا جیسے ایک کامل شہسوار ایک تندمزاج گھوڑے کو اپنے بس میں رکھتا ہے۔ اور اس معاملے میں وہ کیسا کامیاب ہوا! اُس نے اُس طبیعت کو جو پانی کی مانند بیقرار تھی چٹان کی مانند مضبوط بنا دیا۔ اور اس چٹان پر عہدِ جدید کے کلیسیا کی بنیاد قائم کی۔ رسولوں کے اس دائرے میں جو اَور شامل تھے اُن کے ساتھ بھی اُس نے ایسا ہی کیا۔ دغاباز شاگرد کے سوا باقی سب کے سب اپنے اُستاد

کی تعلیم کے وسیلے کلیسیا کے ستون اور جہان میں قدرت والے بننے کے قابل ہو گئے ‎٭

یسوع نے مناد اور معلّم کے کام کو اکٹھا کر دیا۔ پہلا کام زیادہ دلکش تھا۔ اور ممکن تھا کہ اُس کے تمام وقت اور قوّت پر حاوی ہو جاتا۔ لوگوں کے ہجوم کے ہجوم شور و غوغا مچاتے ہوئے اُس کے پاس آتے تھے۔ اور اُنکی حاجات پر لحاظ کر کے اُس کا دل اُن کی طرف کھنچا جاتا تھا۔ مگر اُس نے اپنے وقت کا بڑا حصہ ان بارھوں کی تربیت کے لئے خرچ کیا۔ ہم شمار و تعداد کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ خادم الدین اپنے کام کی کامیابی کا اسی سے اندازہ کرتا ہے۔ اور خدا کے بہت سے خادم انہیں پر اپنی تمام طاقت کو خرچ کر دیتے ہیں۔ البتہ یہ تو سچ ہے کہ کوئی مناد جو مسیح کے ایسا دل اپنے سینے میں رکھتا ہو جماعتوں کو بُرا بھلا کہنے میں جو ظاہراً ایسی معقول بات معلوم ہوتی مگر بہت ناواجب ہے شریک نہیں ہو سکتا۔ مگر مسیح کا نمونہ ہمیں اس بارے میں بھی ایک اور سبق سکھاتا ہے۔ ایک دانا کا قول ہے کہ فراخی اور تنگی کے درمیان وہی فرق ہے جو دلدل اور نالے کے درمیان ہے۔ اور یہی قول اس موقع پر بھی صادق آتا ہے۔ اگر قوّت کی ایک واجبی مقدار مثلاً اس قدر جو ہم رکھتے ہیں ایک بڑی فراخ سطح پر پھیلائی جائے تو اُس کا اس سے کچھ زیادہ اثر نہیں ہوگا جیسا دلدل کے انچ بھر گہرے پانی کا۔ لیکن اُس کو زیادہ محدود کام پر مجتمع کرنے سے وہ ایک نالے کی مانند ہو سکتی ہے جو اپنی تنگ نالی میں گاتا ہوا جاتا اور پنچکّی کو چلاتا ہے۔ ایک جماعت کو لیکر اپنی تاثیر کو اُس میں منقسم کر دو۔ تو ہر ایک کے حصے میں تھوڑی تھوڑی آئیگی۔ لیکن اُس کو بارہ یا چھہ یا صرف ایک شخص پر لگا دو تو اثر زیادہ گہرا اور دیرپا ہوگا۔ ایسے بہت آدمی ہیں جو ایک جماعت کو خطاب کرنے

سکتے بالکل ناقابل ہیں مگر ایک چھوٹی سی جماعت کو تعلیم دے سکتے ہیں اور تعجب ہے کہ انجام سے یہ ثابت ہو کہ انہوں نے بھی اسی قدر کام سرانجام کیا جیسے بہت سے اس سے زیادہ مرغوب اور تحسین انگیز حیثیت کو رکھ سکتے ۔

۲

بلحاظ عموم اور اسکے لحاظ سے تو بارھوں کے لئے مسیح کا طریق تعلیم اس طریق سے جو انہیں سکھلانے کے ساتھ برتا تھا مشابہ تھا سو وہ ان تمام تقریرات کو جو وہ جماعتوں کے سامنے کرتا تھا سنتے تھے کیونکہ وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے تھے تاہم اس کے سامعین میں سے اکثروں کو ایک یا دو بار سے زیادہ اس کی باتیں سننے کا اتفاق ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے خلوت میں اس کی بہت سی تقریریں سنیں جن کا طرز بیان اور ساخت اس کے پبلک وعظوں کے مشابہ تھی سنا تھا۔ اسی طرح انہوں نے اس کے تمام معجزات کو بھی ملاحظہ کیا کیونکہ وہ جہاں کہیں جاتا تھا وہ اسکے ہمراہ جاتے تھے۔ حالانکہ اکثروں کو صرف وہی معجزات دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا جو اس نے ایک یا دو مقامات میں کئے۔ اس کے علاوہ اس نے بعض نہایت عظیم الشان معجزات مثلاً طوفان کو تھمانا صرف انہیں کی موجودگی میں اور انہیں کے فائدے کے لئے دکھائے تھے۔ ان بڑی بڑی موثر اور دل میں کھبنے والی باتوں کا بار بار انکے سامنے وقوع ہونا ان کی تعلیم کے لئے ناقابل بیان فوائد کا وسیلہ تھا اور لیکن ان کی تعلیم کے طریق میں جو بات خاص تھی وہ یہ تھی کہ وہ انہیں اپنے سے سوال پوچھنے دیتا تھا اور پھر ان کے سوالوں کے جواب بھی دیتا تھا جب کبھی اس کی پبلک تقریر میں کوئی بات دقیق ہوتی تو وہ خلوت میں اس سے اس کے معنی پوچھتے اور وہ انہیں بتا دیتا تھا یا اگر اس کے بیان میں کسی امر کی سچائی یا معقولیت کی نسبت انہیں کچھ تامل ہوتا تو انہیں آزادی تھی کہ اس کے سامنے

اپنے شبہات کو پیش کریں اور وہ اُنہیں حل کر دیتا تھا۔ چنانچہ اُس کے کلام کے آغاز میں ہم اُنہیں یہ سوال کرتے پاتے ہیں کہ وہ تمثیلوں میں کیوں بات کرتا ہے؟ اور اُس کے بعد ہم بار بار اُنہیں اُن تمثیلوں کی تشریح دریافت کرتے دیکھتے ہیں جن کا مطلب اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ جب اُنہوں نے طلاق کے مسئلے پر اُس کی سخت تعلیم سُنی تو اُس سے کہنے لگے کہ "اگر مرد کا جورو کے ساتھ یہ حال ہے تو شادی کرنی اچھی نہیں"۔ اس پر اُس نے اس مسئلہ کا پورا پورا بیان اُن کے سامنے کر دیا۔ اسی طرح جب اُنہوں نے اُسے یہ کہتے سُنا کہ "اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنا آسان ہے بہ نسبت اسکے کہ دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو تو وہ پکار اُٹھے "تو پھر کون نجات پا سکتا ہے؟" اس پر اُس نے دولت کے مضمون پر ایک مفصل تقریر کی۔ قصہ مختصر ہم انجیل میں پڑھتے ہیں کہ "لیکن خلوت میں اپنے شاگردوں کو سب باتوں کے معنی بتلاتا تھا"۔

مگر وہ اِس سے بھی بڑھکر کرتا تھا۔ وہ نہ صرف اُنہیں اپنے سے سوال پوچھنے دیتا تھا بلکہ اُن کو ایسا کرنے کی تحریک بھی کرتا تھا۔ وہ جان بوجھ کر اپنے بیانات کو پیچیدہ اور پہیلیوں کے سے اقوال میں ظاہر کرتا تھا تاکہ لوگوں کو سوال پوچھنے کی تحریک ہو۔ اُس نے خود بھی اپنی اس تمثیلوں میں کلام کرنے کی عادت کا سبب بتلایا ہے۔ تمثیل بطور ایک نقاب کے ہے جو سچائی کے چہرے پر پڑا ہو جس سے یہ غرض ہوتی ہے کہ سامعین کے دل میں اشتیاق پیدا ہو کہ وہ اُسے اُٹھا کر اُس خوبصورتی کو دیکھیں جس کو یہ نقاب کچھ کچھ چھپانے کے باوجود ظاہر کرتا ہے۔ معلم کو اپنے کام میں کچھ بھی کامیابی نہیں ہوتی جب تک کہ وہ شاگردوں کے دل میں بجائے خود سعی و تحقیقات کرنے کا شوق نہیں پیدا کر دیتا۔ جب تک شاگرد ایسی بے حرکت

حالت میں رہتا ہے کہ صرف وہی جو اُس میں ڈالا جائے قبول کرتا اور اُس کے سوا کچھ نہیں کرتا تو جاننا چاہیئے کہ حقیقی تعلیم ابھی تک شروع نہیں ہوئی۔ اور صرف اُسی وقت جبکہ ذہن خود بخود کسی مضمون پر لڑنے لگتا اور اپنے میں وہ تمام مشکلات جن کا جواب سچائی مہیا کرتی اور وہ تمام احتیاجات جن کو وہ پورا کرتی دیکھنے لگتا ہے اُس کا حقیقی نشوونما شروع ہوتا اور وہ ترقی کی راہ پر قدم مارنے لگتا ہے۔ جو کچھ مسیح فرماتا اُس سے شاگردوں کے دلوں میں ایک قسم کا جوش سا پیدا ہو جاتا تھا۔ اُس کی غرض یہ ہوتی تھی کہ اُن کے دلوں میں ہر طرح کی دقتیں اور مشکلات پیدا کر دے اور تب وہ اُن کو حل کرانے کے لئے اُس پاس آتے تھے ؛

سُقراط کا بھی جو یونانی معلّموں میں سب سے زیادہ دانا تھا یہی طریق تھا۔ آپکی تعلیم میں بھی سوال وجواب کو بڑی جگہ حاصل ہے۔ جب کوئی شاگرد اُس کے پاس آتا تو سُقراط اُس سے کسی اہم مضمون پر مثلاً راستبازی۔ میانہ روی۔ یا حکمت کے متعلق سوال پوچھتا جس کی نسبت اُس شاگرد کو خیال تھا کہ اُس سے بخوبی واقفیت رکھتا ہے۔ اُس کے جواب پر وہ ایک اور سوال کر دیتا جس سے اُس کے دل میں شک پیدا ہو جاتا کہ آیا اُس کا جواب صحیح یا کافی ہے یا نہیں۔ تب سُقراط اُس سے مضمون کے مختلف پہلوؤں سے سوال پر سوال کئے جاتا یہاں تک کہ شاگرد کو یقین ہو جاتا کہ اُس کی رائے اس امر کی نسبت اس وقت تک نقیضات کا ایک بے ترتیب مجموعہ تھی یا غالباً یہ بھی کہ خود اُسکا دماغ بھی ابھی تک محض غیر منہضم شدہ گودے کا تودہ ہے ؛

دونوں طریق سے ایک ہی غرض مقصود تھی کہ ذہن کو اس بات پر اُبھارا جائے کہ خود بخود تحقیقات میں سعی و کوشش کرے۔ لیکن اِن دونوں میں ایک نہایت ہی نازک اور عمیق فرق ہے۔ سُقراط سوال پوچھتا تھا اور اُس کے شاگرد اُن کا جواب دینے کی کوشش کرتے تھے۔ فی الجملہ فلسفے کے مدرسے میں جو کچھ تعلیم ہوتی تھی وہ بطور ذہنی

ورزش کے لئے سوالوں کے جوابات بجائے خود کچھ وقعت نہیں رکھتے [illegible]
بہت سے فلسفیوں نے بھی اس امر کا اقرار کیا ہے کہ اُن کے کام کا بڑا [illegible]
ہے جو سچائی کی جستجو میں حاصل ہوتی ہے۔ اور اُن میں سے ایک کا قول ہے کہ [illegible]
اُسکے سامنے ایک ہاتھ میں سچائی کی جستجو اور دوسرے میں خود سچائی [illegible]
بلا تامل اول الذکر کو قبول کریگا۔ دائرہ فلسفہ میں تو شاید [illegible]
مگر کوئی دانا آدمی دائرہ مذہب میں اُسکو استعمال کرنا پسند [illegible]
[illegible] تعلیم دیتا تھا۔ اُسکی جستجو سے بھی ذہن کی [illegible]
لیکن ہم اس امر [illegible]
روح کے ان [illegible] سوالوں کا جواب حاصل کریں [illegible]
سوال [illegible]
تمام آدمی [illegible]
روح کے [illegible] اور دقتوں کو حل کرانے کے لئے [illegible]
جائیں ہمیشہ کی زندگی کی باتیں تو تیرے پاس ہیں ٭

۳

اگر ہم اس سوال کے جواب میں کہ مسیح کی بارھوں کی تعلیم [illegible]
یہ کہیں کہ اسکی غرض یہ تھی کہ اپنے لئے جانشین مہیا کرے تو شاید [illegible]
جائینگے کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ اُس کے سب سے بڑے اور خاص کام میں یعنی دُکھ اُٹھا کر
موت سہکر نجات کا کام سرانجام کرنے میں نہ تو کوئی اسکا جانشین ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اُس نے
خود ہی اس کام کو سرانجام کر دیا اور اسکا کچھ حصہ کسی دوسرے کے کرنے کے لئے باقی نہیں چھوڑا ٭
لیکن اس امر کو بخوبی سمجھ لینے کے بعد ہم اُس کام کو جو اُس نے معلم کی حیثیت میں کیا زیادہ
عمدہ طور سے انہیں الفاظ میں ظاہر کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے جانشین بنانے کے لئے اُنکی تعلیم و

تربیت اس طور سے کر رہا تھا جب وہ زمین سے اُٹھایا گیا تو بہت سا حصہ اُس کام کا
جو وہ کیا کرتا تھا۔ اور اگر دُنیا میں رہتا تو کرتا رہتا۔ اُنکے حصے میں آیا۔ اُس معاملے کی جسکی
اُس نے بنیاد رکھی حمایت کرنی اور اُس کا دُنیا میں انتظام و بندوبست کرنا اُنہیں کے سپرد
ہوا۔ اُسکے اپنے کام کے آغاز ہی سے یہ امر اُسکے مدِ نظر تھا۔ اور باوجود اور مشغلات کے
جو اگر وہ ایسا ہونے دیتا اُسکو بالکل مستغرق کر لیتے۔ اُس نے اپنے کو ایسے لوگوں کے
تیار کرنے میں لگا دیا جو اُس کی رحلت کے بعد اُس کی جگہ کام کر سکیں ٭

اُس نے پہلے پہل اُنکو اپنے کام کی ادنےٰ ادنےٰ نمائشوں پر لگایا۔ مثلاً بپتسمہ۔ لکھا
ہے کہ یسوع نہیں بلکہ اُس کے شاگرد بپتسمہ دیتے تھے۔ جب اُنکو اُسکا منشا سمجھنے کا زیادہ
عرصہ ہو گیا اور وہ کسی حد تک مسیحی زندگی میں پختہ ہو گئے تو اُس نے اُنکو علیحدہ علیحدہ بھیجا تا کہ خود
کام کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ بھی اپنے طور پر دورہ کرنے لگے۔ گو وہ ابتدا ہی سے پڑھتے نہ تھے
اور وہ بھی منادی کرتے اور بیماروں کو چنگا کرتے پھرتے۔ اور جب وہ اُسکے پاس واپس آ کر
وہ جو کچھ اُنہوں نے کیا اور جو کچھ سکھلایا تھا سب اُس سے بیان کیا تو مزید ہدایت کے
لئے اُس سے ہدایات پاتے تھے۔ اس طور سے بعض اوقات شاگرد پہلے سے زمین تیار
کر دیتے تھے کہ اُنکا اُستاد آ کر اُس میں ابدی زندگی کے بیج بوئے۔ اور شاید بعض ایسے
علاقوں تک اُسکی خبر پہنچ جاتی تھی جہاں بذاتِ خود جانے کی اُسے فرصت نہ تھی لیکن
ان سب باتوں سے بڑھکر اس طریق سے اُنکی طاقتیں نشو و نما پاتی تھیں اور اُس دن کے
لئے اُنکا ایمان مضبوط ہوتا جاتا تھا جو اُسے پہلے ہی سے معلوم تھا۔ جبکہ وہ اپنے کو تن تنہا
کلیسیا کو قائم کرنے اور اُسکے لئے دُنیا کو فتح کرنے کے عظیم کام سے دو در رو پائینگے ٭

صحیح مسیحیت کا یہ ایک خاصہ ہے کہ وہ ہمارے دل میں نہ صرف ماضی کے بڑے
بڑے واقعات کی نسبت بلکہ مستقبل کی تاریخ کی نسبت بھی ایک دلچسپی پیدا کر دیتی ہے
ایک معمولی آدمی سوائے اُس زمانے کے جہاں تک اُس کی اپنی اولاد کے ساتھ اُس کا تعلق

ہو زمانۂ آئندہ کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ اگر وہ اس وقت شادی و آرام میں بسر کرتا ہے تو اُسے کیا واسطہ کہ دنیا کی حالت اُسکی موت کے بعد کیا ہوگی؟ مگر مسیح اس بات کی بہت پروا کرتا ہے۔ اُسکے دل میں جو ایمان اور محبت ہے وہ اُسے اُن مقصدوں سے جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے بے پروا نہیں کر دیتی ہے۔ وہ ایک ایسے معاملے میں بھی دلچسپی لیتا ہے جو اُسکے کوچ کے بعد بھی برابر جاری رہیگا اور جس سے اُسے اپنی ہستی کے بعد کی منزل میں پھر دوچار ہونا اور سرانجام کرنا پڑیگا۔ اُسکے نزدیک بڑھکر مسیح کا کام اُس کے قبر میں پہنچنے کے بعد کس طرح سرسبز رہیگا ویسا ہی اہم ہے جیسا یہ کہ وہ کام اس وقت کس طرح سرسبز ہو رہا ہے۔ اس لئے ہم کو بڑی فکرمندی سے اُن لوگوں کا بھی خیال کرنا چاہئے جو ہمارے بعد ہمارے کام کو کرتے رہینگے۔ مسیح نے اپنے کام کے شروع ہی سے اس امر کا خیال کیا اور یہ پیش بینی نہایت ضروری بھی تھی ✤

انسان کسی معاملے میں اس طور سے بھی بہت مدد دے سکتا ہے کہ وہ نوجوانوں کو اُس میں لگائے اور اُسکے لئے اُن کو تربیت کرے بہ نسبت اسکے کہ وہ خود اپنی عمر کا ہر ایک لمحہ اور اپنی طاقت کا ہر ایک ذرہ اُسی کام میں صرف کر دے۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے علم طب کی ایک خاص شاخ کی مختصر تاریخ پڑھی تھی مجھے یہ مطالعہ بڑا ہی دلچسپ معلوم ہوا کہ کس طرح پہلے پہل اُس کا علم یونانی طبیبوں میں شروع ہو کر زمانِ متوسط (۱۲ تا ۱۵ صدی عیسوی) میں عربی طبیبوں کے درمیان ترقی پاتا گیا۔ یہانتک کہ وہ زمانۂ حال کی وسیع اور روزافزوں دریافتوں اور ایجادوں کے درجے کو پہنچ گیا۔ مگر اس تمام اطبا کے سلسلے میں جس نام نے میرے دل پر بہت اثر کیا وہ تھا جس نے اس ترقی میں بہت کچھ مدد دی مگر جو خود اقرار کرتا تھا کہ اس کام میں درحقیقت اُس نے کچھ نہیں کیا۔ اِس شخص کو ہمیشہ نوجوان طبیبوں کی جماعت گھیرے رہتی تھی جنکے دل میں اُس نے اِس معاملے کی نسبت جوش و سرگرمی پیدا کر دی۔ پھر وہ اُنہیں ایک ایک حل طلب مسئلہ تحقیقات کے لئے دیا کرتا تھا۔ اور آخرکار انہیں تفصیلی تحقیقاتوں کے اجتماع کے ذریعے سے وہ فن

طلب میں ایسی ترقی پیدا ہو کہ ترقی کرنے میں کامیاب ہوا۔ ہم کو اس وقت مسیحی کلیسیا میں اور کسی چیز کی اتنی سخت ضرورت نہیں جیسی ایسے آدمیوں کی جو اس طور سے نوجوان اور خواہشمند شخصوں کی اُن کے مناسب حال کام کی طرف رہنمائی کریں اور اُن پر ظاہر کریں کہ کس کس کام کے کرنے کی حاجت ہے اور پھر اُن کی لیاقتوں کے مناسب کام میں اُنہیں لگادیں۔ معلمی کی خدمت وغیرہ اختیار کرنے سے بہت اشخاص مسیح کی خدمت میں ایسے آدمیوں کو بھرتی کر سکتے ہیں جن کی خدمات اُنکی اپنی خدمتوں سے کہیں بڑھکر ہوں۔ برنباس نے بھی ایسا ہی کیا جب وہ پولوس کو کلیسیا کی خدمت میں لانے کا وسیلہ بنا۔ جسکی خدمات کا حال ہم اعمال کی کتاب اور اُس کے لکھے ہوئے خطوط میں حیرت کے ساتھ پڑھتے ہیں ٭

۴

زمانۂ حال میں جو کام معلمی کی حیثیت سے مسیح کے کام سے زیادہ تر مشابہت رکھتا ہے وہ شاید علم الٰہی کے پروفیسر کا کام ہے علم الٰہی کے مدرسوں اور کالجوں کے طلبا اُسی حالت میں ہیں جس میں بارھوں شاگرد الگ بجائے خود کام کرنے کے لئے بھیجے جانے سے پہلے تھے۔ اور اگر مسیح اور ان بارھوں کے باہمی تعلق پر خوب غور کریں تو پروفیسروں اور اُن کے طلبا کے باہمی تعلق کی نسبت ہم کو بہت کچھ روشنی ملیگی ٭

بارھوں کے لئے اُنکے اُس تعلق کا جو وہ مسیح کے ساتھ رکھتے تھے سب سے زیادہ قیمتی حصہ صرف یہ تھا کہ اُن کو اُسکی ہمراہی میں رہنے کی عزت حاصل تھی یعنی روز بروز وہ اُسکی عجیب و غریب زندگی پر نظر کرتے اور روز بروز چپ چاپ انجانے اُسکی خصلت کا نقش اپنے اوپر ہونے دیتے تھے۔ مقدس یوحنا بہت عرصہ بعد اِن تین سالوں کے تجربے پر غور کرتے ہوئے اِن چند الفاظ میں اُسکو قلمبند کرتا ہے کہ "ہم نے اُسکا جلال دیکھا" جو لفظ وہ اُس موقع پر استعمال کرتا ہے وہ وہی ہے جس سے وہ سکینہ مراد ہے۔ جو کفارہ گاہ کے اوپر چمکتا تھا۔ فینیکیہ اور قیصریہ کے تنہا سفروں میں گلیل کی پہاڑیوں پر کی بے تکلف بات چیت میں وہ اکثر محسوس کرتے تھے کہ قدس الاقداس

اُن پر کھولا جا رہا ہے اور کہ وہ اُس حسن پر نظر کر رہے ہیں جو بیان سے باہر ہے ٭

شاید سب سے بڑا نقص مدارس علم الٰہی کی تعلیم و تربیت میں جیسے کہ آجکل مروج ہے یہ ہے کہ معلم اور متعلم کے درمیان یہ ہمدمی اور رفاقت نہیں ہے۔ بہت کم پروفیسر ہیں جنہوں نے اس امر میں بہت کوشش کی ہو۔ کام تو درحقیقت بڑا مشکل ہے کوئی انکو ایسی تمیز نہیں جیسے شاگردوں کی۔ اگر انکے ساتھ زیادہ میل جول کریں تو وہ فوراً اُستاد کی لیاقتوں کا اندازہ لگانے لگتے ہیں جب کسی پروفیسر پر انکو اعتماد ہوتا ہے تو وہ ایک طرح سے اُسکی پرستش کرنے لگ جاتے ہیں لیکن جب اعتماد اُٹھ جائے تو پھر اُن کی نفرت کی بھی کوئی حد نہیں۔ یہ تو ممکن ہے کہ کسی کی شہرت و ناموری اُن کی آنکھوں کو چکا چوندھ کر دے۔ مگر صرف خصلت کی کاملیت اور کمال علمیت ہی اس اثر کو زیادہ مستقل طور پر قائم رکھ سکتے ہیں ٭

زمانۂ حال میں میں صرف ایک آدمی سے واقف ہوں جس نے بلا خوف و تامل اپنے شاگردوں کے ساتھ گاڑھی اُنس و رفاقت پیدا کی۔ اُس کا چلن ایسا مسیح کی مانند تھا اور اسکا نمونہ ایسا عظیم الشان تھا کہ وہ اس لائق ہے کہ ہم اس جگہ اُس کا ذکر کریں ٭

تمام لوگ جو کچھ بھی علم الٰہی سے واقفیت رکھتے ہیں انہوں نے پروفیسر تھولک کا کم سے کم نام تو ضرور سُنا ہوگا۔ علم تفسیر اور علم کلام پر اُس نے بیشمار کتابیں لکھی ہیں جس سے اُس کو اس صدی کے علمائے دین میں اعلیٰ پایہ حاصل ہو گیا ہے۔ صلاح و درستی کے لحاظ سے وہ اور بھی اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔ جو کچھ ویسلی نے کلیسیائے انگلستان کے لئے اور چامرز نے کلیسیائے سکاٹلینڈ کے لئے کیا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہی اس شخص نے کلیسیائے جرمنی کے لئے کیا ہے۔ اُس نے معقولیوں سے لڑائی کر کے انکو پسپا کر دیا۔ اور انجیلی مذہب کو اُس ملک میں ایک اعلیٰ اور معزز رتبے پر پہنچا دیا ٭

مگر جس طریق سے اُس نے اس کام کو سرانجام دیا وہ اس لائق ہے کہ خدا کی کلیسیا میں ہمیشہ اُسکی یاد رہے۔ جونہی اُسکے دل میں روحانی تبدیلی واقع ہوئی اور وہ بیت العلوم

میں معلم مقرر ہو گیا اُس نے اپنے شاگردوں سے اس طور سے میل جول رکھنا شروع کیا جو جرمنی میں ایک غیر معمولی بات تھی۔ فقط اپنی کُرسی معلمی پر سے لکچر دینے پر قناعت نہ کرکے اُس نے اُنکے ساتھ فرداً فرداً ذاتی واقفیت پیدا کی تاکہ اُنکو مسیح کی طرف رجوع کرے وہ سیر کے وقت اُنکو اپنے ہمراہ لیجاتا۔ وہ اُنکے گھروں میں اُن سے ملاقات کرتا۔ وہ ہفتے میں دو بار شام کے وقت دُعا اور مطالعہ کلام اللہ اور مشنری کام کے حالات پڑھنے کے لئے اُنہیں جمع کرتا تھا۔ جوں جوں وقت کے ساتھ اُسکی جماعت بڑھتی گئی اُسی قدر یہ کام بھی زیادہ وسیع ہوتا گیا۔ مگر اُس کی سعی و کوشش میں کسی طرح فرق نہ آیا۔ جب وہ کام میں بالکل غرق تھا یعنی ایک طرف تو اپنے شاگردوں کے لئے لکچر تیار کرتا اور دوسری طرف وہ کتابیں جن سے دُنیا کی نظروں میں اُسکی عزت مسلّم ہوگئی شائع کرتا تھا وہ بلاناغہ چار گھنٹے ہر روز اپنے شاگردوں کے ساتھ صرف کرتا تھا۔ اور اسکے علاوہ وہ ہر روز ایک کو کھانے پر اور دوسرے کو چاء پر اپنے گھر مدعو کرتا تھا ؛

یہ سب صرف بالائی باتیں نہیں تھیں۔ وہ اُن لوگوں کی مانند نہیں تھا جو اگر بلا کسی تیاری کے ایک دو باتوں باتوں میں کسی کے ساتھ مذہب کا تذکرہ چھیڑ دیتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ بس اُس شخص کے روحانی امور کے ساتھ جہاں تک اُنکو واسطہ تھا اُس سے سبکدوش ہوگئے اُسکو اکثر دیکھنے کا اتفاق ہوتا تھا کہ بعض شاگردوں کے دل تک پہنچنا بہت مشکل کام ہے اور اس لئے اسکو اپنی کارروائی بہت دور سے گویا اُسکے خیالات کے بیرونی دائرے سے شروع کرنی پڑتی تھی۔ وہ بڑا زندہ دل اور نغز گو شخص تھا۔ وہ شاگردوں سے عجیب عجیب سوال کرکے اُنکے ذہن کو آزماتا تھا۔ اور جن کو اُس کے ساتھ کبھی سیر کرنے کا موقع ملتا تھا۔ بعد ازاں ہفتوں تک اُسکی ہنسی مزاح کی باتوں کو یاد کرکے لطف اُٹھایا کرتے تھے۔ وہ ذہنی امور میں بہت دلچسپی رکھتا تھا۔ اور ہر ایک آدمی سے اُسکے معلومہ اور دلپسند مضمون پر گفتگو کرانے کا خوب ڈھنگ جانتا تھا۔ وہ کتابوں

اور طریقِ مطالعہ کی نسبت بہت کچھ قیمتی صلاح دے سکتا تھا۔ وہ ہر ایک پہلو سے ذہن کو ہوشیار کرنے اور اُکسانے کی کوشش کرتا تھا۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنی ذہنی اور رُوحانی بیداری کے لیئے اُسی کے ممنون ہیں۔ مگر وہ جسم کی ضروریات سے بھی بے پروا نہ تھا۔ جرمنی کے کسی پروفیسر نے اپنے شاگردوں کی اس قدر مدد نہ کی ہوگی جیسی اُس نے۔ لیکن ہر وقت اُسکی آنکھ صرف ایک مقصد پر لگی رہتی تھی اور اُس کی تمام کوششوں کا اُسی کی طرف میلان ہوتا تھا یعنی ہر ایک شاگرد جس سے اُس کو سابقہ پڑتا تھا اُس کی ذاتی نجات ؛

اور اُس کو اس کا پھل بھی ملا۔ اُس کی زندگی ہی میں یہ امر مشہور تھا کہ اُس کو بہت بڑی کامیابی ہوئی ہے۔ مگر یہ صرف اُسکے سوانح عمری کی اشاعت سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کامیابی درحقیقت کس قدر بڑی تھی۔ اُسکے کاغذات میں سیکڑوں خطوط طالبعلموں اور خادمانِ دین کے پائے گئے جن میں وہ اُسے اپنا روحانی باپ تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ بہت سے اشخاص جن کے نام جرمنی کی اس صدی کی علمی تاریخ میں نہایت مشہور و معروف ہیں اُسی کے وسیلے سے اُنکے دل میں سچی رُوحانی تبدیلی پیدا ہوئی اور جرمنی کے منبروں اور معلّمی کی کرسیوں پر سیکڑوں اشخاص اسوقت انجیل کی خدمت میں مشغول ہیں جنکی جانیں اُسی کے وسیلے سے بچ گئیں ؛

اسکی کیا وجہ ہے کہ ایسی زندگی ہمیں بالکل غیر معمولی اور یکتا معلوم ہوتی ہے؟ کیوں اور دائروں میں مثلاً دفتر یا دوکان یا سکول میں بھی کلیسیا اور بیت العلوم کی مانند اسکی نقل نہیں کی جاتی؟ تھولک نے اپنی زندگی کا راز صرف ایک فقرے میں بتادیا "میرے دل میں فقط ایک آرزو ہے اور وہ مسیح ہے"؛

۱۵

مسیح کا نمونہ مباحثہ کرنے میں

متی ۵ : ۲۱ - ۴۸
" ۹ : ۱۰ - ۱۳
" ۱۲ : ۲۴ - ۴۵
" ۱۵ : ۱ - ۱۴
" ۱۶ : ۱ - ۴
" ۱۹ : ۳ - ۱۲
" ۲۱ : ۲۳ - ۴۶
" ۲۲ باب
" ۲۳ باب

لوقا ۷ : ۳۶ - ۵۰
" ۱۰ : ۲۵ - ۳۷
" ۱۱ : ۳۷ - ۵۴
" ۱۲ : ۱
" ۱۳ : ۱۱ - ۱۷

یوحنا ۲ : ۱۸ - ۲۰
" ۵ باب
" ۶ : ۴۱ - ۶۵
" ۷ : ۱۰ - ۵۳
" ۸ : ۱۲ - ۵۹

پندرھواں باب

مسیح کا نمونہ مباحثہ کرنے میں

کسی کا قول ہے کہ سچائی کی ہیکل کے خادم تین قسم کے ہیں۔ اوّل وہ جو ہیکل کے دروازے پر کھڑے ہوئے رہگزروں کو اندر آنے کی ترغیب و تحریص کرتے ہیں۔ دوم وہ جن کا کام یہ ہے کہ اُن سب کے ہمراہ جو داخل ہونے پر راغب ہوئے ہیں اندر جائیں اور اُس مقام کے خزانے اور راز اُن پر ظاہر اور آشکارا کریں۔ سوم وہ ہیں جن کا یہ کام ہے کہ ہیکل کے گرداگرد پھر کر پہرا دیتے رہیں اور دشمنوں کے حملوں سے مقدس کی نگہبانی کریں۔ سرسری طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اِن تینوں عہدوں میں سے اوّل تو مناد کا ہے دوسرا معلّم کا اور تیسرا بحث مباحثہ کرنیوالے کا ہے

۱

اِس زمانے میں مباحثے کا نام بدنام ہو رہا ہے۔ جہاں اس کا نام لیا لوگ فوراً چونک اُٹھتے ہیں اور عموماً لوگوں کے دل میں مباحثہ کرنے والے کی نسبت کچھ عمدہ اور تعریف کا خیال نہیں پایا جاتا۔ وہ شخص جسے تقدیر نے مباحثے کا کام سپرد کیا ہے مسیح کے دیگر خادموں کی نسبت بہت کم مسیح کے

لوگوں کی ہمدردی اور قدردانی کی اُمید کرسکتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ بھی جو سچائی
کے متعلق خیالات میں اُس سے متفق ہیں اُسکے جھگڑے کے میدان میں داخل
ہونے کو پسند نہیں کرتے بلکہ افسوس کرتے ہیں کہ اُس نے کس لئے بجائے کسی اَور
عمدہ کام کے اس کام کو اختیار کرلیا۔ مسیحیوں کے اس خیال نے آخر وہی نتیجہ پیدا
کیا جو ہونا چاہیئے تھا۔ صاحب لیاقت اشخاص اس قسم کا کام اختیار کرنے سے
شرم کھاتے ہیں کیونکہ وہ اپنی قابلیتوں کو بآسانی ایسے کاموں میں لگا سکتے ہیں
جہاں اُن کے کام کی قدردانی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے مباحثے کا کام زیادہ تر
کم لیاقت آدمیوں کے ہاتھ میں پڑ گیا ہے۔ ہم بآسانی بہت سے مباحثوں کا نام
لے سکتے ہیں جن کا کلیسیا کی بہبودی کے لئے کارآمد ہونا بالکل مسلّم ہے مگر جو ایسے
حامیوں کی حمایت سے محروم ہیں جن کی امداد و تائید انہیں لوگوں کی نظروں میں
وقعت بخشتی ۔

جن اسباب سے پبلک کے دل میں مباحثے کی نسبت ایسا خیال پیدا
ہوگیا اُن کا کھوج لگانا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کیونکہ بلاشبہ اِس امر کے لئے
معقول وجوہات ہونی چاہئیں۔ غالباً اُس کی ایک وجہ یہ ہے کہ پہلے زمانے میں
بحث مباحثے کی حد کردی تھی اور اس لئے پبلک کی طبیعت نے اُس سے دق
آکر پلٹا کھایا ہے۔ کیونکہ اگرچہ مباحثہ کلیسیا کا ضروری کام ہے مگر کسی طرح سے نہایت
ضروری نہیں سمجھا جاسکتا۔ اور اس لئے وہ چیز جو مقدار مناسب میں فائدہ مند ہو ممکن
ہے کہ زیادہ مقدار میں زہر کا کام دے۔ نیک آدمی بھی بعض اوقات سچائی کے
لئے ایسے گرم ہو جاتے ہیں کہ وہ اُلفت و محبت کے لئے سرگرمی دکھانی بھول
جاتے ہیں۔ بعض اوقات ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر جن کی نسبت بہتر ہوتا کہ مسیحی
باہمی اختلافات کے روادار رہتے ایسی تندی اور گرمی کے ساتھ بحث مباحثہ

کیا گیا جو صرف ایسے موقعے پر برمحل ہوتا جبکہ آزادی اور مذہب کو واقعی نقصان پہنچنے کا خوف ہوتا۔ جب لوگ اس قسم کے جوش انگیز امور میں شریک ہوتے ہیں تو وہ تناسب کے خیال کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اپنے تفضیلی الفاظ کو ادنےٰ اشیا پر خرچ کر بیٹھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ امور جن پر اُن کا استعمال درحقیقت واجب تھا پیش آتے ہیں تو اپنی جیبوں کو خالی پاتے ہیں۔ اسی طور سے وہ اوروں کے دلوں پر جو قابو اُن کو پہلے حاصل تھا وہ بھی کھو بیٹھتے ہیں کیونکہ پبلک اُن معاملات کے متعلق سخت جوش دلائے جانے کے بعد یہ دریافت کر کے کہ وہ بالکل بے حقیقت باتیں تھیں ایسی بے اعتقاد ہو جاتی ہے کہ جب حقیقی خطرہ بھی پیش آتا ہے تو حرکت کرنے سے انکار کرتی ہے۔

مگر یہ اس زمانے کی کچھ اچھی علامت نہیں ہے کہ لوگ مباحثے کو حقیر سمجھنے لگ گئے ہیں۔ کتاب کے حجم کے بہت بڑھ جانے کے خوف سے ہمیں اناجیل میں سے زندگی کے مختلف حالات کے متعلق یسوع کے رویے کی تمام دکمال شہادت کو چھاپنے سے باز رہنا پڑا ہے۔ لیکن اگر ہم اُس کو چھاپ سکتے تو اس مجموعۂ شہادت میں سے سب سے موٹا تتمہ اس باب کے آخر میں لگانا پڑتا۔ اُس کی زندگی کے تذکروں میں ہمیں بحث مباحثے کے متعلق صفحوں کے صفحے بھرے ملتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ ایسا کام نہ تھا جس میں اُسے بہت ہی خوشی حاصل ہوتی تھی۔ لیکن اُسے یہ کام اپنی زندگی بھر۔ خاص کر زندگی کے آخری دنوں میں اختیار کرنا پڑا۔ اُس کے سب سے عالی قدر خادموں کو بھی ہر زمانے میں ایسا ہی کرنا پڑا ہے۔ شائد مقدس پولوس کے لئے اُس کی طبیعت ہی کے لحاظ سے یہ کام کچھ غیر مرغوب نہ تھا لیکن مقدس یوحنا کو بھی ویسی ہی گرمجوشی سے اُسے اختیار کرنا پڑا۔ مشکل سے ہم مسیحی کلیسیا کی تاریخ کے کسی ایسے

اولوالعزم شخص کا نام لے سکتے ہیں جو بالکل اس سے فارغ رہ سکا ہے ۔

سچے مباحثے کی رُوح و مزاج یہ ہے کہ مباحث کو دلی یقین ہو کہ سچائی اُسکے پاس ہے اور کہ وہ سچائی تمام آدمیوں کے لئے قیمتی ہے۔ اور اس یقین کے سبب اُس کے دل میں غلطی سے نفرت اور اُس کو دفع کرنے کی جرأت پیدا ہو۔ بادشاہِ حق کی حیثیت میں تھا کہ مسیح بحث مباحثوں میں مشغول رہا۔ اور اس حالت میں یہی نیک خواہش اُس کو سہارا دیتی تھی کہ اپنے ہمجنسوں کو غلطی کے تنگ و تاریک قید خانے سے رہائی بخشے۔ مباحثے کی نسبت حد سے بڑھ کر نفرت ہونے سے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ کلیسیا کے دل میں اسی سچائی پر قابض ہونے کی جو نہایت ہی بیش قیمت ہے کچھ بڑی وقعت نہیں ہے اور کہ اُس کے ذہن میں سچائی اور غلطی کی قیمت کے بے حد فرق کی کچھ تمیز باقی نہیں رہی ۔

۲

البتہ پبلک کے دل میں مختلف قسم کے مباحثوں کی نسبت مختلف خیالات جاگزین ہیں۔ مباحثے کا ایک کام یہ ہے کہ اُس غلطی کا جو کلیسیا سے باہر ہے مقابلہ کرے۔ سچے مذہب پر مختلف مذاہب کی طرف سے برابر حملے ہوتے رہتے ہیں جو یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے اور کچھ عرصے کے بعد معدوم ہوتے رہتے ہیں۔ ایک زمانے میں ڈی ازم[1] کی تردید کی ضرورت پڑتی ہے کبھی ہمہ اوستی کی کبھی دہریت کی۔ سچی سچائی کی ہیکل کو ایسے حملہ آوروں سے بچانا لوگوں کے نزدیک ہر دلعزیز ہے بلکہ بہت کچھ انعام کا سزاوار بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے اس قسم کے مباحثے پر بہت کچھ لکھا جاتا ہے بلکہ بعض اوقات ایسے موقعوں پر بھی جہاں اُس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تاہم یہ کام اپنے مناسب موقعے پر کیا جائے تو نہایت ہی کارآمد ہے۔ اور خاص کر زمانۂ حال میں اُس کے

[1] وہ لوگ جو خدا کی ہستی پر اعتقاد رکھتے مگر الہام کے منکر ہیں ۔

لئے اعلےٰ درجے کی لیاقت و قابلیت درکار ہے۔ کیونکہ ہماری صدی کے بہت سے مسائل زیر بحث ابھی تک حل نہیں ہوگئے ۔

یہ وہ بحث ہے جو کلیسیا کے اندرونی معاملات پر ہوتی جس سے نفرت اور تشویش پیدا ہوتی ہے۔ مگر وہ مباحثہ جو ہمارے خداوند نے کیا کلیسیا کی اندرونی باتوں پر تھا۔ اور ایسا ہی وہ بھی ہے جو اُس کے عالی قدر پیروؤں کو کرنا پڑا ہے۔ البتہ یہ تو عمدہ بات ہوتی کہ مباحثوں کے اوزاروں کی صدا امن کی ہیکل میں سُنائی نہ پڑتی۔ مگر یہ صرف اُس صورت میں ہوتا جبکہ وہ فی الحقیقت سچائی کی ہیکل ہوتی۔ مسیح کے زمانے میں وہ غلطی کا قلعہ اور پناہ گاہ بنی ہوئی تھی۔ اور اُس کے بعد بھی صرف ایک یا دو دفعہ ہی اُس کو ایسا بننے کا موقع نہیں ملا۔ یسوع کو اپنے زمانے کے قریباً تمام مذہبی طریق انتظام اور کلیسیا کے بہت سے مسائل پر حملہ کرنا پڑا۔ ایسا کرنا ایک صاحب ہوش انسان کے لئے ہر حالت میں ضرور ایک دردناک کام ہے۔ کیونکہ جو اعتقاد ایک کثیر التعداد آدمیوں کے دل میں جنہیں ایسے وسیع مضامین پر غور و فکر کرنے کی قابلیت یا فرصت نہیں۔ اپنے رُوحانی پیشواؤں کی نسبت ہوتا ہے انسانی زندگی کی عمارت کے نہایت پاک اور قابل حرمت ستونوں میں سے ہے۔ اور کوئی کام اس سے بڑھکر گناہ نہیں کہ اُس کو بے پروائی سے ہلایا جائے لیکن بعض اوقات اُس کو ہلانا ضروری ہوتا ہے۔ اور یسوع نے بھی ایسا ہی کیا ۔

البتہ اس کے برعکس ہونا بھی بہ آسانی ممکن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کلیسیا حق پر ہو اور نئی بات نکالنے والا غلطی پر۔ تب حقیقی کام مسیحی مناظر کا یہ ہے کہ کلیسیا کی طرف سے اُس شخص کا جو اُس کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے مقابلہ کرے یہ بھی نہایت نازک کام ہے جس میں اعلیٰ درجے کی مسیحی حکمت کی ضرورت ہوتی

ہے۔ بعض اوقات اُس کے عوض کچھ تحسین اور آفرین بھی حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ جو شخص اُس غلطی کے برخلاف جو باہر سے آتی ہے کلیسیا کی حفاظت کرتا ہے حامئے دین سمجھا جا کر وہ تو عزّت و توقیر سے لادا جائے مگر وہ شخص جو اُسے زیادہ سخت اندرونی خطرے سے بچانے کی کوشش کرتا ہے اپنی ساری محنت کے عوض میں بدعت جو کے ذلیل اور شرمناک خطاب سے بڑھکر اور کچھ حاصل نہ کرے۔ لیکن یہ معلوم کرنا آسان بات نہیں کہ ایک قابل مسیحی کے واسطے اِن دونوں صورتوں کے درمیان کون سی زیادہ مناسب جائے قیام ہے یعنی یا تو ایک طرف کلیسیا کو بدعتی سمجھ کر اُس پر حملہ کرنا یا دوسری طرف اُسکو سچائی کی تعلیم نہ دینے کے الزام سے بچانے کے لئے تیار رہنا *

۳

مسیح اور یہودی معلّم جن سے وہ جھگڑا کرتا تھا دونوں کے پاس ایک مشترک مقیاس اور پیمانہ تھا جس سے وہ سند لاتے تھے۔ دونوں عہد عتیق کے نوشتوں کو کلام اللہ تسلیم کرتے تھے۔ چونکہ اِس امر سے اُس کے کام کی جو قوم یہود کے متعلق تھا ایک خاص صورت ہوگئی (کیونکہ اُن کو وہ ایسے طور سے خطاب کر سکتا تھا۔ جس طور سے وہ اور کسی قوم کو نہ کر سکتا تھا) اس لئے اُس کا کام بھی بہت کچھ سادہ اور آسان ہوگیا۔ اُس کی بڑائی اور غلبہ اس بات میں تھا کہ وہ اُس پیمانے سے جس سے دونوں سند لاتے تھے زیادہ گہری اور کامل واقفیت رکھتا تھا۔ وہ لوگ تو حقیقت قوم کے عُلما تھے اور عہد عتیق اُن کی تعلیمی کتاب تھی۔ لیکن مسیح جیسا اُس سے کئی بار طنزاً کہا گیا اَن پڑھ تھا۔ مگر کلام اللہ سے گہری محبت رکھنے اور اُس کی جستجو اور تحقیقات میں عمر بھر کی محنت کے سبب وہ اُن سے اُنہیں کے میدان میں بازی لے گیا۔ کیونکہ وہ اپنے حافظے کے

خزانے سے موقعے کی ضرورت کے مطابق بلا تامّل آیت پیش کر سکتا تھا اور جب وہ اُس کلام کا جو اُن کی دلیل کو توڑنے والا تھا حوالہ دیتا تو بعض اوقات اُن پر جنہیں بائبل سے کامل واقفیت رکھنے پر بڑا فخر تھا۔ طنز کر کے اپنے حوالے کو اس سوال سے شروع کرتا کہ "کیا تم نے نہیں پڑھا؟" کبھی وہ زیادہ سنجیدہ حالت میں اُنہیں صاف الفاظ میں کہہ دیتا کہ "تم نوشتوں کو نہ جان کر غلطی کرتے ہو"۔

تاہم اُس نے نوشتوں کے صرف لفظی معنوں کے جاننے پر ہی کفایت نہ کی۔ یہ ایک ادنےٰ درجے کے مناظر کی عادت ہے جو اس پر قانع ہوتا ہے کہ آیت کے مقابلے میں آیت پیش کرتا جائے اور آخر میں اُس کے مخالف کی نسبت اُس کی طرف سے ایک آیت زیادہ رہے۔ ایسا مناظرہ سمندر کی ریت کی طرح جو ہوا کے سامنے اُڑتی پھرتی ہے خشک اور بے پھل ہوتا ہے اور چیل کوّے کی کائیں کائیں سے بڑھ کر وقعت نہیں رکھتا۔ یہ اسی قسم کا بحث و مناظرہ ہے جس سے کلیسیا کا یہ عہدہ بدنام ہو رہا ہے۔ سچّے مناظر کو صرف نوشتوں کی ظاہری عبارت سے بڑھ کر واقفیت حاصل ہونی چاہئے۔ وہ کتاب مقدس کے اصولوں پر اور اُس مذہبی تجربے پر جس سے نوشتوں کی عملی تشریح ہوتی ہے حاوی اور نیز خدا کی قربت سے بہرہ ور ہوتا ہے جس سے اُس کے کام میں گرمجوشی اور عظمت پیدا ہوتی ہے۔

یسوع کا ذہن اس طور سے نوشتوں کے صرف ظاہری الفاظ سے پرے تک پہنچتا تھا اور وہ اُن کو بے مثل آزادی اور بے ساختہ پن سے استعمال کرتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ عہدِ عتیق سے بہ مشکل کوئی آیت نقل کرتا تھا جس کے متعلق کوئی نئے معانی نہیں ظاہر کر دیتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اُس کے

چھونے سے بیرونی خول پھٹ جاتا تھا۔ اور اُس کے اندر سے دفعتاً ایک نئی اپنی آب و تاب سے دکھلائی دینے لگتا تھا۔ بعض اوقات وہ پاک نوشتوں کے عام منشا کے مطابق ایک اصول نکال لیتا تھا جو ظاہراً لفظی معنوں کو الٹ پلٹ کرتا ہوا معلوم دیتا تھا (متی ۵: ۳۱ و ۳۲) جب کہ وہ اپنے باپ کے کلام سے محبت رکھتا اور اُس کا ادب اور تعظیم کرتا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ خود ایک نئے مکاشفے کا سرچشمہ ہے جس میں پرانا الہام اس طور سے چھپ جائیگا جیسی ستاروں کی روشنی مطلع فجر میں نہاں ہو جاتی ہے ۔

لیکن یسوع صرف نوشتوں کی مدد سے ہی مناظرے کا کام نہیں کرتا تھا بلکہ وہ انسانی عقل اور عام سمجھ سے بھی کام لیتا تھا۔ جو محض علمی فخر اور سند آوری سے بڑھ کر ہے۔ اور جو ہر ایک سچے مناظر کو استعمال کرنی چاہیئے۔ اور اگر ہم یہ استعمال ایک نہایت نغز و دلفریب فقرے میں کریں جو فی الفور سامعین کے حافظے پر نقش ہو جائے تو جب یہ مناظرہ عوام النّاس کے سامنے ہو رہا ہو۔ اُس کا اثر بے روک ہوتا ہے۔ یسوع کو یہ قدرت اعلےٰ درجے میں حاصل تھی جیسا کہ اُس کے اکثر اقوال سے ظاہر ہوتا ہے۔ اُن میں سے ایک نہایت ہی حیرت بخش وہ ہے ”جس پر اُنہوں نے تعجب کیا اور اُسے چھوڑ کر چلے گئے“ کہ ”جو چیزیں قیصر کی ہیں قیصر کو اور جو خدا کی ہیں خدا کو دو“۔

۴

زمانۂ حال کے آداب و قواعد مباحثے کی تفصیل میں سب سے اعلےٰ جگہ اس فرض کو دی جاتی ہے کہ اپنے مخالف کے ساتھ عزّت و لحاظ سے پیش آنا چاہیئے اُس کے دلائل کے ساتھ خواہ کیسا ہی سختی سے برتاؤ کیا جائے مگر اُس کی ذات کا ادب و لحاظ کرنا اور اُس کی نیک نیتی کو بھی تسلیم کرنا چاہیئے ۔

کوئی قاعدہ اس سے بڑھکر معقول نہیں ہوسکتا۔ ہم اپنے ہمجنسوں کے اندرونی حالات سے بہت ہی کم واقف ہیں اور جب کسی سبب سے ہم اُن سے برانگیختہ خاطر ہوجاتے ہیں تو تعصّب کی وجہ سے اُن کی خوبیوں سے بھی آنکھ بند کرلینی ممکن ہے۔ برخلاف اس کے ہم خود اپنے حالات سے اس قدر زیادہ واقف ہیں کہ ہم کو دوسروں پر پتھر پھینکنے پر کبھی دلیری نہیں کرنی چاہیئے۔ کوئی آدمی تمام وکمال سچّائی نہیں رکھتا۔ اور ممکن ہے کہ ہمارا مخالف اُسی سچّائی کا دوسرا پہلو دیکھ رہا ہے جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ خدا بعض اوقات اپنی کلیسیا کو اسی طور سے کسی سچّائی کی پوری تعلیم دیتا ہے کہ اُس کا آدھا آدھا حصّہ مختلف اشخاص کے ذہن میں آتا ہے جو پہلے ایک دوسرے کی مخالفت پر کمربستہ ہوتے ہیں مگر اسی ٹکر سے ایک آگ پیدا ہوجاتی ہے جو آخرکار اُن کو پگھلاتی اور بالکل مخلوط کرکے ایک بنادیتی ہے ؏

؎ جو لوگ چاندی کو میل سے صاف کیا چاہتے ہیں اُسکو بار بار آگ میں ڈالتے ہیں کہ وہ بخوبی آزمائی جائے۔ الٰہی سچّائی کا بھی یہی حال ہے مشکل سے کوئی سچّائی ہوگی جو بار بار آزمائی نہیں گئی۔ اور اگر اب بھی اُس میں کچھ میل مل جائے تو خدا اُسے پھر معرض بحث میں ڈال دیتا ہے۔ اگر گزشتہ زمانوں میں کوئی سچّائی پورے طور پر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ چکی تو وہ پھر آگ میں ڈالی جائیگی تاکہ باقی ماندہ میل بھی جل جائے۔ رُوح القدس نہایت تفتیش کرنے والا۔ باریکیاں نکالنے والا۔ اور راستی دوست ہے اور وہ اس امر کی برداشت نہیں کرسکتا کہ انجیل کی سچّائیوں میں کسی قسم کے جھوٹ کی آمیزش رہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا اب بھی زماناً بعد زمانٍ گزشتہ زمانے کے امور مسلّمہ کو معرض بحث میں لاتا ہے اس لیئے کہ ابھی تک اُن میں کچھ نہ کچھ میل ملی ہوئی ہے۔ یا تو خود اُس سچّائی کے طریق بیان میں یا نوشتوں میں جو اُس کی تائید میں پیش کیئے جاتے ہیں اور جو رواج میں آگئے ہیں۔ کیونکہ خداوند اُنہیں پاک وصاف کیئے بغیر نہ چھوڑیگا (ٹامس گارڈن)

لیکن اگرچہ یہ قاعدہ نہایت عمدہ ہے تو بھی اس میں مستثنیات ہیں۔ کیونکہ خود یسوع نے اس قاعدے کو توڑا۔ ہمارے پاس اس امر کے جاننے کے لئے کافی ثبوت موجود نہیں کہ آیا اُس نے اپنے کام کے شروع میں اپنے مخالفین کے ساتھ زیادہ عزّت و لحاظ سے برتاؤ کیا یا نہیں۔ لیکن اپنی زندگی کے اختتام کے قریب اُس نے زیادہ تندی اور سختی سے اُن کی پردہ دری کی اور آخرکار اُس نے فریسیوں اور فقیہوں اور کاہنوں پر لعنت ملامت کی ایسی سخت بوچھاڑ کی جو اپنی سختی اور دنداں شکنی کے لحاظ سے بے مثل ہے۔ (متی ۲۳ باب) ٭

فی الواقع جو کچھ ہم اشخاص کے مزاج و خصلت کی نسبت خیال رکھتے ہیں اُسی کے مطابق ہم اُن کی رائوں کی قدر و منزلت کرتے ہیں۔ گو ہم اُن کو پبلک میں ظاہر نہ بھی کریں تو بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے دل میں اپنے مخالف کی نسبت ایسی باتیں بھری ہوں جن کے سبب اُس کے خیالات کی ہمارے نزدیک کچھ وقعت باقی نہ رہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بڑے اعتماد کے ساتھ مذہبی مطالب پر لکھتا یا تقریر کرتا ہو مگر ہم اُس کی نسبت جانتے ہوں کہ وہ درحقیقت بالکل لامذہب اور بے دین آدمی ہے اور اس لئے اُس قوّت سے بے بہرہ ہے جس پر ایسے معاملات کی معرفت کا مدار ہے۔ اور گو کہ وہ سچّائی سے واقف بھی ہو اُس کے ظاہر کرنے کا حوصلہ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ ہر ایک بات میں خود اُسی کو مجرم ٹھیرائیگی۔ بعض حالات میں اس امر کو عوام پر ظاہر کر دینا ہمارا فرض ہے۔ یسوع اکثر یہودی معلموں سے کہتا تھا کہ اُن کے لئے اُس کی باتوں کو سمجھنا ناممکن ہے کیونکہ وہ سچّائی کے ساتھ اخلاقی ہمدردی نہیں رکھتے تھے اور کاہن اور فریسی کی ذاتی اغراض بھی اُسی ریاکارانہ دستور اور طریق سے وابستہ تھیں جس کو محفوظ رکھنے کے لئے انہوں نے یہ سب دلائل اور تاویلات

گھڑ رکھی تھیں۔ ایسی صورتوں میں ہماری تمیز کا غلطی کھا جانا ممکن ہے۔ مگر مسیح اپنی تمیز پر پورا بھروسہ کر سکتا تھا۔ اور آخر کار اُس نے اپنے مخالفین کے سارے اختیار اور اعتبار کو اُن کے اصلی کرتوت ظاہر کر کے خاک میں ملا دیا۔

۵

تاہم یسوع مباحثے اور مناظرے کی گرمی میں بھی۔ اگر مخالف میں کچھ بھی صاف دلی کا نشان پاتا تو اس بہتر مزاج کو ظاہر و قبول کرنے کے لئے ٹھیر جاتا۔

اُس کی زندگی میں ایک دن نہایت سخت جدوجہد کا دن تھا جس پر انجیل نویسوں نے بہت توجہ کی ہے۔ یہ دن اُس کے دُکھ اُٹھانے سے پہلے اُس کی زندگی کے آخری ہفتے میں تھا۔ جب کہ اُس کے دشمنوں نے اُس کو پسپا کرنے کے لئے ایک خوفناک جتھا بنایا۔ فقیہ اور فریسی تو وہاں تھے ہی۔ اب صدوقی بھی جو اس وقت تک اُس کی طرف سے بے پروا رہے تھے اُن کے ساتھ آ ملے۔ بلکہ فریسی اور ہیرودیسی بھی جو عموماً ایک دوسرے سے نفرت رکھتے تھے اس مشترکہ غرض میں شریک ہو گئے۔ اُنہوں نے پہلے ہی سے اپنے درمیان دو سوال ٹھان رکھے تھے جن سے اُسکو پھنسانے کی ٹھیرائی تھی۔ اُنہوں نے اپنے مددگاروں اور اپنی طرف سے بولنے والوں کو بھی چن لیا تھا اور یکے بعد دیگرے اُنہوں نے ہیکل میں اُس پر حملے کرنے شروع کر دئیے۔ مگر اُن کے لئے وہ شکست اور ذلّت کا دن تھا۔ کیونکہ اُس نے اُن کا ایسا مُنہ بند کیا کہ لکھا ہے کہ "کوئی اُس کے جواب میں ایک بات نہ بول سکا۔ اور اُس دن سے کسی کا ہیاؤ نہ پڑا کہ اُس سے پھر کچھ سوال کرے"۔

مگر اس جوش انگیز موقعے کے عین درمیان میں ایک مناظر اُٹھ کھڑا ہوا جس کے ساتھ یسوع بالکل مختلف طور سے پیش آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو مسیح کا بہت تھوڑا حال معلوم تھا۔ شاید وہ اُس کی نسبت صرف اتنا جانتا تھا کہ لوگوں میں اُس کا بڑا چرچا ہے۔ مگر وہ ایک فقیہ تھا اور چونکہ اُس کے فرقے کے لوگ مسیح پر حملہ کر رہے تھے۔ اس لئے اُس کو بھی اُن کے ساتھ شریک ہونا پڑا۔ اُس نے بھی اُس کو لوگوں کا گمراہ کرنیوالا سمجھا جس کو پسپا کرنا مناسب ہے اور وہ اُن کے ہمراہ اسی غرض سے چلا آیا تھا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ اُس کی باری آئے جو جواب اُس نے یسوع کی زبان سے سُنے اُن سے اُس کا جی ہل گیا۔ کیونکہ وہ صحیح جواب تھے اور اُن سے اُن خیالات کی تائید نہیں ہوتی تھی جو وہ مسیح کی نسبت اپنے دل میں رکھکر وہاں آیا تھا۔ کچھ کچھ اُس کے سوال کی طرز سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اس امر کا اقرار کیا۔

سوال تو فی الحقیقت اونٹ سا تھا۔ کہ "سب سے اوّل حکم کونسا ہے؟" یہ اُن مسائل میں سے ایک تھا جس پر ربیوں کی مجلسوں میں بہت کچھ منطق چھانٹا جاتا تھا۔ اور غالباً اُس آدمی کے دل میں یہ خیال تھا کہ وہ اس مسئلے میں دوسرے ربیوں پر سبقت رکھتا ہے۔ مگر یسوع نے اُس آدمی کی صورت یا طور میں کوئی ایسی بات دیکھ لی تھی جو اُسے خوش آئی۔ اور بجائے اس کے کہ اُس کو بھی جواب ترکی بترکی دیکر دم بخود اور ذلیل کرے جیسا اُس نے اَوروں کے ساتھ کیا تھا۔ اُس نے اُس کے سوال کا کامل اور سنجیدہ جواب دیا کہ "سب حکموں میں سے اوّل حکم یہ ہے کہ اے اسرائیل سُن۔ وہ خداوند جو ہمارا خدا ہے ایک ہی خداوند ہے۔ اور تو خداوند کو جو تیرا

خدا ہے۔ اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری جان سے اور اپنی ساری عقل سے اور اپنے سارے زور سے پیار کر۔ اوّل حکم یہی ہے اور دوسرا جو اُس کی مانند ہے یہ ہے کہ تُو اپنے پڑوسی کو اپنے برابر پیار کر۔ ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں ہے"۔

ہمارے لئے تو یہ تعلیم ایک معمولی بات ہے اور اُس کے سُننے سے ہمارے دل پر کچھ بڑا اثر نہیں ہوتا۔ مگر اس امر کا تصوّر کرنا مشکل نہیں کہ اِس بات نے کیسی قدرت و عظمت کے ساتھ اُس شخص کے ذہن پر تاثیر کی ہوگی جس نے اُس کو پہلی دفعہ سُنا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب کو سُن کر اُس شخص نے وہ مخالفانہ ڈھنگ چھوڑ دیا اور بالکل اخلاقی سنجیدگی اختیار کی۔ اس جواب نے نہ صرف اُس کی حجّت کو توڑ ڈالا بلکہ اُس کے وجود کے دروازہ دل کو کھول کر سیدھا اُس کے ضمیر میں جا کر لگا جہاں سے فی الفور گونج کی طرح یہ جواب نکلا "کیا خوب۔ اے استاد۔ تو نے سچ کہا۔ کیونکہ خدا ایک ہے۔ اُس کے سوا اور کوئی نہیں اور اُس کو سارے دل سے اور ساری عقل سے اور ساری جان سے اور سارے زور سے پیار کرنا اور اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبّت رکھنا سب سوختنی قربانیوں اور ذبیحوں سے بہتر ہے"۔

یہ ایک نہایت شریفانہ جواب تھا۔ یہ شخص اُس کام کو جس کے لئے آیا تھا بھول گیا۔ اپنے ہمراہیوں کو اور نیز وہ بات جس کی وہ اُس سے اُمّید کرتے تھے اُس کو بھی بھول گیا۔ اور جو کچھ اُس کے دل میں تھا کہہ اُٹھا اور اس طور سے مسیح کی اخلاقی عظمت کے سامنے سرِ نیاز جُھکا دیا۔ یسُوع نے اِس تبدیلی کو بڑے اندرونی اطمینان و خوشی کے ساتھ ملاحظہ کیا اور پھر اُس سے فرمایا۔ کہ "تُو خدا کی بادشاہت سے دُور نہیں"۔

یہ ایک بڑا بھاری نمونہ ہے۔ مناظرے میں مخالفین پر بلا امتیاز و تفریق اور بیرحمی سے حملہ کرنا اُن کو مخالفت میں ثابت قدم بنا دینا ہے حالانکہ نرمی و ملائمت سے اُن کو اپنے سے ملا لینا ممکن ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ بعض اشخاص ظاہراً مسیحی مذہب کے سخت مخالف نظر آئیں لیکن دل میں بالکل اُس کے قریب ہوں۔ یہ بھی مسیحی رُوح کا کام ہے کہ اس ہمدردی کو دریافت کرکے اُن کو اُس کے اظہار پر برانگیختہ کرے۔ لوگوں پر یہ ثابت کر دینا کہ وہ آسمانی بادشاہت سے باہر ہیں ایک آسان بات ہے۔ لیکن اُن پر یہ واضح کر دینا بہت ہی بہتر ہو گا کہ وہ اُس کی دہلیز سے چند ہی قدم پر کھڑے ہیں۔ بحث و حجت میں کامل فتح حاصل کرنے سے شائد ایک جسمانی طبیعت والے آدمی کو خوشی ہو تو ہو۔ لیکن زیادہ تر وہ شخص اُستاد کے مشابہ ہے جو حتی الامکان نرمی و ملائمت سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لاتا ہے۔

۱۶

مسیح کا نمونہ دردمندی میں

متی ۸ : ۱۷
" ۹ : ۳۶
" ۱۴ : ۱۴
" ۱۵ : ۳۲
" ۲۰ : ۳۴
مرقس ۱ : ۴۱
" ۴ : ۳۳
لوقا ۷ : ۱۱-۱۵

متی ۸ : ۱۰
" ۹ : ۲ و ۲۸
" ۱۱ : ۶
" ۱۳ : ۵۸
" ۱۴ : ۳۱
" ۱۵ : ۲۸
" ۲۶ : ۱۳ و ۳۸
مرقس ۶ : ۵ و ۶
" ۸ : ۱۲
لوقا ۷ : ۹
" ۱۷ : ۱۷

متی ۱۶ : ۲۳
" ۱۷ : ۱۷
" ۲۶ : ۵۰ و ۵۵
مرقس ۱ : ۲۵
" ۳ : ۵
" ۱۵ : ۳ و ۵
لوقا ۴ : ۳۵ و ۳۹-۴۱
یوحنا ۱۱ : ۳۳-۳۸

متی ۲۷ : ۳۴
مرقس ۱۰ : ۱۳-۱۶ و ۲۱
" ۱۲ : ۳۴
لوقا ۱۰ : ۲۱
" ۱۹ : ۴۱
یوحنا ۸ : ۱-۱۱
" ۱۲ : ۲۷
" ۱۳ : ۲۱
" ۲۰ : ۱۶ و ۱۷

متی ۸ : ۴
" ۹ : ۳۰
" ۱۲ : ۱۶
" ۱۴ : ۲۲
" ۱۶ : ۲۰
" ۱۷ : ۹
مرقس ۷ : ۲۴ و ۳۶
" ۸ : ۲۶ و ۳۰
یوحنا ۵ : ۱۸
" ۶ : ۱۵

سولھواں باب

مسیح کا نمونہ دردمندی میں

زمانۂ حال میں حیات المسیح پر اس قدر علمیت خرچ کی گئی ہے اور اُسکے تذکرے کے ہر ایک ذرّے کی ایسی چھان بین ہوئی ہے کہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آیا صرف انسانی ذہن اب اس مضمون میں کوئی نئی بات دریافت کر سکتا ہے؟ تاہم ابھی اُس کی دردمندی یا حسّات کی الہیانہ طاقت پر غور و فکر کرنے کی بہت کچھ گنجائش باقی ہے۔ یسوع جیسا کلام میں دانشمند اور فعل میں قادر تھا ویسے ہی اُس کی حسّات[1] نہایت نازک اور شائستہ تھیں اور اُس کے رویّے کے اغراض و مقاصد اکثر سوائے ایسے اشخاص کے جو اُسی درجے کی حسّات رکھتے ہیں کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ اُس نے بنی انسان کو

---

[1] اس کی ایک نہایت عمدہ مثال ایک مشہور مصنّف کی کتاب میں پائی جاتی ہے جہاں وہ ہمارے خداوند کے رویّے پر بحث کرتے ہوئے جو اُس نے زانیہ عورت کے اُس پاس لائے جانے کے وقت اختیار کیا یوں لکھا ہے "اُس نے جُھک کر زمین پر لکھا"۔ (یوحنا ۸ : ۸)۔ بھلا اُس نے کیوں ایسا کیا؟ اس لئے کہ اُس کو ایسی گندی بات سُننے سے شرم آئی۔ اُس کو ایک ناقابل برداشت شرم و حیا کے خیال نے آگھیرا۔ وہ جماعت سے آنکھ نہ ملا سکا نہ اُس کے الزام لگانے والوں سے

نازک اور لطیف حسّات رکھنا سکھلایا اور اُس کے دُنیا میں آنے کے وقت سے ایسے اشخاص کی تعداد ترقّی کرتی رہی ہے جنہوں نے اُس سے بچّہ اور عورت - افلاس اور خدمت اور اَور بہت سی باتوں کی نسبت بہ نسبت اُنکے جو اُس کی آمد سے پہلے مروّج تھے نہایت ہی مختلف خیالات رکھنا سیکھا ہے*

اناجیل میں ایسے بے شمار واقعات کا ذکر درج ہے جن سے اُسکی حسّات پر بہت اثر پیدا ہوا - لیکن صرف ایک واقعہ یعنی یائرس کی لڑکی کا زندہ کرنا جس میں اُس کے دل کی حسّات صاف طور پر نظر آئیں - اس مطلب کی تشریح کرنے کے لیئے کافی ہوگا *

ا

اُس کا رحم اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے :-

یہ ایک ایسے شخص کا معاملہ تھا جس کی اکلوتی لڑکی قریب المرگ پڑی تھی اور اُس نے جیسا کہ مقدس مرقس لکھتا ہے اُس کے لیئے یسوع سے بڑے زور سے التجا کی - یسوع کا دل ایسی درخواست کو سن کر کب باز رہ سکتا تھا ؟ ایک ایسے ہی اَور واقعہ میں (یعنی نائن کی بیوہ جس کا اکلوتا بیٹا مر گیا تھا) یہ لکھا ہے کہ جب اُس نے اُسے جنازے کے پیچھے پیچھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۰) اور شاید اُس وقت اُس عورت سے بھی نہیں - اس لیئے اُس نے اس گھبراہٹ میں اپنا منہ چھپانے کے لیئے اپنے سر کو جھکالیا اور اپنی اُنگلی سے زمین پر لکھنا شروع کیا ۔ جو شخص اس بیان کو پڑھیگا ضرور اُس کو سچا مانیگا - وہ آفتاب کی طرح روشن ہے اور جب پہلی بار اُس کو پڑھتے ہیں تو اُس سے ایک فرحت بخش حیرت سی پیدا ہوتی ہے *

وہی مصنف پھر لکھتا ہے کہ "جو اثر یسوع پر اُسوقت ہوا ایسا ہے کو اُس کے زمانے کے بعد بہت سے آدمیوں پر پیدا ہوا ہے مگر شاید اُس کے زمانے سے پہلے مشکل سے کسی آدمی پر ہوا ہوگا *

آتے دیکھا تو اُس نے اُس پر ترس کھایا اور اُس سے کہا "مت رو"۔ اُس نے نہ صرف اُس کو اس حالت میں مطلوبہ امداد دی بلکہ وہ مدد ایسی ہمدردی کے ساتھ دی جس سے اُس کی قیمت دوبالا ہوگئی۔ اسی طرح اُس نے نہ صرف لعاذر کو جلایا بلکہ اُس کی بہنوں کے ساتھ اُس کی وفات پر گریہ وزاری بھی کی۔ بہرے آدمی کا علاج کرتے ہوئے جب اُس نے افتّاح (یعنی کھُل جا) کہا تو اُس کے ساتھ ٹھنڈی سانس بھی لی۔ اپنے تمام معالجے کے کام میں وہ بیماروں کے ساتھ دردمندی بھی کرتا تھا۔ اُس خادمِ دین یا طبیب میں جو ایک غمناک گھر میں صرف فرض سمجھکر جاتا ہے تاکہ یہ کہہ سکے کہ وہ وہاں گیا تھا۔ اور اُس میں جو اُس مصیبت زدہ گھر کی تکلیف و رنج کو اپنا بنالیتا اور اُس سے اُس کا دل گداز ہوتا بلکہ ٹوٹ جاتا ہے بہت فرق ہے۔

اس موقع پر مسیح کے دل میں اس امر سے اور بھی زیادہ اثر ہوا ہوگا کہ یہہ ایک بچّہ تھا جو بیمار تھا۔ اُس کا باپ اُسے "میری ننھّی لڑکی" کہکر پکارتا تھا۔ مسیح کی زندگی کے تمام نظّارے جن میں بچّے دیکھے پڑتے ہیں نہایت ہی اثر انگیز ہیں۔ اور یہ اُس کی دردمندی کی وجہ سے تھا کہ وہ ایسے خوبصورت اور دلکش معلوم ہوتے ہیں۔ جب ہم اُن پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اُسے جو باپ اور ماں کے دل میں ہے جانتا تھا بلکہ اُس نے انسانیت کے دل میں نئے کنوئیں کھودے اور پہلے کی نسبت بڑی گہرائیوں سے محبت کو نکال لایا۔ رسکن لکھتا ہے کہ یونانی فنِّ تصویر و سنگتراشی میں بچّوں کا نشان نہیں ملتا مگر مسیحی کے ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویروں میں وہ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جو ایک صاف علامت اس بات کی ہے کہ یہ مسیح کی آنکھ تھی جس نے پہلے پہل بچّوں کی دلفریبی کو پورے طور پر دریافت کرکے لوگوں

کو اُس سے واقف کر دیا ٭

۲

دوسرا جذبہ جو اس واقعہ میں یسُوع نے ظاہر کیا اثر پذیری ہے ٭

یائرس کی درخواست پر وہ اُس مقام کو جہاں وہ لڑکی تھی گیا لیکن راستے میں ایک قاصد اُنہیں ملا جس نے بیچارے باپ کو یہ خبر دی کہ کام تمام ہو چکا اور اب اُستاد کو زیادہ تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ اِس پر بغیر اس کے کہ اُس سے درخواست کی جائے یسُوع اُس کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔ "خوف نہ کر۔ صرف ایمان لا" ٭

اِس امر میں ہم کو اُس کے رحم کی ایک نئی مثال نظر آتی ہے لیکن یہ بات محض رحم سے کچھ بڑھکر ظاہر کرتی ہے۔ یسُوع پر اعتماد یا بے اعتمادی کے خیالات سے جو اُس کی نسبت لوگ رکھتے تھے بہت ہی اثر ہوتا تھا۔ اگر اُس پر اعتماد کیا جاتا تو اُس کا دل خوشی سے بھر جاتا تھا۔ اور وہ اپنی خوشی بلا تکلّف ظاہر کر دیتا تھا۔ اسی طرح جب ایک اور شخص نے جو کچھ کچھ یائرس کی سی حالت میں تھا مدد مانگی اور یہ یقین بھی ظاہر کیا کہ اگر یسُوع گو فاصلے پر ہے صرف ایک بات بھی کہہ دے بغیر اُس گھر میں جانے کے جہاں بیمار پڑا تھا۔ تو وہ اچھا ہو جائیگا۔ تو یسُوع یہ سُن کر ٹھیر گیا اور حاضرین کی طرف پھر کر بول اُٹھا کہ "میں نے ایسا بڑا ایمان اسرائیل میں بھی نہیں پایا" یائرس کا ایمان اگرچہ ایسا مضبوط نہیں تھا تو بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُسے خوش آیا۔ اور چونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس پر شک کا بادل چھا جائے۔ وہ بڑی آمادگی اور جلدی سے اُس کے گھر گیا تا کہ اُسے مضبوط کرے ٭

مگر اُس کو اس سے مختلف قسم کے حالات بھی پیش آتے تھے۔ اور اس سے

اُس کے دل پر بڑا گہرا اثر ہوتا تھا۔ اگرچہ کبھی کبھی وہ ایمان کی بڑائی پر تعجب کرتا تھا۔ مگر اس سے بھی زیادہ اکثر اوقات اُسے سخت بے ایمانی پر بھی تعجب کرنا پڑتا تھا۔ جب وہ خود اپنے ہی وطن میں گیا۔ تو وہاں اسی وجہ سے کوئی عظیم کام نہ دکھلا سکا۔ مخالفت نے اُس کے دل کو ایسا سرد کر دیا کہ اُس کی معجزے کی قدرت عمل سے رُک گئی۔ اُس کی بڑی بڑی مہربانیاں بھی بعض اوقات ناشکری سے قبول کی جاتی تھیں جیسے دس کوڑھیوں کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں سے صرف ایک ہی شکرگزاری کے لئے اُس کے پاس واپس آیا۔ جس پر اُس نے نہایت افسوس کے ساتھ پوچھا کہ "وہ نو کہاں ہیں؟"

۳

اس حسِ باطنی کی تیسری قسم جو اُس نے اس موقع پر ظاہر کی غصہ ہے۔ جب وہ گھر پر پہنچا تو نہ صرف اُس نے بچے کو مُردہ پایا بلکہ وہ مقام مرثیہ خوانوں اور رسمی ماتم کرنے والوں سے بھرا ہوا تھا۔ موت اگرچہ سب حادثات سے زیادہ سنجیدہ اور دردناک ہے۔ مگر بہت سے ممالک میں رسومِ ماتم کے سبب جو اُس سے ملحق ہو گئے ہیں اُسے بالکل بیہودگی کے درجے کو پہنچا یا گیا ہے۔ مگر کنعان میں یہ بات حد کو پہنچ گئی تھی۔ جونہیں کسی گھر میں کوئی قضا کرتا ماتم پیشہ لوگ ہر طرف سے گھِر آتے اور گھر کو واوئے واوئے اور مرثیہ خوانی کے شور و غوغا سے بھر دیتے۔ یسوع کے اُس مکان میں پہنچنے پر وہاں بھی یہی کچھ ہو رہا تھا۔ اور اُس کا امن پسند رُوح اس کو برداشت نہ کر سکا۔ اُس نے غصے کے ساتھ اُنہیں چُپ رہنے کو کہا۔ اور جب اُنہوں نے اُس کی بات نہ مانی تو اُس نے سب کو باہر نکال کر گھر کو خالی کر دیا۔

غصہ اگرچہ گناہ آلود غضب کے نہایت قریب ہے تو بھی بُرا نہیں بلکہ نیک ہے۔ یہ ایک شریف اور نیک طینت شخص کا نشان ہے۔ وہ رُوح جو انتظام۔ راستی۔ اور شرافت کو پسند کرتی ہے بد انتظامی۔ دورُخی۔ اور کمینگی پر غصہ ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ یسُوع کے غصے کا اکثر ذکر آیا ہے۔ کبھی وہ بیجا شور اور کھلبلی پر جیسا اس موقع پر بھی غصے میں آجاتا تھا۔ جب وہ دیووں کو نکالتا تو وہ غصے سے آسیب زدہ کے چیخنے چلاّنے پر ملامت کیا کرتا تھا۔ جب اُس نے طوفان میں ہوا اور لہروں کو تھمایا اُس وقت بھی اُس کے غصے کا ذکر ہے۔ شائد اِس وجہ سے کہ وہ اُس وقت ہوائی حکومت کے سردار سے مقابلہ کر رہا تھا۔ شیطان کی تمام سلطنت بد انتظامی کی سلطنت ہے اور اس طاقت کا ہر ایک ظہور دیکھ کر اُس کے دل میں خواہ مخواہ غصہ پیدا ہوتا تھا۔ اس سے ہم اُس غضبناک جوش کی عجیب تحریک کا مطلب سمجھ سکتے ہیں جو اُس نے لعاذر کی قبر کی طرف جاتے ہوئے ظاہر کی اُس کے دل کی حالت سے معلوم ہوتا تھا گویا وہ موت کی بربادیوں کے برخلاف غضب و انتقام کی آگ سے بھرا ہوا ہے[1]۔

---

[1] لعاذر کے زندہ کرنے کے تذکرے میں یسُوع کے جذبات کا ہم بہت ہی کامل اظہار دیکھتے ہیں جب وہ لعاذر کی قبر کی طرف گیا تو لکھا ہے کہ "اُس نے دل سے آہ ماری اور ماتم کیا" (یوحنا ۱۱: ۳۳) مگر یونانی میں جو الفاظ ہیں وہ اِس سے زیادہ سخت ہیں۔ پہلے لفظ کے معنے "آہ مارنا" نہیں بلکہ "غصہ یا ناراضگی یا غضب کو ظاہر کرنا ہے"۔ اور دوسرا لفظ اُس کے چہرے کی تبدیلی کو جو غصے کی وجہ سے ہوئی ظاہر کرتا ہے یعنی "اُس کا تمام جسم حرکت میں آیا اور معلوم ہوتا تھا کہ غضب و غصے کا ایک طوفان اُس پر جوش زن ہے"۔ مگر اس غصہ و غضب کا سبب کیا تھا؟ وہ دُنیا کی صورت پر نظر کر رہا تھا اور ہر کہیں اُس کو موت

اُس زمانے کی حالت جس میں وہ رہتا تھا اس خیال اور جذبے کے ظاہر کرنے کے لئے ایک خاص موقع مہیّا کرتی تھی۔ اس وجہ سے کہ یائرس کے گھر میں صرف ماتم پیشہ لوگ ماتم کرتے تھے جن کا دل اُس میں نہیں لگا تھا۔ اُس نے اُن کے ماتم کو بالکل ناپسند کیا۔ مگر یہودیہ کی کل سوسائٹی اُس زمانے میں بالکل ریاکاری مجسّم بنی ہوئی تھی۔ جو لوگ مقدّس عہدوں پر تھے وہ اپنی ہی بھلائی ڈھونڈتے تھے۔ دیندار لوگ آدمیوں کی تعریف حاصل کرنے میں لگے تھے۔ قوم کے معلّم بھاری بھاری بوجھ لوگوں کے کندھوں پر رکھتے تھے مگر خود ایک اُنگلی بھی لگانے کے روادار نہ تھے۔ اور پاک نوشتے لُوٹ مار اور ناپاکی کے لئے بطور ٹٹّی کی آڑ کے بنے ہوئے تھے۔ یسوع کے دل میں ان سب اُمور کے خلاف غضب کی آگ بھڑک رہی تھی اور اُس نے اپنے اِن خیالات کو اُس زمانے کے فرقوں اور لوگوں کے خلاف نہایت سخت اور چبھنے والے الفاظ میں ظاہر کیا۔

(بقیہ صفحہ ۲۶۲) کی بادشاہی نظر آتی تھی۔ تمام زمین اُس کی نظر میں موت کے سائے کی وادی تھی۔ اور اُن آنسوؤں میں سے جو اُس کے حضور میں بہائے گئے اُس نے دیکھ لیا کہ

زمانے کا سمندر دُکھ مصیبت جسکا ہے پانی نمک سے اشک انسانی کے بالکل ہوگیا کھاری

مگر یہیں بس نہیں۔ موت کے پیچھے ایک اَور خوفناک حقیقت نظر آتی تھی۔ نہ صرف گناہ جو "موت کا ڈنک ہے" بلکہ وہ جس کے ذریعے سے گناہ آیا۔ یعنی وہ جس کا بار بار انجیل میں "اس جہان کے سردار" کے نام سے ذکر ہوا ہے۔ اس لئے اگر ہم اپنے خداوند کے غصّہ و غضب کے معنی صحیح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں تو ہم کو اس موقع پر اُس کی نسبت یہ خیال کرنا چاہئے کہ گویا وہ اپنی بادشاہت کے بڑے دشمن سے مقابل ہوا ہے جو آدم کی نسل کا جسکو بچانے کے لئے وہ خود دُنیا میں آیا برباد کرنے والا ہے۔

یہ ایک پاک آگ تھی۔ یہ سچّائی کا شعلہ تھا جس کے سامنے جھوٹ جل جاتا ہے۔ یہ عدل کی آگ تھی جو بدی و شرارت کو برباد کرتی ہے۔ یہ محبت کی آگ تھی جو خود غرضی کو بھسم کر ڈالتی ہے۔ اکثر اوقات ریاکاری اور بناوٹ کے خلاف ایسی گرمجوشی سے جو ناپاک ہوتی ہے۔ جنگ شروع کی جاتی ہے۔ اکثر اشخاص ہجوگو یا عیب گیر کا کام اختیار کر لیتے ہیں جن کے اپنے دل پاک صاف نہیں ہوتے اور نہ اُن کا چال چلن اُن کے قول کے موافق درست ہوتا ہے۔ وہ اپنے بھائی کی آنکھ سے تنکے کو نکالتے مگر خود اُن کی آنکھ میں کانڑی ہوتی ہے۔ اُنہوں نے صرف غصّے کا لباس بھروپ بدلنے کے لئے پہن لیا ہے۔ مگر یہ لباس یسُوع پر ٹھیک سجتا تھا۔ اور وہ اُس کو بے مثل وقار کے ساتھ پہنتا تھا۔ اُس نے اُن کو جو اُسے پکڑنے آئے تھے کہا "کیا تم جیسے چور کے لئے میرے پکڑنے کو نکلے ہو" اُس نے اُس دغاباز سے کہا "یہوداہ کیا تو ابن آدم کو بوسہ سے پکڑواتا ہے؟" سردار کاہن پلاطوس اور ہیرودیس کے سامنے اُس کی خاموشی آتشیں الفاظ کی نسبت زیادہ فصیح البیان تھی۔ اُس نے یہ لباس ابھی تک اُتار نہیں پھینکا۔ آسمان میں اس وقت بھی "برّے کا غضب" بھڑک رہا ہے ✣

۴

ایک چوتھی قسم کا جذبہ جو یسُوع سے مخصوص تھا اور اس موقع پر ظاہر ہوا لطیف خیالی تھی ✣

ماتم پیشہ لوگوں کو نکال کر وہ نعش کے کمرے میں گیا جہاں وہ چھوٹی لڑکی بستر پر پڑی تھی۔ مگر وہ اکیلا اندر نہ گیا۔ نہ صرف تین شاگردوں کے

ساتھ جن کو وہ اپنے ہمراہ گھر میں لایا تھا۔ بلکہ اُس نے اُس لڑکی کے باپ اور ماں کو بھی اپنے ہمراہ لیا۔ اس لئے کہ اُن کو اس معاملے میں بڑا تعلق تھا اور اُن کا حق تھا کہ جو کچھ اُن کی لڑکی کے ساتھ ہو اُسے دیکھیں ۔

تب اُس نے پیشتر اس کے کہ اُس کو زندہ کرنے والے الفاظ کہے۔ اُسے ہاتھ سے پکڑا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جب وہ جاگے تو حیرت یا گھبراہٹ میں پڑ جائے۔ بلکہ ایک ہمدرد شخص کو اپنے پاس موجود دیکھ کر اُسکے دل کو ایک طرح کا اطمینان ہو۔ بہت لوگوں نے جوش کی گھڑی میں یا بیہوشی سے ہوش میں آتے ہوئے۔ اس امر کو معلوم کیا ہے کہ ایسے موقع پر ایک مضبوط ہاتھ سے پکڑے جانے یا ایک مطمئن صورت پر نظر کرنے سے کس قدر قوت ملتی ہے ۔

اس طرح اُس نے سب کچھ کامل احتیاط اور ہوشیاری سے کیا۔ نہ غور و تامّل سے بلکہ ایک لطیف حسّ کی قدرتی تحریک سے جس کی رہنمائی سے وہ ہر موقع پر ٹھیک ویسا ہی کرتا تھا جو اُس موقع کے مناسب ہوتا تھا۔ مگر پھر بھی اُس کی طبیعت میں لطافت و نفاست کے لئے کسی قسم کی سعی و کوشش نظر نہیں آتی تھی۔ ایک موجی یا بُزدلو طبیعت والے شخص میں بھاری نقص یہ ہے کہ وہ ایسے موقعوں پر حد سے بڑھکر بیٹھتا ہے۔ مگر مسیح کی حسّات کیسی صحیح اور مردانہ وار حالت میں تھیں۔ ان تمام نفیس افعال کے بعد یہ کیا۔ کہ "اُس نے انہیں حکم دیا کہ اُسے کچھ کھانے کو دیں " اسی طرح بیابان میں بہت دنوں تک منادی اور معالجہ کرنے کے بعد جس میں وہ نبوی گرمجوشی سے محو ہو رہا تھا خود اُس نے ہی یہ تجویز کی کہ اُس جماعت کو منتشر ہونے سے پہلے کھانا دینا چاہئے

تاکہ ایسا نہ ہو کہ راستے میں بھوک سے بیتاب ہو جائیں۔ شاگردوں کے دل میں جن کو بہت ہی کم شغل تھا۔ اس کا خیال تک بھی نہ آیا۔ وہ جیسا لطافت پسندی کے جذبے میں ویسا ہی لحاظ داری اور عمل شعاری کی صفت میں بھی اُن سے بڑھکر تھا ٭

۵

ایک اور قسم کی حسن جو خداوند نے اس موقع پر ظاہر کی حیا تھی ٭

جب وہ معجزہ کر چکا تو "اُس نے اُن کو تاکید کی کہ کوئی اُس کو نہ جانے" اپنی زندگی کے بہت سے عجیب عجیب کاموں کے بعد اُس نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ اُس نے اُس کوڑھی سے جسے اُس نے پاک کیا تھا کہا "دیکھ یہ کسی سے نہ کہنا" اُس نے دو اندھوں سے جن کو اُس نے آنکھیں دیں کہا کہ "دیکھو کوئی اس بات کو نہ جانے" وہ عموماً اُن سے جن میں سے وہ دیوؤں کو نکالتا تھا تاکید کیا کرتا تھا کہ اُس کو لوگوں پر ظاہر نہ کریں ٭

اسی قسم کے بیانات انجیل میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ لیکن میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کبھی کسی کو اُن کی صحیح طور پر تشریح کرتے نہیں سُنا۔ قسم قسم کی گہری عالمانہ تشریحیں کی گئی ہیں۔ مثلاً ایک اِس کی بابت یوں لکھتا ہے کہ اُس نے اُس آدمی کو جسے اُس نے چنگا کیا تھا اس بات کو ظاہر کرنے سے اس لئے منع کیا کہ ایسا نہ ہو اِس سے اُس کے دل میں شیخی پیدا ہونے سے اُسے ضرر پہنچے۔ دوسری صورت میں اِس لئے کہ اُس کی شہادت لوگوں کی نظر میں کچھ وقعت نہ رکھتی۔ تیسری صورت میں اس لئے کہ ابھی وقت نہ آیا تھا کہ وہ اپنے مسیح ہونے کا اقرار کرے۔ علےٰ ہذا القیاس ہمارے عُلما اس قسم کی وجوہات بیان کرتے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ ان میں بھی

کچھ سچائی ہو ۔

مگر وہ نہایت دقیق اور مبہم سی معلوم ہوتی ہیں۔ حالانکہ اصلی تشریح بالکل سطح ہی پر ہے۔ وہ صرف یہ ہے کہ گو وہ ایسا عجوبہ کار تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کے اچھے کام لوگوں میں مشہور ہوں۔ مقدس متی اس امر کو ایسے صاف طور سے بیان کرتا ہے کہ وہ کبھی نظر انداز نہیں ہونا چاہئے تھا۔ ایک موقعے کا ذکر کرتے ہوئے جب ایک بڑی جماعت کو چنگا کرنے کے بعد اُس نے انہیں تاکید کی کہ وہ اُسے مشہور نہ کریں۔ انجیل نویس لکھتا ہے کہ یہ اُس نے ایک پیشین گوئی کو پورا کرنے کے لئے کیا۔ جس میں لکھا ہے کہ "وہ جھگڑا اور شور نہ کریگا اور بازاروں میں کوئی اُس کی آواز نہ سُنیگا" خدا کا جو کام پبلک کے سامنے کیا جاتا ہے یہ اُس کی ایک سزا ہے کہ لوگ اُس کا تذکرہ کرنے لگ جاتے ہیں اور عوام النّاس تو اُس کا بہت ہی چرچا کرتے ہیں۔ ہم زمانۂ حال میں اس امر سے بخوبی واقف ہیں۔ کیونکہ اب کوئی بات مخفی نہیں رہنے پاتی۔ اور اگر کوئی شخص کوئی کام کرتا ہے جو معمول سے ذرا بھی بڑھ کر ہو۔ تو اُسکی زندگی کی ذرا ذرا سی باتیں بھی کھینچ کر عوام کی نظروں کے سامنے ظاہر کی جاتی ہیں۔ مگر یہ بات بالکل نیکی کے خاصّے کے خلاف ہے۔ بلکہ اُن کو بھی جو نہایت پاک کام میں مشغول ہوں معرضِ آزمائش میں ڈالتی ہے کہ وہ بجائے اس کے کہ عاجزی و فروتنی سے خدا کے حضور میں کام کریں لوگوں کی تعریف کے شائق ہو جاتے ہیں۔ یسوع اس بات سے نفرت کرتا تھا۔ اگر ہوسکتا تو وہ چھپے رہنے کو پسند کرتا۔ اُس کے لئے یہ ایک بھاری صلیب تھی کہ جس قدر وہ[۱] لوگوں کو تاکید کرتا تھا کہ اُسکی بابت کچھ نہ کہیں اُسی قدر زیادہ وہ اُسکی شہرت کرتے تھے۔

[۱] مگر تاہم بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو شہرت سے کسی بُری وجہ کے سبب پرہیز کرتے ہیں۔ یعنی یا تو

یسوع کا دل ایسا تھا۔ جیسا کہ ہم نے صرف ایک ہی کہانی کے مطالعے سے معلوم کیا ہے۔ زیادہ وسیع تحقیقات سے ہم اور بہت سی مثالیں جمع کرسکتے ہیں۔ لیکن یہ اُصول یا نشان جب ایک دفعہ ہاتھ آجائے تو ہم بہ آسانی اناجیل کے مطالعے میں اُس کا استعمال کرسکتے ہیں جن میں اس امر کے متعلق کہ مختلف موقعوں پر واقعات سے اُس پر کیا کیا اثر ہوا ایسے بے شمار بیانات درج ہیں کہ جس شخص نے اس امر پر کبھی غور نہیں کیا وہ ہمارے بیان کو مبالغہ سمجھیگا ✤

اُس اصلاح بخش اثر کا جو اُس کی صحبت سے اُس کے شاگردوں پر ہوا کھوج لگانا بھی مشکل نہیں ہے کہ کس طرح اُنہوں نے مختلف اشیا کی نسبت اُس کے سے خیالات رکھنے سیکھے۔ مسیحی دینداری سے بڑھ کر کوئی اصلاح بخش اثر نہیں۔ جہاں وفاداری سے انجیل کی تعلیم دی جاتی اور محبت سے اُس پر ایمان رکھا جاتا ہے وہاں رفتہ رفتہ لوگوں کے خدوخال پر ابنِ آدم کی مُہر لگتی جاتی ہے کیونکہ مسیح کی دوستی دل کو نرم اور ملائم بناتی ہے ✤

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۷) شیخی اور عالی دماغی کے خیال سے یا محض ایک قسم کی بزدلی کی وجہ سے کیونکہ کسی امر کے لئے جوابدہ ٹھیرائے جانے سے ڈرتے ہیں۔ برخلاف اس کے شہرت میں ایک حقیقی حظ بھی ہے جب کوئی آدمی کسی نیک معاملے میں فتحیاب ہونے کے سبب سے نہ کسی ذاتی فائدے کے خیال سے اُس میں خوش وخرم ہوتا ہے ✤

۱۷

مسیح کی تاثیر

متی ٧ : ٢٨
〃 ٨ : ٢٧
〃 ٩ : ٨ و ٢٦ و ٣١ و ٣٣
〃 ١٢ : ٢٣
〃 ١٣ : ٥٤
〃 ٢٢ : ٢٢ و ٣٣
مرقس ١ : ٤٥
〃 ٢ : ١ تا ٣ و ١٢
〃 ٧ : ٣٦ و ٣٧
〃 ٩ : ١٥
〃 ١٥ : ٥
لوقا ٢ : ٤٧ و ٤٨
〃 ٤ : ١٥ و ٢٢ و ٣٢ و ٣٦

متی ١٤ : ١ و ٢
مرقس ٤ : ٤١
〃 ١٠ : ٣٢
لوقا ٥ : ٨ و ٢٦
〃 ٢٣ : ٤٥ و ٤٨
یوحنا ١٨ : ٦

مرقس ١ : ٢٣ - ٢٧
〃 ٥ : ٦ و ٧
لوقا ٦ : ١١
〃 ١٣ : ١٤

متی ٢ : ١ - ٣
〃 ٣ : ١٣ و ١٤
〃 ٤ : ١٩ - ٢٢
〃 ٢٧ : ١٩ و ٥٥
مرقس ١ : ٣٧
〃 ٥ : ١٨
〃 ١٢ : ٣٧
لوقا ١ : ٤١
〃 ٨ : ٤٠
〃 ١١ : ٢٧
〃 ٢٢ : ٦١ و ٦٢
〃 ٢٤ : ٣٢
یوحنا ٦ : ٦٨
〃 ٧ باب

ستروال باب

مسیح کی تاثیر

گزشتہ باب میں ہم اُن اثرات کو دیکھ چکے ہیں جو اشخاص یا اشیا سے جن سے وہ ملاقی ہوتا تھا مسیح کے اثر پذیر دل میں پیدا ہوتے تھے۔ اس باب میں ہم اُن اثرات پر بحث کرتے ہیں جو وہ اپنی موجودگی یا افعال سے لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتا تھا۔ اگر اُس کی زندگی کے تذکرات میں اُن اثرات کے انواع اور گہرائی پر جو اُس پر پیدا ہوتے تھے بہت کچھ لکھا ہے تو یہ بھی کچھ حیرت بخش بات نہیں کہ اُن اثرات کا بھی جو اُس نے اوروں کے دلوں میں پیدا کئے بہت کچھ بیان ہے ؛

بوڑھے شمعون نے جب یسوع کو حالتِ طفلی میں ہیکل کے اندر اپنی گود میں لیا تو یہ پیشین گوئی کی کہ اُس سے ملنے سے بہت دلوں کے خیال ظاہر ہو جائینگے اور یہی بات اُس کی بعد کی زندگی میں نہایت صاف طور پر نظر آتی ہے۔ کوئی شخص اُس کے پاس آکر بے پروائی کی حالت میں نہیں رہتا تھا۔ خواہ وہ اُسے پیار کریں یا حقیر جانیں۔ خواہ اُس کی تعریف کریں یا بُرا بھلا کہیں۔ مگر ہر صورت میں انہیں جو کچھ اُن کے دل کی تہ میں تھا

دکھلانا پڑتا تھا۔ تالمود میں ایک حکایت لکھی ہے کہ سلیمان بادشاہ کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس پر اسمِ اعظم لکھا تھا۔ اور جس شخص کی طرف وہ اُس نقش کو پھیر دیتا تھا اُسے مجبوراً وہی بات جو اُس وقت اُس کے خیال میں ہوتی کہنی پڑتی تھی۔ ایسے ہی یسوع صرف لوگوں کے درمیان موجود ہونے سے اُن کے نہایت گہرے خیالات اور حسیات کو باہر نکال لاتا تھا اور اُن کی عمدہ سے عمدہ یا بُری سے بُری بات جو اُن کے دل میں چھپی ہوتی تھی ظاہر ہو جاتی تھی ۔

۱

جو تاثیر انجیل کی تحریر کے موافق وہ زیادہ عام طور سے لوگوں میں پیدا کرتا تھا وہ تعجب تھا۔ "وہ حیران ہوئی"۔ "انہوں نے تعجب کیا"۔ "وہ دنگ رہ گئے"۔ اس قسم کے فقرات اکثر اُس کی زندگی کے تذکروں میں پائے جاتے ہیں۔ بعض اوقات وہ اُس کی تعلیم سے متعجب ہوتے تھے۔ یعنی اُس کی خوش بیانی۔ طبعزادی۔ اور پُرزور تاثیر سے یا اُس کی اعلےٰ علمیت سے باوجودیکہ اُس نے کبھی تعلیم حاصل نہ کی تھی۔ مگر اس سے بڑھکر اُن کو اُس کے معجزے دیکھ کر تعجب ہوتا تھا۔ لوگ دوڑ دوڑ کر اُس مقام کی طرف آتے تھے جہاں وہ معجزہ کرتا تھا۔ وہ جو اُس کے ہاتھ سے شفا پاتے اُس امر کی جو اُن پر واقع ہوا دُور دُور تک شہرت پھیلاتے تھے۔ اور جہاں کہیں وہ جاتا اُس کے گرد اگرد شہرت کا بادل چھا جاتا ۔

اگرچہ اس قسم کی تاثیر عموماً لوگوں کے دلوں پر پیدا ہو جاتی تھی مگر یہ ہرگز بہت قابل قدر نہ تھی۔ وہ خود اِسے اپنے کام کا ایک ناپسند لوازمہ سمجھتا تھا۔ اُس کی رُوح جماعت کے اصرار اور تقاضے سے جھجکتی تھی۔ اور

وہ اُن کے اوپرے دل کی مدح سرائی کو خوب جانتا تھا۔ صرف ایک فائدہ تھا جس کی وجہ سے وہ اس لوازمے کو روا رکھتا تھا اور وہ یہ تھا کہ اس کے ذریعے سے اور لوگوں کے ساتھ ایسے بھی آجاتے تھے جو فی الحقیقت اُس کے خواہاں ہوتے اور جن کا وہ خواہاں تھا۔ جیسا کہ وہ عورت جو اُس وقت جبکہ وہ یائرس کے گھر کو جا رہا تھا ایک بڑی بھیڑ میں اُس کے پیچھے سے آئی اور اُس کے کپڑے کا دامن چھُوا تاکہ چنگی ہو جائے۔ بھیڑ اُس پر اُمڈ رہی تھی اور کچھ شک نہیں کہ اِس گتھم گتھا میں بہت اُس کے بدن کو بھی چھوتے ہونگے۔ لیکن ان کو اس مماس سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہ ہوا۔ مگر وہ عورت اپنی اشد ضرورت کی حالت میں کانپتے ہوئے ایمان کے ساتھ آئی۔ اور ایک ہی دفعہ چھونے سے تاثیر اُس میں سے نکلی اور وہ چنگی ہو گئی۔ لیکن اگر یہ بھیڑ نہ ہوتی تو مشکل سے وہ وہاں تک پہنچتی۔ کیونکہ اس شور و غوغا سے اُس کو خبر ہوئی کہ وہ وہاں ہے۔ یا کم سے کم اس بھیڑ کے سبب سے اُس کو چھونے کا موقع ملا۔

اب بھی یہی فائدہ اُن بہت سی رُکاوٹوں کی تلافی کر سکتا ہے جو مختلف اشکال میں مذہب کے متعلق افواہیں اُڑنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ جوش و خروش بطور گھنٹے کے ہے جو اپنی آواز سے اُن اشخاص کو جو مسیح کے حاجتمند ہیں گرجے میں بُلاتا ہے۔ مشہور واعظوں کی آمد پر اُن کی شہرت ہر طرف پھیل جاتی ہے اور لوگ جھُنڈ کے جھُنڈ اُن کی باتیں سُننے کو جمع ہوتے ہیں۔ جب ایک مؤثر واعظ ظاہر ہوتا ہے یا مذہبی خیالات لوگوں کے درمیان حیات تازہ حاصل کرنے لگتے ہیں تو اُس علاقے کے لوگ تعجب سے بھر جاتے ہیں۔ یہ شور و غوغا بہت کچھ بالکل بیہودہ

ہوتا ہے مگر اُس میں سے بہت کچھ فائدہ نکل سکتا ہے۔ جب بڑی بھیڑ
جمع ہو جاتی ہے تو اُن میں کہیں کہیں ایسے شخص بھی ہوتے ہیں جو چھوتے
ہیں۔ جماعت بڑبڑاتی اور بھنبھناتی گرجے میں سے نکلتی ہے مگر اُن میں
سے کوئی نہ کوئی تنہائی کی تلاش میں بھیڑ کو چیرتا ہوا نکل جاتا ہے جو فی الحقیقت
وہاں سے کوئی برکت اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔

۲

بعض اوقات یہ تعجب بڑھ کر خوف میں بدل جاتا تھا۔ چنانچہ جب اُس نے
طوفان کے وقت سوتے سے اُٹھکر ہوا اور لہروں کو ملامت کی تو لکھا ہے
کہ "وہ بہت ڈر گئے"۔ اور جب اُس نے نائین کی بیوہ کے بیٹے کو زندہ کیا
تو "سب پر خوف چھا گیا"۔

کتابِ مقدس کے دوسرے مقامات سے بھی مستنبط ہوتا ہے کہ معجزوں
کے دیکھنے کا یہ قدرتی نتیجہ تھا۔ جب لوگ اپنے سامنے ایک معجزہ ہوتا دیکھتے
تھے تو اُس سے خواہ مخواہ خیال گزرتا تھا کہ قادر مطلق یہاں حاضر ہے اور
خدا کے ہر ایک بیّن ظہور کو دیکھکر ضرور خوف و دہشت پیدا ہوتی ہے۔ دفعتہً
بادل کی گرج کی بلند آواز سننے سے رُوح پر ایک قسم کا رعب اور ہیبت
چھا جاتی ہے۔ اور جن لوگوں نے بھونچال دیکھا ہے اُن کو بیان کرتے
سُنا ہے کہ اُس سے ایک قسم کی عجیب تحریک جو قوتِ ارادی کے قابو
سے باہر ہوتی ہے طبیعت میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اُس وقت ایسا محسوس
ہوتا ہے کہ گویا ہم ایک لامحدود طاقت کے اختیار میں بالکل عجز و لاچاری
کی حالت میں پڑے ہیں۔ وہ جو یسوع کو معجزہ کرتے دیکھتے تھے محسوس کرتے
تھے کہ اُس میں ایسی چیز ہے جو اُن کے یا عام قدرتی اشیا کے ساتھ

جو کچھ چاہے کر سکتی ہے - یہ اُس کی اندرونی باطنی اُلوہیت کا دُھندلا سا تصوّر تھا جس سے اُن کے دل میں ایسی دہشت پیدا ہو جاتی تھی ؎

مگر دیگر اوقات میں جو خوف اُس سے پیدا ہوتا تھا وہ اُس کی انسانی خصلت کی عظمت کی وجہ سے ہوتا تھا۔ اور ہم کو یسوع کی اخلاقی عظمت کا اس سے بڑھکر صاف اور صحیح نشان نہیں مل سکتا۔ جو اُن اثرات پر غور کرنے سے ملتا ہے جنہیں وہ اپنی زندگی کے بڑے بڑے موقعوں پر دوسروں کے دلوں پر پیدا کرتا تھا۔ گتسمنی کے دروازے پر جب وہ اُس جماعت سے جو اُسے گرفتار کرنے کو آئی تھی دوچار ہوا تو اُس رُوحانی کشمکش اور تجربات کے نشان جو ابھی باغ میں اُس پر واقع ہوئے تھے اُس کے چہرے پر نظر آتے تھے اور اُس کی اس دردناک اور مستغرق حالت کا اثر بڑا عجیب تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "اُسے دیکھکر وہ پیچھے ہٹے اور زمین پر گر پڑے"۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی زندگی کے گزشتہ چھ ماہ کے عرصے میں اپنی آئندہ مصیبت پر غور کرنے کی وجہ سے اُسکی صورت سے ہمیشہ ایک رعب ناک جلال برستا تھا۔ اُس کے مقصد کی بزرگی نے گویا اُس کے خطّ و خال کو نکیلا کر دیا تھا۔ اُسکا قامت سیدھا اور اُس کی رفتار تیز ہو گئی۔ اور بعض اوقات جب وہ اپنے خیالات میں غرق راہ میں بارھوں سے آگے بڑھ جاتا تو لکھا ہے کہ "تب وہ حیران ہوئے۔ اور پیچھے چلتے چلتے بہت ڈر گئے" ؎

تاہم اس سے بھی پہلے اُس کے منسٹری کے پُرامن آغاز کے زمانے میں بھی اُس کے اس طاقتور اخلاقی جلال کے ظہور نظر آتے ہیں۔ جب اُس نے اپنے نبوی الہام کے پہلے جوش میں ہیکل میں سے

خرید و فروخت کرنے والوں کو باہر نکال دیا تو وہ بھلا کس وجہ سے ایسے بے حواس ہو کر اُس کے سامنے سے بھاگے۔ یہ بہت تھے اور وہ صرف تن تنہا تھا۔ یہ دولتمند اور با اثر آدمی تھے وہ صرف ایک غریب کسان تھا۔ مگر اُس میں وہ بات تھی جس کے مقابلے کا اُن کو کبھی حوصلہ نہ تھا۔ اُنہوں نے اُس وقت محسوس کیا کہ نیکی کیسی دہشت ناک چیز ہے غضبناک پاک دامنی میں ایک جلال ہے جس کے سامنے اعلےٰ سے اعلےٰ گنہگار بھی دبکتا ہے۔ مجھے ایک نوجوان کا حال معلوم ہے جو دیہات سے آکر ایک اوفس میں نوکر ہوا جہاں روزانہ بات چیت ایسی ناپاک اور فحش تھی کہ بازاری بھی اُس سے شرما جاتے۔ مگر اُس کی آمد کے ایک مہینہ بعد کوئی شخص اُس کی موجودگی میں ناپاک لفظ مُنہ سے نکالنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ حالانکہ اُس نے مشکل سے کبھی ملامت کا ایک کلمہ زبان سے نکالا ہوگا۔ یہ صرف اُس کی مردانہ نیک دلی کی عظمت تھی جس نے بدچالی کا سر نیچا کردیا ۔

۳

جو خوف یسوع کی حضوری سے پیدا ہوتا تھا بعض اوقات وہ بڑھ کر نفرت کے درجے کو پہنچ جاتا تھا۔ جو خوف اُسے دیکھکر پیدا ہوتا تھا وہ ایک محدود چیز کا خوف تھا جو لا محدود کے قابو میں ہو۔ مگر وہ جو شاہ مطلق کے ہاتھ میں اپنے تئیں عاجز و ناچار معلوم کرتے تھے ساتھ ہی اپنے کو ایک ہمہ جا حاضر اور قدوس شخص کی نظر کے سامنے بھی معلوم کرتے تھے ۔ جیسے کہ جاہل آدمی جاہلوں کی صحبت میں بلا تکلف باتیں کرتے ہیں لیکن اگر عالموں کے سامنے حاضر کئے جائیں تو اُن کی زبان لڑکھڑاتی

اور وہ اپنی آواز سے بھی ڈرنے لگتے ہیں۔ یا جیسے ایک فقیر جو اپنے چیتھڑوں سے جب وہ اپنے ہمجنسوں کے درمیان ہو بے پروا ہوتا ہے اگر خوش لباس اشخاص کے حضور ایک نہایت آراستہ گول کمرے میں حاضر کیا جائے تو دفعتہً اپنے کوٹ کی ہر ایک تھیگلی اور اپنے پھٹے پُرانے کپڑوں کے ہر ایک سوراخ سے باخبر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب انسانی رُوح بے داغ پاکیزگی سے دوچار ہوتی تو اپنی حالت پر نظر کرتی اور اپنے تمام نقصوں سے خبردار ہو جاتی ہے۔ یہی بات تھی جس کے سبب مُقدّس پطرس نے معجزے کے ذریعے سے مسیح کا جلال دیکھکر توبہ کے طور پر اپنے ہاتھ اُٹھائے اور یسوع سے چلا کر کہنے لگا کہ "خداوند مجھ سے دُور ہو۔ کیونکہ میں گناہگار آدمی ہوں"۔ اور اسی وجہ سے گدرینیوں نے جب وہ معجزہ دیکھا جو یسوع نے اُن کے درمیان کیا تھا تو التجا کی کہ وہ اُن کے علاقے سے چلا جائے۔ اُن کے دلوں میں بھی وہی نفرت پیدا ہو گئی جو مجرم کو پاک آدمی سے ہوتی ہے۔

فوسٹ نامی مشہور ناٹک میں مارگریٹ جو عفیفہ باکرہ لڑکی ہے مفسٹوفیلیز (شیطان) کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتی اگرچہ وہ اُس وقت ایک نائیٹ (شہسوار) کے لباس سے ملبّس تھا اور اُس کو ذرا بھی خیال نہ تھا کہ وہ شخص درحقیقت کون ہے۔ اُس کے دل میں فقط طبعی طور پر اُس سے نفرت پیدا ہو گئی۔ اور وہ کہنے لگی کہ "میری زندگی میں کبھی کسی چیز نے میرے دل میں ایسی خلش پیدا نہیں کی جیسی اس شخص کی نفرت انگیز صورت نے"۔ مگر مسیح کی حضوری سے اس سے بالکل برعکس اثر پیدا ہوتا تھا۔ ناپاک لوگوں کے دل میں اُسے دیکھکر

ایک نفرت سی اور اُس کے پاس سے بھاگ جانے کی خواہش پیدا ہوتی تھی۔ جب اُس نے شرم کے مارے اپنا سر جھکا کر زمین پر لکھنا شروع کیا اُس حالت میں کہ زانیہ عورت اُس کے سامنے کھڑی تھی تو اُس عورت کے الزام لگانے والوں نے بھی کچھ یونہی سا معلوم کرکے کہ اُس وقت اُس کے دل میں کیا گزر رہا ہے خوف کھایا اور "وہ دل ہی دل میں آپ کو گناہگار سمجھکر بڑوں سے لیکر چھوٹوں تک ایک ایک کرکے چلے گئے اور یسوع اکیلا رہ گیا اور عورت بیچ میں کھڑی رہی" جب وہ آسیب زدہ آدمیوں کے پاس پہنچتا تھا تو فقط اُس کی نزدیکی اُن کو سخت بیقراری میں ڈال دیتی تھی۔ اور وہ اُس کی منت کرتے تھے کہ اُن کے پاس سے چلا جائے اور اُنہیں دُکھ نہ دے۔ کیونکہ ایسے مقدس کو فقط دیکھنا ہی اُن کے لئے سخت عذاب کا باعث تھا ۔

اعلےٰ درجے کی نیکی کی موجودگی اگر انسان کو اپنا مطیع نہ کرے تو اُس وحشی حیوان کو جو انسانی دل کی تہ زمینی کوٹھریوں میں سکونت کرتا ہے برانگیختہ کرکے مخالفت پر آمادہ کردیتی ہے۔ مسیح کی موجودگی کے باعث اُس کے مخالفوں کی بدی اپنی بُری سے بُری صورت میں ظاہر ہوتی تھی۔ مثلاً پلاطوس نے یسوع کے مقدمے میں حکومت کے اُنہیں اصولوں کا استعمال کیا جو شائد اس سے پہلے سیکڑوں اور مقدموں میں استعمال کرچکا تھا۔ یعنی اُس شخص کا اصول جو اپنی بہتری چاہنے والا اور وقت کے مطابق چال چلنے والا ہو اور عدالتی کے لباس سے ملبّس ہو۔ مگر یہ اصول کبھی اپنی اصلی بدصورتی اور ناراستی میں ایسے پورے طور پر نمایاں نہ ہوا جیسے اُس وقت جب اُس نے براباس کو رہا کردیا اور

یسوع کو صلیب دئے جانے کے لئے حوالے کیا۔ صدوقیوں اور فریسیوں کی بیرحمی اور ریاکاری کبھی ایسے صاف طور پر عیاں نہ ہوئی جب تک کہ اُس روشنی نے جو یسوع سے نکل کر اُن پر پڑی ریاکاری کی پوشاک کے ہر ایک داغ اور چین کو اُجاگر نہ کر دیا۔ مسیح کی حلیمی کو دیکھ کر اُن کے دل میں اُس کے دعووں کی تردید کا خیال زیادہ تر جوش زن ہوتا تھا۔ الزاموں کے جواب میں اُس کے چپ رہنے سے وہ کینے کے مارے اُس پر اَور بھی دانت پیسنے لگے۔ اور اُس کی نفرینوں کی سختی سے وہ اَور بھی زیادہ پختگی سے اپنی غلطیوں سے لپٹے رہنے پر آمادہ ہوتے تھے۔ اس طور سے خود اُن اشخاص کی خوبیوں کے سبب جن سے بدآدمیوں کو واسطہ پڑتا ہے اُن کے دل سخت ہو جاتے ہیں۔ جیسے اخیاب نے جب ایلیاہ کو دیکھا تو پکار کر کہنے لگا "اے میرے دشمن۔ تو نے مجھے پا لیا؟" اسی طرح ہو سکتا ہے کہ صرف یہ خیال کہ اُس کی دیندار ماں اُس کے لئے دُعا مانگ رہی ہے یا کہ نیک اشخاص اُس کی رُوحانی بہتری کے لئے منصوبے باندھ رہے ہیں۔ ایک شخص کے دل میں جو مستقل عزم کے ساتھ چوڑی راہ پر جا رہا ہے ایک شیطانی نفرت اور غصہ پیدا ہو۔ حقارت جس سے خدا کے شاہد پر اُس کے ہمراہی نظر کرتے ہیں اکثر صرف اس امر کی شہادت ہوتی ہے کہ وہ اُس کی موجودگی کو خود اپنی بدچالیوں پر بطور ایک زندہ لعنت کے تصوّر کرتے ہیں اور یہ بات اُس شخص کی برتری کی ایک حقیقی گو غیر مقصودہ شہادت ہے۔ "اگر دُنیا تم سے دشمنی کرے تو تعجب نہ کرو۔ تم جانتے ہو کہ اُس نے تم سے آگے مجھ سے دشمنی کی"۔

۴

اگرچہ یسوع کی حضوری سے بعض اشخاص کے دل میں نفرت پیدا ہوتی تھی بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جن کو اس سے اُس کی طرف سخت کشش ہوتی تھی۔ اُس کی خصلت میں سب سے مخصوص بات اُس کی اخلاقی کشش تھی۔ اُس سے اُن لوگوں کے دل میں جو اپنے گناہوں سے وابستہ تھے اور اُن کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے نفرت پیدا ہوتی تھی۔ مگر وہ اُن سب کو جو کسی قدر نئی اور بہتر زندگی کی جستجو میں تھے اپنی طرف کھینچتا تھا ؛

اگرچہ رُوح انسانی میں گناہ کو بڑی طاقت حاصل ہے تو بھی وہ مقابل کے اصول کو بالکل مغلوب نہیں کر لیتا۔ ہر ایک آدمی میں ایک چیز ہے جو اُس کے گناہ کی مخالفت کرتی اور اُس کے برخلاف نالش کرتی ہے وہ شریر کو باپ کا گھر یاد دلاتی ہے جہاں سے وہ آوارہ ہو گیا ہے اور اُس کے دل میں سؤر چرانے کی خدمت کی نسبت شرم پیدا کرتی ہے وہ تنہائی کی گھڑیوں میں اُس کو متنبہ کرتی ہے کہ گناہ جس پر وہ فریفتہ ہو رہا ہے اُس کا بدتر دشمن ہے اور کہ جب تک اُس سے جدا نہ ہو وہ کبھی خوش و خرم نہیں ہوگا ؛

انسانی فطرت کا یہ نجات بخش اصول ضمیر یا نورِ قلب ہے اور اگر یہ طاقت جو پاک اور الٰہی چیزوں کو محسوس کرتی ہے انسان میں نہ ہوتی تو اُس کی حالت کی درستی کی کوئی اُمید نہ رہتی۔ یہ طاقت شریر آدمی میں بھی موجود ہے۔ جو فی الحقیقت اچھی باتوں کی تعریف و توصیف کئے بغیر نہیں

رہ سکتا اور اگرچہ وہ بدتر راستے پر چلتا ہے تو بھی بہتر راستے کو پسند کرتا ہے۔ یہ طاقت انسان کو اُس کے گناہوں سے گو کہ وہ اُن میں کیسا ہی غرق کیوں نہ ہو رہا ہو خوفناک اور شرمسار کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ گناہگاری پر لعنت ملامت کرنے سے اِس قوت میں تحریک پیدا ہو۔ جیسے کہ یوحنّا بپتسمانے کیا۔ مگر اس سے بھی بڑھکر یہ طاقت ایک غیر معمولی پاکیزگی اور عفّت کے دیکھنے سے یا اُس رحم سے جو بے دینی و شرارت پر ترس کھاتا ہے متاثر ہوتی ہے۔ یہ آدمی کو یاد دلاتی ہے کہ اُس نے کوئی چیز کھوئی ہے۔ اس سے گناہ کا حظ جس میں وہ مشغول ہوتا ہے اُس کی نظر میں بیقدر اور ناشائستہ معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی طاقت اُس کے دل میں بے چینی اور بے قراری پیدا کر دیتی ہے ؎

یسوع طبعی طور پر اس قسم کا اثر دوسروں پر نہایت مضبوطی سے کرتا تھا۔ جہاں کسی دل میں اعلےٰ اور پاک چیزوں کی نسبت نرمی یا اثر پذیری کا مادّہ ہوتا تھا اُس کی حضوری اُس کو اُکسا دیتی تھی ضمیر اپنے قیدخانے میں اُس کی آواز سُن کر چونک اُٹھتا اور کھڑکی کے پاس آ کر رہائی کی درخواست کرنے لگتا تھا۔ جیسا کسی حکیم کی آمد سے جس کے پاس کسی مُہلک مرض کا حکمی علاج ہو اُس مرض کے مریضوں کے درمیان ایک قسم کی ہل چل سی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ تار برقی کی تیزی کے ساتھ یہ خبر ایک دوسرے تک پھیلا دیتے ہیں اسی طرح جہاں کہیں یسوع جاتا تھا بھاری بوجھ سے لدے اور دلولوں سے بھرے دل اُس کی خبر سُنتے اور اُس کو ڈھونڈ کر پاتے تھے۔ محصول لینے والے اور گناہگاروں بلکہ خود فریسیوں میں بھی اُس کے آنے سے غیر معمولی تحریکیں پیدا ہوتی تھیں

نقودیموس رات کے وقت اُس کے پاس آیا۔ زکی اُس کو دیکھنے کے لئے گولر کے درخت پر چڑھ گیا۔ اور گناہگار عورت چپ چپ اُس کے پاؤں پاس جا کر آنسوؤں سے اُن کو دھونے لگی ٭

اخلاقی کشش دو قسم کی ہے۔ فاعلی۔ اور انفعالی ٭

ایک وہ خوبی ہے جو لوگوں کو فقط اپنے حُسن و خوبصورتی کی قوّت سے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ یہ اثر سوچنے سے پیدا نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ وہ باطنی چیز ہے اور اپنے آپ میں محو و محدود ہے۔ اُس کی توجہ ایک اندرونی رویا پر جمی ہوئی ہوتی ہے اور خود بخود ایک مخفی قانون کی پیروی کرتی ہے۔ اُس کو خیال تک بھی نہیں آتا کہ وہ اوروں پر کسی قسم کا اثر پیدا کر رہی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے حُسن سے بھی آگاہ نہیں۔ اور وہ چیز جو اس کے تمام اوصاف کو بوجہ احسن لوگوں پر ظاہر کرتی ہے فروتنی اور انکسار کا زیور ہے۔ اس قسم کی خوبی خصوصاً زنانہ اوصاف سے تعلق رکھتی ہے اور جو اشخاص اس کو زیادہ صفائی اور خصوصیت سے ظاہر کرتے ہیں اُن کی فطرت ہمیشہ نسائی عنصر سے بہرہ ور ہوتی ہے۔ ایسے اشخاص کو ہم میں سے اکثروں نے دیکھا ہے۔ بعض تو ادنےٰ درجے کے لوگوں میں سے ہوتے ہیں جو وفادار اور دُھن کے پکے۔ انسان سے باوفا۔ اور اُن کے دل خدا کی ستائش سے پُر۔ اور اُن کی زندگی ایک لگاتار حمد و تعریف کا گیت معلوم دیتی ہے۔ بعض اعلےٰ درجے کے لوگوں میں سے ہوتے ہیں۔ جو زندگی کے جھوٹے فخر اور شان و شوکت کے درمیان رہتے مگر اُن چیزوں کے جادو فریب اثرات اُن کو بالکل چھُو نہیں جاتے۔ اُن کی رُوح آزاد اور بے قید ہے۔ جو کبھی انسانی زندگی کے

جھوٹے نور اور ولولوں سے روشن نہیں ہوئی اور نہ وہ دُنیا کی بدیوں پر فریفتہ ہوئی۔ مگر تو بھی اُس کی ساری خوبیوں سے ہمدردی رکھتی اور مناسب طور سے اُن سے حظ اُٹھاتی ہے۔ یہ لوگ جہاں تک اس زندگی میں انسان سے ہونا ممکن ہے۔ اُس نورانی عالم کا جلوہ ایک نظر ہمیں دکھلاتے ہیں جس کا نور نہ سورج سے نہ چاند سے بلکہ اُس سے ہے جو ابدی نور ہے[1]۔

یسوع اس خصلت و مزاج کے آدمیوں کا سر اور تاج ہے۔ اُس کی صورت گزشتہ تمام صدیوں میں قدسیت کے حُسن سے درخشاں نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کی آنکھیں تاریخ کے صفحوں میں فضیلت اور خوبی کی تلاش کرتے ہوئے آخر کار اُسی پر جس میں وہ کامل اور لاثانی طور پر مجسم ہو رہی ہے جا ٹھیرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص مسیح کے حالات لکھنے بیٹھتا ہے اُس کی تعریف و توصیف میں عذب البیان ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بلکہ وہ اشخاص بھی جو مسیحی مذہب کی ہر ایک بات کی مخالفت میں سرگرم اور ساعی ہیں جب خود مسیح کا ذکر کرنے لگتے ہیں تو اُس کے سامنے ادب و سکوت اختیار کر لیتے ہیں۔ کوئی قلم اُس تاثیر کو پورے طور پر تحریر نہیں کر سکتی جو اُس کی زندگی کا تذکرہ جو اناجیل میں ہے پڑھنے سے دل پر ہوتی ہے۔ اُن تمام اوصاف کی جو اُس کی انسانی خصلت کے اجزا تھے ایک فہرست ترتیب دے لینا تو آسان ہے لیکن اُن کی باہمی آمیزش۔ اور ترکیب موزونیت اور کمال۔ مسرت اور دلفریبی کو کون شخص بیان کر سکتا ہے؟ مگر یہ اوصاف کا مجموعہ جسم کی صورت میں اس زمین پر پھرتا رہا اور مرد و عورت نے اُس کو اپنی آنکھوں

---

[1] موزلی صاحب کے وعظ۔

سے دیکھا!

فاعلی قسم کی اخلاقی کشش ایک مختلف طریق سے اثر کرتی ہے۔ بعض ایسی طبیعتیں ہیں جن کو ہم مقناطیسی کہتے ہیں۔ لوگ اُن کی طرف کھنچے جاتے اور اُن کی پیروی کرنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ ایسی طبیعتیں جو کچھ کرتی ہیں اپنے سارے زور سے کرتی ہیں اور دوسرے لوگ اُن کی طرف خود بخود کھینچے جا کر اُن کے بہاؤ کی تیزی اور تندی کے ساتھ بہے جاتے ہیں۔ اگر وہ بُرے راستے پر ہوں تو وہ گناہ میں پیشوا بن جاتے ہیں۔ کیونکہ تاریکی کی بادشاہت بھی آسمان کی بادشاہت کی طرح مشنری رکھتی ہے۔ انسانی فطرت کی دوسری قوتوں کی طرح اس قوت کے لئے تخلیص اور تقدیس کی ضرورت ہے۔ اور تب وہ مشنری۔ رسول اور مذہبی پیشرو کی رُوح بن جاتی ہے*

یسوع کی زندگی کے تذکرات میں کوئی امر اس سے بڑھکر حیرت بخش نہیں کہ وہ کیسی آسانی سے آدمیوں کو اپنا گھر بار چھوڑنے اور اُسکی پیروی کرنے پر راغب کر لیتا تھا۔ یوحنا اور یعقوب اپنی کشتی پر بیٹھے جالوں کی مرمت کر رہے ہیں۔ لیکن جب وہ بلاتا ہے تو وہ فی الفور اپنی کشتی اور جال اور اپنے باپ زبدی کو چھوڑ کر اُس کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ متی محصول کی چوکی پر بیٹھا ہے اور یہ جگہ آسانی سے نہیں چھوڑی جا سکتی۔ مگر جونہی وہ بلایا جاتا ہے اپنا سب کچھ چھوڑ کر یسوع کی پیروی کرتا ہے۔ زکی جو اپنی زندگی بھر جابر اور زیادہ ستاں رہا ہے جونہی یسوع اُس کے گھر مہمان بننا چاہتا ہے وہ بڑے فیاضانہ وعدے اور اقرار کرنے شروع کرتا ہے۔ یسوع ایک شاندار کام میں لگا تھا جس کا تصور

اور نتیجہ ہر ایک شخص کی قوّتِ واہمہ پر جس میں کچھ بھی شرافت کو جگہ تھی اثر کرتا تھا۔ وہ بالکل اپنے کام میں محو ہو رہا تھا اور نا خود غرضانہ جانفشانی کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں اُس کے نمونے پر چلنے کی خود بخود تحریک ہوتی تھی۔ وہ ایک نئی تحریک کا بانی اور پیشوا تھا جو اُس کے ساتھ بڑھتی گئی۔ اور اُن لوگوں کی سرگرمی دیکھ کر جو اُس میں شامل ہو گئے تھے اَوروں کے دل میں بھی اُس کی طرف کشش پیدا ہوتی تھی۔ یہی طاقت بڑے بڑے روحانی پیشواؤں میں بھی بڑی مقدار میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً مقدس پولوس۔ سود نا رولا۔ لوتھر۔ وسلی اور ایسے ہی اَور بہت سے آدمیوں میں۔ جو خود رُوح القدس سے بھر کر اَوروں کو خوشی اور آسائش و آرام کی طبعی خواہشوں سے اُوپر اُٹھا کر اُن کو ایک عظیم معاملے کے واسطے خود انکاری پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ اور کوئی گرم جوش آدمی جس میں یسوع کی سرگرمی جوش زن ہے کسی نہ کسی حد تک ویسا ہی اثر پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ہمارے زمانے میں یہ ایک صحت و درستی کا نشان ہے کہ تمام سمجھدار آدمی اپنی ذاتی تاثیر کی خبر رکھنے لگے ہیں۔ بہت لوگ صرف اس لئے گناہ سے خوف کرتے ہیں کہ اگر وہ گناہ کریں تو ضرور بواسطہ یا بلاواسطہ اَوروں کو بھی اُس میں مبتلا کرتے ہیں۔ اور اُن کو یہ معلوم کر کے نہایت ہی اطمینان اور تسلّی حاصل ہوتی ہے کہ وہ اُن لوگوں کو جن سے اُن کو کسی قسم کا تعلّق ہے نفع پہنچا رہے ہیں نہ نقصان۔

یہ ایسا خیال ہے جو ہماری زمینی زندگی کی مقدرت اور اہمیت کے شایاں ہے اور یقیناً یہی خیال ہماری زندگی کے ہادی اُصولوں

ہیں سے ہونا چاہیئے۔ مگر یہ بھی خطرات سے خالی نہیں۔ اگر ہم اِس اصول کو اپنے مقاصد و مطالب میں حدِ مناسب سے بڑھکر جگہ دیں تو اس سے ذہن ایک ناقابل برداشت بوجھ کے نیچے دب جائیگا۔ اور ہمارے چال چلن کے متعلق ایسی بڑی ذمہ داری اور جواب دہی کا خیال ہمارے دل میں پیدا ہو جائیگا کہ ہمت اور کوشش کے تمام سوتے بند ہو جائینگے۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے ہم اپنی زندگی میں اپنے افعال کے نتائج اور اثرات کا یہاں تک خیال رکھنے لگیں کہ آخرکار ریاکاری کی بلا میں پھنس جائیں۔ سب سے صحیح اثر وہ ہے جو نہ ہماری کوشش سے اور نہ جان بوجھ کر پیدا کیا جائے۔ جب ہم دوسروں پر اثر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں تو ٹھیک اُسی وقت ہی ہم بہت زیادہ اثر ڈالنے سے محروم رہتے ہیں۔ لوگ ہماری ایسی براہ راست کوششوں سے نظر بچا جاتے ہیں۔ مگر جب ہم اس کا خیال بھی نہیں کر رہے ہوتے وہ اُس وقت ہم کو تاڑتے ہیں۔ وہ ایک نا معلوم اشارے یا بے ساختہ لفظ سے اُس بھید کو جسے ہم چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں دریافت کر لیتے ہیں۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ آیا ہماری ذات فی الحقیقت اندر سے ایک خوبصورت محل کی مانند ہے یا فقط ایک بھدی سی عمارت سر بہ فلک کشیدہ ہے۔ وہ ہماری خصلت کے وزن اور جسامت کا بڑی تفتیش و صحت کے ساتھ اندازہ لگاتے ہیں اور صرف یہی بات ہے جو فی الحقیقت اُن پر کچھ اثر کر سکتی ہے۔ ہمارا اثر ٹھیک ٹھیک اُسی قدر ہوتا ہے جس قدر انسانیت کے لحاظ سے ہماری لیاقت یا نالیاقتی ثابت ہوتی ہے +

ہوسکتا ہے کہ آدمی اثر کے لئے کوشش کرے مگر ناکام رہے لیکن

اگر وہ اپنے باطن میں ترقی کرے یعنی خودداری - حق شناسی - عفت اور اطاعت میں - تو وہ اس میں ناکام نہیں رہیگا - اندرونی ترقی کا ہر ایک قدم ہم کو دنیا کی نظر میں اور ہر ایک معاملے کے واسطے جس سے ہمارا تعلق ہو زیادہ قابل قدر بنا دیتا ہے - لوگوں پر اثر ڈالنے کی سڑک صرف فرض اور وفاداری کی شاہراہ ہی ہے - اگر آدمی مسیح کی قربت میں بڑھتا جائے اور اپنی طبیعت میں مسیح کی قوت کو زیادہ زیادہ جگہ پکڑنے دے تو یقیناً انسان کے ساتھ خدا کے لئے اور خدا کے ساتھ انسان کے لئے قدرت رکھنے میں ترقی کرتا جائیگا "تم مجھ میں قائم ہو اور میں تم میں - جس طرح کہ ڈالی آپ سے میوہ نہیں لاسکتی مگر جب کہ وہ انگور کے درخت میں قائم ہو - اسی طرح تم بھی نہیں مگر جب کہ مجھ میں قائم ہو" (یوحنا ۱۵: ۴)



خداوند یسوع مسیح فرماتا ہے

اے لوگو جو محنت اُٹھاتے اور بوجھ سے دبے ہو سب میرے پاس آؤ۔ کہ میں تمہیں آرام دونگا۔ میرا جوآ اپنے اُوپر اُٹھا لو اور مجھ سے سیکھو کیونکہ میں حلیم اور دل سے فروتن ہوں۔ اور تم اپنی جانوں کے لئے آرام پاؤ گے۔ کیونکہ میرا جوآ ملائم ہے اور میرا بوجھ ہلکا ﴿

متی ۱۱ باب ۲۸ و ۲۹ و ۳۰ آیت

مطبوعہ مفید عام پریس لاہور